

غیر مسلم ممالک میں
عدالتوں کی طلاق

www.KitaboSunnat.com



ایفا پبلیکیشنز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم ممالک میں عدالتوں کی طلاق

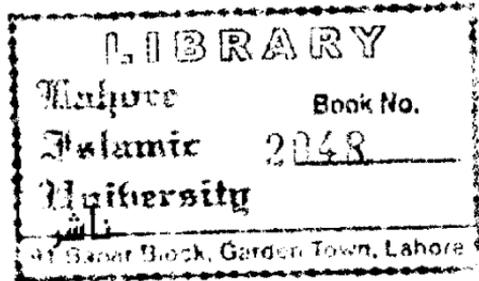
یعنی جن ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اگر وہاں غیر مسلم جج و قوع طلاق کا فیصلہ کریں تو کن صورتوں میں ان کا فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا، اور کن صورتوں میں نہیں ہوگا؟ اس مسئلہ پر تفصیلی مقالات اور اہل علم کے مناقشات کا مجموعہ [

www.KitaboSunnat.com

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : غیر مسلم ممالک میں عدالتوں کی طلاق
صفحات : ۳۳۳
قیمت : ۱۶۰ روپے
طبع اول : مارچ ۲۰۱۱ء
۲۵۶۰۲
ایف - ایف



ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

۱۶۱- ایف، پی، سٹریٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۰۸

جامعہ گریجویٹ، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

ای میل: ifapublications@gmail.com

فون: 011 - 26981327

مجلس اولیٰ

- ۱- مولانا مفتی محمد ظفر الدین مفتاحی
- ۲- مولانا محمد بہان الدین سنہلی
- ۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
- ۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- ۵- مولانا عتیق احمد بستوی
- ۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی



فہرست

| | | |
|-----|---------------------------------|--|
| ۱۱ | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | ابتدائیہ |
| | پہلا باب: تصدیق امور | |
| ۱۵ | | اکیڑمی کا فیصلہ |
| ۱۷ | | سوالنامہ |
| ۲۰ | قاضی محمد کمال قاسمی | تلخیص مقالات |
| ۶۷ | مولانا خورشید احمد اعظمی | عرض مسئلہ |
| | دوسرا باب: تفصیلی مقالات | |
| ۸۱ | مولانا خالد سیف اللہ رحمانی | غیر مسلم ممالک کی عدالتوں سے طلاق کے فیصلے |
| ۹۵ | مولانا خورشید انور اعظمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ |
| ۱۰۳ | مولانا بدر احمد نجمی ندوی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق دینے کا شرعی حکم |
| ۱۱۲ | مفتی انور علی اعظمی | غیر مسلم عدالت کا فیصلہ فتح نکاح |
| ۱۱۸ | مولانا ابو سفیان مفتاحی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم |
| ۱۲۳ | مفتی محمد ابو بکر قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کی شرعی حیثیت |
| ۱۳۴ | مولانا محمد جعفر علی رحمانی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۱۴۰ | مولانا خورشید احمد اعظمی | غیر مسلم ممالک میں عدالتوں کی طلاق |
| ۱۴۶ | مفتی محمد اقبال شکاروی | غیر مسلم ممالک میں آباد ہونے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں |
| | | اور ان کے حق میں غیر مسلم حکام کے فیصلے |
| ۱۵۸ | مولانا اشتیاق احمد اعظمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |

| | | |
|-----|----------------------------------|---|
| ۱۶۷ | مولانا عطاء اللہ قاسمی | غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۱۸۳ | مولانا محمد شاہ جہاں ندوی | غیر مسلم ملکوں میں عدالت کے ذریعہ حاصل کئے گئے طلاق کا شرعی حکم |
| ۲۰۵ | مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ |
| ۲۱۷ | مفتی اشرف قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۲۲۵ | مفتی محمد عارف باللہ قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق و تفریق |
| ۲۳۸ | مفتی محمد عثمان بستوی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ حاصل کئے گئے طلاق کا شرعی حکم |
| ۲۵۳ | مولانا سلمان پالچوہری | غیر مسلم عدالتی فیصلہ اسلامی تناظر میں |
| ۲۶۲ | مولانا عبدالحی مفتاحی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۲۶۷ | مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی آداپوری | غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق اسلامی تناظر میں |
| ۲۷۷ | مولانا عبد اللہ ندوی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق - ایک تحقیقی جائزہ |
| ۲۸۳ | مفتی محمد اقبال قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق - شرعی تناظر میں |
| ۲۹۲ | مولانا محمد رمضان علی | غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۰۱ | مفتی لطیف الرحمن ولایت علی | غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کے فیصلے |
| ۳۰۹ | مولانا محمد موسیٰ شمس قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۱۷ | مولانا ارشد شاداب | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |

تیسرا باب: مختصر تحریریں

| | | |
|-----|-----------------------------------|---|
| ۳۳۱ | مفتی شیر علی گجراتی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ |
| ۳۳۳ | مولانا زبیر احمد قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۳۷ | مولانا محمد قاسم مظفر پوری | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق و تفریق |
| ۳۴۲ | مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی | غیر مسلم ملکوں میں بذریعہ عدالت طلاق کا فیصلہ |
| ۳۴۷ | مفتی عبدالرحیم قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۵۰ | مولانا سلطان احمد اصلاحی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۵۴ | مولانا اختر امام عادل قاسمی | غیر اسلامی عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۵۸ | مولانا عبد القیوم پالچوہری | کیا غیر مسلم بیچ مسلمانوں کا نکاح کر سکتا ہے؟ |
| ۳۶۲ | مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سمیعی | غیر مسلم عدالت میں طلاق و تفریق کا فیصلہ |

| | | |
|-----|-------------------------------|---|
| ۳۶۷ | مولانا محی الدین بروڈوی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق شرعاً معتبر ہے یا نہیں |
| ۳۷۱ | مولانا مسیح اختر | غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق - ایک تحقیقی جائزہ |
| ۳۷۵ | مفتی محسن الدین قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۷۹ | مولانا عبداللطیف پالنپوری | غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم |
| ۳۸۳ | مولانا محمد فاروق درہنگوی | فتح نکاح میں غیر مسلم ممالک کے عدالتوں کا فیصلہ |
| ۳۸۷ | حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی | غیر اسلامی عدالتوں میں طلاق کے مسائل |
| ۳۸۹ | مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۹۳ | مولانا رضوان الحق مظاہری | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۳۹۸ | مولانا افتخار احمد مفتاحی | غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم |
| ۴۰۱ | مولانا محمد ذکاء اللہ شہلی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ |
| ۴۰۲ | مفتی محمد حنیف | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ |
| ۴۰۶ | مفتی محمد ارشد فاروقی | غیر مسلم ممالک کی عدالتوں میں تفریق کا فیصلہ شریعت کی نظر میں |
| ۴۱۱ | مولانا ریاض احمد قاسمی | غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق |
| ۴۱۳ | سید عبدالحفیظ الحجاوی | غیر مسلم عدالتوں کے ذریعہ دی گئی طلاق کا مسئلہ |
| ۴۱۵ | مولانا ثار احمد گودھروی | غیر مسلم ملکوں میں بذریعہ عدالت طلاق کا شرعی حکم |

چوتھا باب: اختتامی امور

مناقشہ

ابتدائیہ

اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی تقریباً نصف آبادی مختلف اسباب کے تحت غیر مسلم ممالک میں آباد ہے، وہاں انہیں بعض ایسے مسائل درپیش ہیں جن سے عالم اسلام میں بسنے والے مسلمان دوچار نہیں ہیں، ان ہی میں ایک اہم مسئلہ عدالت کے ذریعہ حاصل کی جانے والی طلاق ہے، عدالت کی طرف سے فسخ نکاح کا فیصلہ اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ قاضی کو عام مسلمانوں پر ولایت حاصل ہے، دوسری طرف یہ بھی قریب قریب متفق علیہ مسئلہ ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی اور وہ شرعاً قاضی نہیں ہو سکتا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ غیر مسلم جج اگر کسی مسلمان عورت کو طلاق دے بھی دے اور فسخ نکاح کا فیصلہ کر بھی دے تب بھی شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس عورت کے لئے اس فیصلہ کی بنیاد پر دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، لیکن جن ملکوں میں مسلم پرسنل لانا نافذ نہیں ہے اور مرد کو خود طلاق دینے کا اختیار نہیں بلکہ قانوناً عدالتیں ہی طلاق دینے کی مجاز ہیں وہاں بعض دفعہ طلاق دینے کے لئے خود مرد رجوع کرتا ہے، بعض اوقات طلاق پر مرد سے دستخط حاصل کیا جاتا ہے، بعض دفعہ عورت طلاق کا مطالبہ کرتی ہے اور مرد عدالت سے کہتا ہے کہ وہ جو چاہے فیصلہ کر دے، ایسی صورتوں میں کیا عدالت کو شوہر کا وکیل تصور کیا جاسکتا ہے اور یہ طلاق شوہر کی طرف سے مانی جاسکتی ہے؟ اس پہلو پر غور کرنے کے لئے اکیڈمی نے اپنے انیسویں فقہی سمینار میں علماء کو دعوت دی۔

موضوع پر بڑے اہم مقالات بھی پیش کئے گئے، تفصیلی تبادلہ خیال بھی ہوا اور مختلف

نقاط نظر سامنے آئے، لیکن بالآخر جن نکات پر اتفاق رائے ہوا وہ تجاویز کی صورت میں اس مجموعہ

کا حصہ ہے، اس حقیر کا خیال ہے کہ اردو زبان میں اس موضوع پر غالباً پہلی بار اتنی تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو قرآن و حدیث اور فقہاء کے اجتہادات کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، چنانچہ عزیز می مولانا محمد سراج الدین قاسمی رفیق شعبہ علمی نے ان مناقشات اور مقالات کا مجموعہ مرتب کیا ہے، جو اس وقت قارئین کے سامنے ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اکیڈمی کی خدمات میں تسلسل قائم ہے اور فکر و نظر کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، واللہ المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۱۶ رصفر ۱۴۳۲ھ

(جنرل سگریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا)

۲۱ جنوری ۲۰۱۱ء

جمیع فقہی تحقیقات

پہلا باب
تمغیہی امور

اکیٹمی کا فیصلہ:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مجمع الفقہ الاسلامی الہند (اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا) کا انیسواں سمینار صوبہ گجرات کے ضلع بھروچ کے معروف علمی ادارہ ”جامع مظہر سعادت ہانسوٹ“ میں ۲۷ تا ۳۰ ستمبر ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۲ تا ۱۵ فروری ۲۰۱۰ء بروز جمعہ تا دو شنبہ منعقد ہوا۔

اس سمینار میں ملک کے تمام صوبہ جات کے ممتاز علماء، اور مرکزی اداروں کے نمائندوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی، بیرون ملک سے بھی بہت سے علماء کی شرکت رہی، امریکہ، کناڈا، برطانیہ، جنوبی افریقہ کے علاوہ نیپال و ایران نیز قطر سے وہاں کے معروف عالم و محقق شیخ علی محی الدین قرہ داغی، اور مصر سے دارالافتاء مصریہ کے نمائندہ و نائب مفتی شیخ احمد مدوح سعد نے بھی شرکت کی۔

اس سمینار میں پانچ موضوعات میں سے ایک موضوع ”غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق“ کے لئے درج ذیل تجاویز پاس کی گئیں:

۱- غیر مسلم ممالک کی عدالت کا حج اگر مسلمان ہو اور وہ فیصلہ کرتے وقت شرعی ضوابط کو ملحوظ رکھتا ہے تو اسے مسلم حاکم کے قائم مقام تسلیم کرتے ہوئے فسخ نکاح کے سلسلہ میں اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۲- جن غیر مسلم ممالک میں حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لئے شرعی اصولوں کے

مطابق قضاء کا نظام قائم نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ ارباب حل و عقد کے مشورے سے دارالقضاء، شرعی پنچایت یا ان جیسے ادارے قائم کریں اور اپنے نزاعات و معاملات میں ان ہی کی طرف رجوع کریں۔

۳- طلاق چونکہ انقض المباحات ہے، اس لئے اسے اختیار کرنے سے پہلے پورے طور پر مصالحت اور نباہ کی صورت نکالنی چاہئے اور حتی الامکان طلاق و خلع سے بچنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔

۴- غیر مسلم ممالک کی عدالت میں شوہر قانونی مجبوری کے تحت غیر مسلم حج کو درخواست دیتا ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے اور حج تفریق کا فیصلہ کرتا ہے، توجیح کے فیصلہ تفریق کو طلاق بائن مانا جائے گا؛ البتہ بہتر ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے بعد شوہر اپنی زبان سے بھی الفاظ طلاق کہہ دے۔

۵- اگر غیر مسلم ممالک کی عدالت میں غیر مسلم حج کے سامنے عورت رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کے لئے درخواست دیتی ہے اور غیر مسلم حج اس کی درخواست پر شوہر کی اجازت سے تفریق کا فیصلہ کرتا ہے تو معتبر ہے، ورنہ یہ تفریق شرعاً معتبر نہیں ہوگی، ایسی صورت میں عورت یا تو شوہر سے خلع حاصل کرے یا دارالقضاء و شرعی پنچایت کے ذریعہ نکاح فسخ کرائے۔



سوالنامہ:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

شریعت اسلامیہ نے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا حق شوہر کو ہی دیا ہے، شوہر کے ماسوا کسی کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت میں ہی حاصل ہوتا ہے، یہ نیابت وکیل کی بھی ہوتی ہے، اور کبھی حاکم و حکم کو بھی حاصل ہوتی ہے اور اس صورت میں وکیل یا حاکم و حکم کی طرف سے رشتہ نکاح کو ختم کیا جاتا ہے۔

البتہ حاکم کی طرف سے علیحدگی کے فیصلے میں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر موجود نہیں ہوتا یا شوہر راضی نہیں ہوتا پھر بھی حاکم ایسے فیصلے پر مجبور ہوتا ہے۔

حاکم اگر مسلمان ہے خواہ قاضی شرعی ہو یا امیر تو اس کے فیصلے کا شرعاً اعتبار متفق علیہ ہے، اس لئے کہ شریعت نے اس کو عامۃ المسلمین کے مفادات کے حق میں ولایت عامۃ دی ہے، اس کی وجہ سے اس قسم کے فیصلے بھی نافذ ہوتے ہیں۔

البتہ حاکم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں سوال ہے کہ اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ ہندوستان میں تو عموماً رائے اس کے عدم اعتبار کی ہے؛ لیکن مغربی ممالک میں جہاں بڑی مقدار میں برصغیر کے باشندے بھی ہیں، وہاں اس کی وجہ سے لوگ الجھن و اضطراب میں بھی ہیں اور وہاں بعض حضرات کا رجحان یہ ہے کہ حاکم غیر مسلم بھی ہو تو حاکم ہے؛ لہذا اس کے ان فیصلوں کا بھی اعتبار کیا جانا چاہئے؛ لیکن وہاں بھی عام رجحان یہ نہیں ہے اور لوگ اس کی وجہ سے اضطراب اور پریشانیوں کا شکار ہیں، اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے مسئلہ کی تحقیق مقصود ہے؛ تاکہ

اس الجھن واضطراب کو دور کیا جاسکے۔

حاصل شدہ معلومات کے مطابق برطانیہ وغیرہ میں کئی شکلیں پائی جاتی ہیں جو دوسری جگہوں میں بھی ہو سکتی ہیں:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں؛ لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض و تحکیم مانا جاسکتا ہے، اور اسی بنیاد پر غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

۲- دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو اس کا کیا حکم ہوگا؛ جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے، اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمدگی نہیں ہے۔

۴- کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑ سکتا ہے کہ حج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو کیا اس کو ”مسلم حاکم و قاضی“ کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ و فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

۵- ضرورت اس کی بھی ہے کہ اس بابت کچھ اصولی روشنی ڈالی جائے کہ غیر مسلم عدالتیں

اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں؟ اس بابت فقہاء کی اصولی و فروعی تصریحات و توضیحات زیر بحث مسئلہ میں معاون ثابت ہوگی۔



تلخیص مقالات:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا قاضی محمد کمال قاسمی ☆

اسلامک فقہ اکیڈمی کے انیسویں فقہی سمینار کا ایک موضوع ”غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق“ ہے، اس موضوع سے متعلق اب تک اکیڈمی کو کل ۷۳ مقالات موصول ہوئے ہیں، ان مقالات کی تلخیص حسب ذیل ہے:

سوال نمبر ۱: شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے، اس صورت میں کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض و تحکیم مانا جاسکتا ہے، اور اسی بنیاد پر غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

سوال میں مذکور صورت میں غیر مسلم حج کے فیصلہ سے طلاق واقع ہو جائے گی اور غیر اسلامی عدالت کا یہ فیصلہ معتبر ہوگا۔

اس رائے کو اختیار کرنے والے حضرات مقالہ نگار کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:
مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری

☆ دارالقضاء، اوکھلا مین مارکیٹ، جامعہ گزنی، دہلی-۲۵

قاسمی، مولانا محمد فاروق درہنگوی، مفتی محمد عارف باللہ قاسمی، مولانا محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی رضوان الحسن مظاہری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی محمد اشرف، مولانا ارشد شاداب، مفتی اقبال، مولانا محمد رمضان علی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا انور علی اعظمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی۔

ان میں سے ۱۲ حضرات کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم حج شوہر کا وکیل ہے اور غیر مسلم شخص کو طلاق دینے کا وکیل بنانا جائز ہے۔

ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

مفتی عبد الرحیم قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مفتی سلمان پالنپوری، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عبدالحی مفتاحی، مولانا ارشد شاداب اور مولانا محمد رمضان علی۔

۵ حضرات نے اسے تفویض طلاق پر محمول کیا ہے، ان حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں: مولانا اشتیاق احمد اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی محمد اشرف، مولانا انور علی اعظمی، مولانا ذکاء اللہ شبلی۔

مولانا محمد شاہ جہاں ندوی نے لکھا ہے کہ شوہر کی درخواست کو تفویض مطلق یا توکیل یا تحکیم نہیں مان سکتے، تفویض مقید مان سکتے ہیں، مولانا محمد شاہ جہاں ندوی اور مولانا عبد اللطیف نے یہ بھی لکھا ہے کہ عدالت کے طلاق و فرقت کے فیصلہ کے بعد خود سے بھی شوہر طلاق دے۔

مولانا محمد فاروق درہنگوی نے لکھا ہے کہ درخواست دینا تحکیم کی ایک صورت ہے جس میں تفصیل مذکور کے مطابق شوہر سے طلاق لے کر فرقت نامہ تحریر کر دینا معتبر ہے، اس کے تحکیم کی صورت ہونے پر موصوف نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے بلکہ اپنے مقالہ میں ہدایہ کے حوالہ سے یہ لکھا ہے کہ کافر کو حکم بنانا جائز نہیں ہے، وفی الهدایة: لا یجوز تحکیم الکافر۔

شوہر کی درخواست کو اس کی طرف سے تو کیل قرار دینے کی دلیل میں درج ذیل عبارتوں کو پیش کیا گیا ہے:

”واجمعوا علی ان قوله لأجنتی: طلق امرأتی تو کیل ولا یتقید بالمجلس“ (بدائع الصنائع ۱۲۲/۳)۔

”اذا قال لرجل: طلق امرأتی تو کیلا ولم یقتصر علی المجلس“ (فتاویٰ عالمگیری ۴۰۲/۱، الفصل الثالث فی البغیة)۔

”اذا قال لرجل: طلق امرأتی فله أن یطلقها فی المجلس وبعده وله أن یرجع، لأنه تو کیل وانه استعانة فلا یلزم ولا یقتصر علی المجلس“ (ہدایہ ۳۶۱/۲)۔

”لو قال لرجل طلق امرأتی لم یقتید بالمجلس لأنه تو کیل وانه استعانة فلا یقتصر علی المجلس وأشار إلى أنه له الرجوع عنه“ (البحر الرائق ۳۳۰/۳ مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)۔

غیر مسلم کو کیل بنانا شرعاً جائز ہے، اس کے متعلق پیش کی گئی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

مولانا خورشید انور اعظمی صاحب اور مولانا ارشد شاداب صاحب نے بخاری شریف سے استدلال کیا ہے کہ امام بخاری نے صحیح بخاری شریف میں اس سلسلہ میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے: ”باب إذا وکل المسلم حربیا فی دار الحرب او دار الاسلام جاز“ (بخاری شریف ۳۰۸/۱) اس کے ذیل میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے ایک خط کا تذکرہ کیا ہے جس میں انہوں نے امیہ بن خلف کو لکھا ہے کہ مکہ میں وہ میرے متعلقین کی نگہداشت کریں اور مدینہ میں ہم ان کے متعلقین کی، حضرت عبدالرحمن بن عوف کے اس عمل سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنانا جائز ہے، اس لئے کہ آپ نے یہ عمل نبی اکرم ﷺ کی اجازت ہی سے کیا ہوگا، جیسا کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تحریر فرمایا ہے:

”الظاهر أن عبد الرحمن لم یفعل هذا إلا بإطلاع النبی ﷺ فلم ینکر

علیہ فذل علی صحته“ (عمدة القاری ۵/۶۸۲)۔

”ویصح توکیل کافر فی نکاح کتابیة ولو لمسلم، لانه یملک نکاحها لنفسه وکذا فی طلاق مسلمة“ (اسنی الطالب، کتاب الوکالة، الباب الاول، علامہ ابوالحسن زکریا انصاری شافعی)۔

”ما یرجع الی الوکیل فالعقل فلا یصح توکیل مجنون وصبی لا یعقل لا البلوغ والحریة وعدم الردة فیصح توکیل المرتد“ (المحرر المقتضب ۱۳۰/۷ کتاب الوکالة مطبوعہ پاکستان)۔

”وکذا ردة الوکیل لا تمنع صحة الوکالة فتجوز وکالة المرتد بأن وکل مسلم مرتداً، لأن وقوف تصرفات المرتد لوقوف ملکه والوکیل یتصرف فی ملک الموکل وانه نافذ التصرفات“ (بدائع الصنائع ۱۶/۵ کتاب الوکالة مطبوعہ زکریا یونہد)۔

وکالة کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، اس لئے غیر مسلم کو وکیل بنانا صحیح ہے۔

”اذا وکل المسلم أو الذمی حربیاً مستامناً فی دار الاسلام بنخصومة او بیع جاز“ (ہندیہ ۳/۵۶۳)۔

”قال ابن المنذر: توکیل المسلم حربیاً مستامناً وتوکیل الحربی المستامن مسلماً لا خلاف فی جوازہ“ (عمدة القاری ۸/۶۷۱)۔

جن پانچ حضرات نے شوہر کی اس درخواست کو تفویض پر محمول کیا ہے ان کے متدلات کا خلاصہ یہ ہے:

تفویض و توکیل کی تعریف: جس طرح مرد کو طلاق کا اختیار ہے اسی طرح وہ اپنا اختیار دوسروں کو سونپ سکتا ہے، اگر اس نے یہ اختیار اپنی بیوی کو دیا کہ وہ اپنی طرف سے اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا کسی اور شخص کو اس بات کا اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اس کی بیوی کو طلاق

دے دے تو یہ تفویض ہے، لیکن اگر کسی دوسرے عاقل بالغ کو طلاق دینے کا حکم دے اور اس کے اختیار پر نہ چھوڑے تو یہ توکیل ہے۔

یہ سپردگی اگر طلاق کے لفظ کے ساتھ ہے تو تفویض و توکیل صریح ہوگی اور اگر ایسے لفظ کے ساتھ ہے جو طلاق کے لئے صریح نہیں ہے تو اس میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

”ان یکون ذلک بمباشرة الزوج بنفسه بطریق الاصالۃ او بغيره باذنه أو امره وذلک نوعان توکیل و تفویض۔

اما التفویض فنحو قول الرجل لامراته امرک بیدک، اختاری، انت طالق ان شئت“ (بدائع الصنائع ۳/۱۱۲-۱۱۳)۔
شامی میں ہے:

”قال لها: اختاری او امرک بیدک یتولی تفویض (الطلاق) لانهما کنایة فلا یعملان بلانیة“ (در مختار ۲/۶۵۳-۶۵۵ باب تفویض الطلاق)۔
”المراد بالتفویض تملیک الطلاق“ (شامی ۳/۳۱۳)۔

”ان الزوج کما یملک التطلق بنفسه یملک ان ینیب عنه غیره فیه فله ان یفوض الطلاق الی غیره ویكون التفویض بتعلیق امر الطلاق علی مشیة الاجنبی“ (الاحوال الخفیة ص ۱۳۴۵ بوزیرہ)۔

تفویض طلاق کی اصل قرآن کریم کی یہ آیت ہے:

”یا ایہا النبی قل لأزواجک أن کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین أمتعنن وأسرحکن سراحاً جمیلاً، ان کنتن تردن اللہ ورسوله والدار الأخرۃ فان اللہ اعدل للمحسنات منکن أجراً عظیماً“ (سورۃ احزاب ۲۸-۲۹)۔

اس آیت کے تحت امام بھاصؒ لکھتے ہیں: ”ان اختارت زوجها فلا شیء وان

اختارت نفسها فواحدة بانة اذا اراد الزوج الطلاق“ (احکام القرآن ج ۳ ص ۳۶۹)۔
مصنف ابن شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً منقول ہے کہ ”اذا خیر
الرجل امراته فاختارت نفسها فواحدة بانة وان اختارت زوجها فلا
شیء“ (مصنف ابن شیبہ ۵۸۳/۹، مطبوعہ پاکستان کراچی)۔

تفویض طلاق مجلس تک محدود رہتی ہے، اور شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار نہیں رہتا
ہے، فتاویٰ ولوالجہ میں ہے:

”لو قال لاجنسی: طلقها ان شئت كان تمليكا حتى اقتصر على
المجلس ولا يقبل الرجوع فيه“ (فتاویٰ ولوالجہ ۹۶/۲)۔

البتہ اگر تفویض طلاق کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو مجلس کے بعد بھی
تفویض پر دلالت کرتے ہوں تو پھر مجلس کے بعد بھی اختیار باقی رہے گا، مثلاً ”متی شاء“، ”اذا
شاء“ (جب چاہے)، ”متی ماشاء“، ”اذا ماشاء“ (جب بھی چاہے)، چنانچہ ہدایہ میں
ہے:

”اذا قال لها طلقى نفسك متى شئت فلها ان تطلق في المجلس
وبعدہ لأن كلمة ”متی“ عامة في الأوقات كلها فصار كما إذا قال في أى وقت
شئت“ (ہدایہ کتاب الطلاق ۳۸۱/۲)۔

لہذا شوہر کی درخواست میں تفویض طلاق کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو
مجلس کے بعد بھی تفویض طلاق پر دلالت کرتے ہوں۔

مولانا محمد شاہ جہاں ندوی صاحب اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ ”اس درخواست کو
تفویض مطلق یا توکیل نہیں مان سکتے کیوں کہ تفویض مطلق مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے،
”الدر المختار“ میں ہے: ”الفرق بينهما في خمسة احكام: ففي التمليك لا يرجع،
ولا يعزل، ولا يبطل بجنون الزوج، ويتقيد بمجلس، لا بعقل، فيصح تفويضه“

بمجنون، وصبی لا یعقل، بخلاف التوکیل“ (الدر المختار ۳/۵۵۵، ۵۵۶، کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

اس درخواست کو توکیل بھی نہیں قرار دے سکتے ہیں، کیونکہ عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کے فیصلہ میں خود مختار ہوتی ہے، جبکہ وکیل موکل کی چاہت کے مطابق کام کرتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ”والوکیل مطلوب منه الفعل شاء اولم يشاء“ (ردالمحتار لابن عابدین محمد امین (۱۲۵۲ھ) کتاب الطلاق باب تفویض طلاق ۳/۵۵۵، دارالکتب العلمیہ بیروت)۔

اس درخواست کو تکلیف بھی نہیں مان سکتے ہیں کیونکہ حکم کا مسلم ہونا شرط ہے۔ البتہ اس کو تفویض مقید جو مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی ہے مان سکتے ہیں، گویا درخواست دینے والا شوہر غیر مسلم حج کو عدالتی کارروائی تکمیل کر کے طلاق دینے کا مالک بنا رہا ہے، ”البحر الرائق“ میں ہے:

”وتمسک ابن المنذر لمن لم يشرطه بقوله -عليه السلام لعائشة: لا تعجلى، حتى تستامري أبويك“، ضعيف، لأن هذا التخيير لم يكن المتنازع فيه وهو أن توقع بنفسها، بل على أنها بان اختارت نفسها، طلقها بدليل قوله تعالى: فتعالين أمتعن وأسرحن سراحا جميلا“ (الاجاب: ۲۸)۔

”وأجاب في المعراج بانه عليه السلام جعل لها الخيار، إلى غاية استشارة أبويها، لا مطلقا، وكلامنا في المطلق“ (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق ۳/۵۳۹)۔

حج کو وکیل ماننے یا معاملہ کی تفویض کرنے پر اعتراض:

غیر مسلم حج کو وکیل ماننے یا معاملہ کی تفویض کرنے میں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ موکل وکیل کو جس وقت چاہے معزول کر سکتا ہے لیکن یہ چیز عدالت کے حج کے بارے میں نہیں پائی

جاتی ہے، کیونکہ موکل چاہے بھی تو وکیل (غیر مسلم جج) کو معزول نہیں کر سکتا ہے، اگر تفویض مانتے ہیں تو یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ تفویض مجلس تک ہی محدود رہتی ہے (جیسا کہ پچھلی عبارتوں سے واضح ہو چکا ہے) حالانکہ عدالت مجلس کے بعد طلاق واقع کرتی ہے۔

جواب: آپ کا یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ موکل کا وکیل کو معزول کرنے کا اختیار یہاں بھی باقی ہے، البتہ معزول کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ شخص داخل کردہ درخواست واپس لے لے، درخواست واپس کرنا معزول کرنا ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ موکل کا اختیار ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ ابھی بھی باقی ہے۔

جہاں تک بات رہی تفویض کی تو اس میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جو مجلس کے بعد تک بھی تفویض پر دلالت کرتے ہوں۔

مثلاً ”متی شاء“، ”اذا شاء“ (جب چاہے)، ”متی ماشاء“، ”اذا ماشاء“ (جب بھی چاہے) چنانچہ ہدایہ میں ہے:

”ان قال لها طلقی نفسک متی شئت فلها ان تطلق فی المجلس وبعده لان کلمة متی عامة فی الاوقات کلها فصار کما اذا قال فی ای وقت شئت“ (ہدایہ کتاب الطلاق ۳۸۱/۲) (دیکھئے: مقالہ مولانا ارشد شاداب)۔

مقالہ نگار حضرات میں سے ۱۴ مقالہ نگاروں کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ شوہر کی اس درخواست کو نہ تکلیف، نہ تفویض اور نہ تو کیل کہا جاسکتا ہے، غیر مسلم عدالت کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا، اس فیصلہ کی وجہ سے عورت مطلقہ نہیں ہوگی اور وہ دونوں بدستور میاں بیوی رہیں گے۔

مولانا صبیح اختر، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی معز الدین قاسمی، مفتی شیر علی، مفتی محمد اقبال قاسمی در بھنگہ، مولانا محمد موسیٰ شمس قاسمی، ڈاکٹر سید اسرار الحق سہیلی۔

ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم کو حکم نہیں بنایا جاسکتا ہے اور غیر مسلم حج کا فیصلہ مسلمان پر نافذ نہیں ہو سکتا ہے، ان دلائل کا مختصر ذکر آگے آئے گا۔

مفتی ابو بکر قاسمی صاحب نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ بیوی کو طلاق دے کر تفریق تو خود کر دے البتہ بر بنائے احتیاط اپنے تحفظ کی خاطر غیر مسلم حج کے ذریعہ بھی اپنے فیصلہ کی تائید و توثیق کرا لے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۲۸ میں وارد الفاظ ”إلا أن تتقوا منهم نفة“ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

حافظ شیخ کلیم اللہ صاحب عمری مدنی کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ درخواست کی حیثیت تفویض کی ہے اور غیر مسلم عدالت کو حکیم کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، اور غیر مسلم حج صاحبان کا فیصلہ اگر اسلامی قوانین کے مطابق ہو جس کی توثیق معتبر و مستند علماء یا اسلامی تحریکات وغیرہ کے ذریعہ ہو تو یہ فیصلہ قابل قبول ہوگا ورنہ نہیں، جیسا کہ موقر علماء کے فتاویٰ میں مذکور ہے۔

”ولا تتوقف صحة الزواج بما هو متبع في القوانين الاسترالية لأن الزواج والطلاق من باب الولاية ولا ولاية لغير المسلم على المسلم ولكن يجب ان يوثق هذا الزواج لدى الجهات الاسلامية المختصة بذلك“ (فتاویٰ محلہ ۳۰۲/۱)۔

مولانا محمد شعیب عمر صاحب نے سوال نامہ میں درج سوالات میں سے کسی کا جواب نفی یا اثبات میں نہیں لکھا ہے۔

انہوں نے لکھا ہے کہ قضاء ولایت ہے اور کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“ (۱۳۱/۳)، کچھ مثالیں پیش کی اور ان پر سوالیہ نشان لگایا ہے۔

بعض حضرات نے اس سے تعرض نہیں کیا کہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل ہوتی ہے یا نہیں اور کافر کو حکم بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ البتہ اکثر مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ کافر کو

مسلمان پر ولایت حاصل نہیں ہوتی اور غیر مسلم حج و حاکم کا فیصلہ مسلمان پر نافذ نہیں ہوتا ہے، اور غیر مسلم کو حکم نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

دلیل قرآن کریم کی آیت: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين

سبيلاً“ (سورۃ نساء: ۱۳۱)۔

اس آیت کی تشریح میں شاطبی تحریر کرتے ہیں ”إن حمل على انه اخبار لم يستمر مخبره، لو قوع سبيل الكافر على المؤمنين كثيراً بأسره واذلاله، فلا يمكن ان يكون المعنى الا على ما يصدقه الواقع و يطرد عليه، وهو تقرير الحكم الشرعى فعليه يجب ان يحتمل“ (الموافقات للشاطبي، المقدمة الثالثة عشر ۱۵۶/۱۵۶، دار ابن عمفران السعودیہ)۔

یعنی آیت خبر کی صورت میں وارد ہوئی اور اس سے مراد امر ہے اور مطلب یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے یہ درست نہیں کہ کافر کو مسلمانوں پر قانونی تسلط حاصل ہو۔

”يا أيها الذين آمنوا أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم فإن تنازعتم في شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلاً“ (سورۃ نساء: ۵۹)۔

”اولوالامر“ سے مراد:

”واصح القول الواردة في المراد باولى الامر قولان:

الاول اصل القرآن والعلم وهو اختيار مالك ونحوه..... قالوا: هم الفقهاء والعلماء في الدين۔

الثانى: وهو أولى الاقوال بالصواب هم الأمراء والولاة..... ويشتمل أمراء المسلمين في عهد الرسول وبعده، ويندرج فيهم الخلفاء والسلاطين والأمراء و القضاة وغيره ممن له ولاية عامة“ (موسمہ ۱۸۹/۶)۔

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں: ”اولو الامر“ سے مراد خلفاء اسلام (یعنی مسلمان حکام مراد) ہیں، ”ومنکم“ اس کی کھلی دلیل ہے (اسلامی حکومت و دستور مملکت: ۱۰۲)۔

”الم تر إلى الذين يزعمون انهم آمنوا بها انزل اليك وما انزل من قبلك يريدون ان يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا ان يكفروا به ويريد الشيطان ان يضلهم ضلالا بعيدا“ (سورۃ نساء: ۶۹)۔
فقہی حوالے:

قاضی بننے کے لئے مسلمان ہونا بھی شرط ہے:

”الاسلام هو أحد الشروط التي يشترطها الفقهاء فيمن تقلدا لقضاء فلا يجوز تولية الكافر، لقوله تعالى: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا“ (سورۃ نساء: ۱۳، سورۃ بقرہ: ۲۵۹/۳۳)۔

”الصلاحية للقضاء لها شرائط: منها العقل، ومنها البلوغ ومنها الاسلام ومنها الحرية ومنها البصر ومنها النطق ومنها السلامة عن حد القذف..... فلا يجوز تقليد المجنون والصبي والكافر والعبد والا عمى والآخرس والمحدود في القذف۔ لأن القضاء من باب الولاية بل هو اعظم الولايات، وهو لا يست لهم أهلية أدنى الولايات، وهي الشهادة فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى“ (بدائع الصنائع ۳/۷)۔

”كل من صلح شاهدا صلح قاضيا ومن لا فلا“ (معین الحکام ۲۵)۔

”لأن القضاء ولاية ولا ولاية لغير المسلم على المسلم فلا تقبل شهادته عليه، لقوله تعالى: (ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا) و اجاز ابو حنیفہ تقلید غیر المسلم للقضاء بین أهل دینہ“ (الفتاویٰ الاسلامیہ وادلتہ

”القضاء ولاية عامة..... أما الشروط المتفق عليها بين ائمة المذاهب فهي ان يكون القاضي عاقلاً، بالغاً، حراً، مسلماً، سمياً، بصيراً، عالماً بالأحكام الشرعية“ (الفقه الاسلامي وادلته ۶/۷۳۳)۔

”وكذا الكافر لا ولاية له على المسلم، حتى لا تقبل شهادته عليه، ولأن هذه ولاية نظرية فلا بد من التفويض الى القادر المشفق ليتحقق معنى النظر، والرق يزيل القدرة والكفر يقطع الشفقة على المسلم فلا تفويض اليهما“ (ہدایہ ۳/۱۹۳ کتاب الوکالہ)۔

حکم و ثالث میں حاکم و قاضی کی صفت کا ہونا ضروری ہے۔

”وهذا إذا كان المحكم بصفة الحاكم لأنه بمنزلة القاضي فيما بينهما فيشترط اهلية القضاء، ولا يجوز تحكيم الكافر“ (ہدایہ ۳/۱۲۷)۔

”وفي الهداية لا يجوز تحكيم الكافر لانعدام اهلية القضاء“ (فتح القدير ۲۵۶/۷ لبنان)۔

”ولا يجوز تحكيم الكافر والعبد والذمي والمحدود في القذف والفاسق والصبي لانعدام اهلية القضاء“ (ہدایہ ۳/۱۲۷)۔

اگر بیج یا حاکم مسلمان نہ ہو تو اس کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام نہ ہوگا۔ ”لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه“ (الجزء التاسع ص ۳۵)۔

مفتی اقبال محمد نیکاروی صاحب کے مقالہ میں لکھا ہے کہ:

وہ ممالک جہاں غیر مسلم حاکم ہیں، حکومت کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں ہے، مسلمان وہاں اقلیت میں ہیں اور حکومتی اعتبار سے مسلمانوں کا کوئی وزن نہیں نہ اقلیت کے مذہبی قوانین کا کوئی پاس و لحاظ ہے، ایسے حالات میں مسلمان پرسنل لا (یعنی عائلی مسائل: نکاح،

طلاق، خلع، وقف، ہبہ، وراثت، وصیت وغیرہ) جیسے مسائل میں (جہاں قضاء قاضی ضروری ہے) مسلمان اپنے شرعی حاکم کے فیصلہ کے مطابق ہی عمل کریں گے۔ البتہ اس کے علاوہ (Criminal Code) میں انہیں حکومت کے فیصلے کے مطابق عمل کی گنجائش ہوگی۔

مولانا اقبال قاسمی اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں: جن فیصلوں کی بنیاد اتنی اور ایسی شہادتوں پر ہو جو شریعت کی نظر میں بھی کافی ہو اور قانون کی نظر میں بھی کافی ہو، تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قاضی کا حکم ضروری نہیں..... ایسے معاملات میں تو غیر مسلم حاکم بھی فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں، بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے، ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں (غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے کچھ مسائل ص ۱۳۸)۔

نزاعات کی ایک قسم ایسی ہے کہ اس میں قضاء قاضی شرط ہے اس میں قاضی مسلم بااختیار کا ہونا اشد ضروری ہے ایسا نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی اسلامی ضرورتیں معطل ہی نہیں بلکہ مسلمان سخت مواخذہ شرعیہ میں مبتلا ہوتے ہیں (مستفاد کفایت المفتی ۲۰۰۲)۔

اس قسم میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کر سکتے اگر کریں گے تو شرعاً معتبر نہیں ہوگا، ”لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه“ (الجيلۃ النازہ ۲۵)۔

وہ معاملات جن میں قضاء قاضی ضروری ہے اور ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ بسا اوقات کسی عورت کا شوہر مفقود ہو جاتا ہے اور عورت بھی نو عمر اور محتاج ہوتی ہے، متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے بموجب اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی طبعی و مالی مشکلات سے گلو خلاصی کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے، لیکن اس کی تکمیل بغیر مسلم قاضی کے فیصلے اور حکم کے نہیں ہو سکتی، ہزاروں عورتیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں، اور موجودہ حکومت کا قانون ان کی مصیبت رفع کرنے کے لئے ناکافی ہے اور مسلم قاضی کا نہ ہونا ان تمام مصائب کا ذمہ دار ہے (مستفاد کفایت المفتی ۲۲۱)۔

غیر مسلم حج کا نکاح فسخ کر دینا غیر معتبر ہے، اور اگر عدالت اس کا فیصلہ بھی کر دے تو اپنے علاقہ کے قاضی شریعت سے رجوع ہو کر دوبارہ اپنے معاملہ کی تفتیح کرائی چاہئے (جدید فقہی مسائل ۱/۴۵۲، ۴۵۳)۔

فناوی رحمیہ میں ہے: غیر مسلم حج تفریق کرے تو کیا شرعاً اس کا فیصلہ معتبر ہے؟
جواب: غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں، لہذا لڑکی نکاح نہیں کر سکتی اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے (فناوی رحمیہ ۱/۳۷۷)۔

غیر مسلم حج کے فیصلہ کے متعلق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:
اس بارے میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ سیشن حج غیر مسلم سے درخواست کی جائے وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کر دے کہ وہ شرعی فیصلہ کر دے اور پھر سیشن حج اس کے فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کر دے (کفایت المفتی ۶/۱۳۲)۔

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ کر سکے گی (کفایت المفتی ۶/۱۶۶)۔

بہر حال خلاصہ جواب یہ ہے کہ سوال نمبر (۱) کے جواب میں حضرات مقالہ نگاری جو آراء سامنے آئی ہیں وہ یہ ہیں کہ سوال میں مذکورہ صورت میں غیر مسلم حج کے فیصلہ سے طلاق واقع ہو جائے گی، اور غیر اسلامی عدالت کا یہ فیصلہ معتبر ہوگا یہ رائے (۱۷) حضرات کی ہے، ان ۱۷ میں سے دس حضرات کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم حج شوہر کا وکیل ہے اور غیر مسلم شخص کو طلاق دینے کا وکیل بنانا جائز ہے، ۵ حضرات نے شوہر کی اس درخواست کو تفویض طلاق پر محمول کیا ہے، مولانا محمد شاہ جہاں ندوی صاحب نے لکھا ہے کہ شوہر کی درخواست کو تفویض مقید مان سکتے ہیں، مولانا محمد فاروق دربھنگوی نے اس درخواست کو تحکیم کی ایک صورت مانا ہے، شوہر کی درخواست کو تحکیم یا تفویض یا توکیل نہیں کہا جاسکتا ہے، غیر مسلم عدالت کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا، اس فیصلہ کی وجہ سے عورت مطلقہ نہیں ہوگی اور وہ دونوں میاں بیوی رہیں گے (سبھی حضرات کے اسماء

گرامی پہلے لکھے جا چکے ہیں۔)

مولانا محمد شاہ جہاں ندوی اور مولانا عبداللطیف صاحبان نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”عدالت کے طلاق و فرقت کے فیصلہ کے بعد خود سے بھی شوہر طلاق دے دے۔“

مفتی ابوبکر قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ بیوی کو طلاق دے کر تفریق تو خود کر دے البتہ بر بنائے احتیاط اپنے تحفظ کی خاطر غیر مسلم حج کے ذریعہ بھی اپنے فیصلہ کی تائید و توثیق کرا لے تو شرعاً اسکی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۲۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

مقالہ نگار حضرات میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ اس دوسری صورت میں شوہر کی دستخط تفویض طلاق نہیں ہے، اس دستخط کی کوئی حیثیت نہیں ہے، غیر مسلم حج کا فیصلہ شرعاً نافذ نہ ہوگا، غیر مسلم عدالت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ شوہر کے حق طلاق کو بالجبر سلب کر لے اور جدائیگی کا فیصلہ کر دے۔

اس رائے کو اختیار کرنے والے حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا عبدالحق مفتاحی، مولانا شیر علی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مفتی لطیف الرحمن، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ذکاء اللہ شیلی، مولانا صبیح اختر، مولانا محمد موسیٰ شمسی قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا افتخار مفتاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی معز الدین قاسمی، مفتی محمد اقبال درجنگ، مولانا سید اسرار الحق سمیلی۔

اس رائے کے تعلق سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہی ہیں جو غیر مسلم کے قاضی اور حکم نہ بنائے جانے سے متعلق پہلی صورت کے تحت درج کئے گئے ہیں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی اور حضرت مفتی عبدالرحیم لاچپوری قدس سرہما کے فتاویٰ کے حوالہ سے درج ذیل سوال و جواب بھی لکھے ہیں:

سوال: حکومت موجودہ میں حاکم وقت اگر کسی عورت کو آزادی کی درخواست دینے پر بغیر رضامندی شوہر حکم آزادی دے دے تو وہ عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟
جواب: اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو عورت آزاد نہ ہوگی، اور دوسرا نکاح نہ کر سکے گی (کفایت المفتی ۱۳۵/۶)۔

سوال: ممبئی میں ایک لڑکی کی شادی ہوئی پانچ برس ہوئے لڑکا افریقہ میں ہے، فی الحال لڑکی کی عمر ۲۰ برس کی ہے، شادی کے بعد لڑکے نے اس کو نہیں بلایا، نہ نفقہ وغیرہ بھیجتا ہے، خط لکھے جواب ندارد، طلاق کا مطالبہ کیا جب بھی جواب نہیں دیا، بالآخر ممبئی کورٹ میں مقدمہ دائر کر کے طلاق حاصل کی، کیا یہ طلاق واقع ہوئی؟ ورنہ حصول طلاق کی کیا صورت ہو؟
جواب: صورت مسئلہ میں غیر مسلم مجسٹریٹ ”جج“ کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہے، لہذا لڑکی نکاح نہیں کر سکتی، اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے، لہذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دیندار مسلم پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہوں، یہ پنچایت شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ تحقیق کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے تب عورت شرعی نقطہ نظر سے بہ موجب آزاد ہوگی (فتاویٰ رحمیہ ۱۳۳/۲، مکتبہ رحمیہ راندیر)۔

اگر عدالت میں جج نے زبردستی طلاق شہرے لکھوائی تو یہی طور پر، یا زبردستی طلاق نامہ پر انگوٹھے کا نشان لگوا لیا، چاہے جج مسلم ہو یا غیر مسلم ہر حال میں اس طرح سے طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ شوہر نے زبان سے طلاق نہیں دی اور نہ ہی اپنی مرضی سے انگوٹھے کا نشان لگایا، تحریری طلاق اس وقت پڑتی ہے جب شوہر اپنی مرضی سے طلاق لکھ کر بیوی کو دے دے یا اپنی مرضی سے طلاق نامہ پر انگوٹھے کا نشان لگا دے تب جا کر طلاق پڑتی ہے، غیر مسلم جج کی عدالتی طلاق سے طلاق واقع نہ ہوگی، شرعاً عدالت کا فیصلہ اور طلاق غیر معتبر ہے، برطانیہ کی عورت کی طرف سے

عدالت میں جو درخواست آئی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور ہوگا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس صورت کی بھی شریعت اسلامیہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، اور شوہر کے دستخط کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ ہباء منشور کے مانند ہے، گویا کہ یہ ایک قسم کا ظلم و ستم اور جبری طلاق ہوئی، تم مانو یا نہ مانو عدالت کارروائی کے بعد جو فیصلہ کرے گی وہی معتبر ہوگا، حالانکہ غیر مسلم حج کا فیصلہ شرعی نقطہ نظر سے معتبر نہیں ہے، لہذا برطانیہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے یہاں دارالقضاء قائم کریں، اور اس کے مطابق شرعی فیصلہ کریں، نظام قضاء کی اہمیت کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلم حج کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ اس طرح جو عورتیں سرکاری عدالتوں سے اپنا نکاح فسخ کرائیں تو چاہے وہ بجائے خود اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو یہ فیصلے غیر معتبر ہیں، وہ عورت اپنے شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے اور یہ (غیر مسلم حج کے فسخ نکاح کے فیصلہ کے بعد کا) نکاح نادرست ہوتا ہے، نیز اس کے بعد تعلقات معصیت قرار پاتے ہیں، ایسی خواتین کے لئے اسلامی اور شرعی زندگی کا واحد نظام قضاء کا قیام ہے، اس طرح انگلستان میں نظام قضاء کے بعد مسلم پرسنل لا کا نفاذ مکمل اسلامی طریقے پر ہوتا رہے گا (سورۃ نساء: ۵۸، ۵۹، اس مسئلہ کی مکمل تفصیل دیکھئے: محارف القرآن ۲/۴۳۳ تا ۴۳۴ فرید بک ڈپو دہلی)۔

مفتی محمد اشرف، مولانا خورشید انور اعظمی اور مولانا عبداللطیف پالنپوری کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں شوہر نے محض عدالت کے دباؤ میں قانونی مجبوریوں کے پیش نظر ایک تحریر دے دی ہے، ہمارے فقہاء اس امر میں متفق ہیں کہ جو طلاق جبراً کی جائے وہ نافذ نہ ہوگی، ان کی دلیل یہ ہے کہ تحریری طلاق زبانی کے مقابلہ میں ضرورۃً جائز ہے اور چونکہ یہاں ضرورت نہ تھی اس لئے طلاق جائز نہیں ہے، یہی رائے مولانا رضوان الحسن مظاہری صاحب کی بھی ہے۔

”فلو أكره علي أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق، لأن الكتابة

أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا. كذا في الخانية“ (رد المحتار ۳۳۰۱۳، البحر الرائق ۳۲۹۱۳ کتاب الطلاق)۔

”وإن لم يقرأه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجه لا تطلق قضاء ولا ديانة، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقرأه كتابه“ (رد المحتار ۳۲۹۱۲ باب الصريح)۔

وجہ استدلال: جب فقہاء کے نزدیک بلا ضرورت تحریر سے طلاق کا وقوع نہیں ہوتا تو جو طلاق جبراً تحریر کرائی جائے بدرجہ اولیٰ واقع نہ ہوگی۔

مفتی ابوبکر قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ اگر عورت نے غیر مسلم عدالت میں غیر مسلم حج کے پاس رشتہ نکاح ختم کر دینے کی درخواست دی اور شوہر نے بخوشی عدالت کے فیصلہ کو منظور کرنے کے ثبوت کے لئے دستخط کر دیا اور پھر غیر مسلم حج نے علاحدگی کا فیصلہ کر دیا تو شوہر کے اس دستخط کی حیثیت تحریری طلاق کی ہوگی، ایسی صورت میں عورت پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

”كما قال الفقهاء: الكتاب كالحطاب في حق الغائب والحاضر“ (ہدایہ جلد چہارم مسائل شتی)۔

”قال في رد المحتار: ولو قال: اكتب طلاق امرأتی كان اقراراً بالطلاق وإن لم يكتب“ (رد المحتار ۳۲۵۱۲)۔

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ غیر مسلم عدالتوں میں مسلم عورتوں کا خلع وغیرہ کے لئے رجوع کرنا درست نہیں ہے بلکہ معتبر و مستند علماء یا اسلامی تحریکات وغیرہ کے ذریعہ خلع کا مطالبہ کیا جائے پھر اس خلع پر عدالتوں کے ذریعہ توثیق کی جائے تو مناسب ہے۔

مولانا سلمان پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مفتی محمد اشرف قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا ارشد شاداب، مولانا اختر امام عادل قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام

صدیقی، مولانا محمد رمضان علی اور مفتی عبدالرحیم قاسمی صاحبان نے اس صورت کو تفویض یا توکیل بالطلاق پر محمول کیا ہے اور عدالت کے فیصلہ کو معتبر و نافذ مانا ہے اور اس فیصلہ سے شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی، اور رشتہ نکاح ختم ہو جائے گا۔

مفتی عبدالرحیم قاسمی صاحب لکھتے ہیں کہ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مرد اگر حاکم وقت کے سامنے درخواست پیش کرتا ہے یا مطبوعہ فارم پر سمجھ کر بغیر جبر و اکراہ کے دستخط کر دیتا ہے جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ مذکورہ نکاح فسخ کر دو تو اس صورت میں حاکم وقت کو مرد اپنا وکیل بنانا ہے کہ وہ اس کا وکیل بن کر اس کی تکمیل کرے اور اس کا جو نکاح مسماۃ کے ساتھ ہے اس کو فسخ کرے یا طلاق دے دے اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا اور شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ غیر مسلم کو بھی وکیل بنا کر اس طرح کام کرانا درست ہے (اسلامی قانون نکاح و طلاق ص ۱۵۰)۔

مفتی عارف باللہ قاسمی صاحب نے اس صورت کو تفویض طلاق پر اکراہ قرار دیا ہے اور لکھا کہ اکراہ کی صورت میں بھی تفویض طلاق درست ہوتی ہے اور حوالہ میں علامہ نحسیؒ کی درج ذیل عبارت نقل کی ہے:

”لو اکراه بوعید تلف حتی یحصل عتق عبده فی یدھذا الرجل أو طلاق امرأته ولم یدخل بہا ففعله فطلق ذلك الرجل المرأة أو اعتق العبد وقع الطلاق والعتاق لان الاکراه لا یمنع صحة الاعتاق والطلاق“ (مبسوط کتاب الاکراه، باب الاکراه علی ما یجب بہ عتق او طلاق)۔

مولانا انور علی اعظمی اور مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی صاحبان نے لکھا ہے کہ اس صورت حال میں شریعت کی نگاہ میں فیصلہ معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حج مسلمان ہو اور اسلامی شریعت کے احکام سے واقف ہو اور تفریق کی جملہ کارروائی شرعی اصولوں کے مطابق انجام دے تو اس کا فیصلہ تفریق و طلاق نافذ ہوگا، بصورت دیگر عدالت کا فیصلہ عورت کے لئے

نا کافی ہوگا، اور عدالتی فیصلہ کے بعد اس عورت کو شرعی پتھاریت یا امارت شریعیہ جیسے ادارہ میں اپنا مقدمہ دائر کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرانا ہوگا، کیونکہ مذکورہ صورت میں شوہر عدالت کے دباؤ کی وجہ سے دستخط کرنے پر مجبور ہوگا، لہذا اس کے دستخط کو تفویض طلاق پر محمول نہیں کر سکتے، اور غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے الحلیۃ الناجزہ میں اس مسئلہ کی بھرپور وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہے وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی موجود نہیں ہیں ان میں وہ حکام حج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

”كما في الدر المختار ويجوز تقليد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو كافرا ذكره مسكين وغيره“، لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہو سکتا، ”لأن الكافر ليس بأهل القضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع الكتب للفقہ“ (الحلیۃ الناجزہ ص ۳۵)۔

مولانا محمد فاروق قاسمی در بھنگوی نے لکھا ہے کہ اگر شوہر نے اس شرط کو پڑھ کر بخوشی و رضا دستخط کر دیا ہے تو شوہر کے اس دستخط کی حیثیت ”امر بالید“ کی ہوگی، جب بھی حاکم فیصلہ کرے گا اس کا اعتبار از روئے شرع درست ہوگا۔

اگر شوہر نے اس شرط کو پڑھ کر بخوشی و رضا دستخط کر دیا تو شوہر سے اس دستخط کی حیثیت ”امر بالید“ کی ہوگی، گویا شوہر کا پڑھ کر بخوشی دستخط کر دینا اپنے رشتہ ازدواج کا معاملہ بخوشی حاکم کے سپرد کر دینا ہے کہ وہ باقی رکھے یا نہ رکھے اور یہی مطلب ہے ”امر بالید“ کا جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

”الأمر بمعنی الحال والید بمعنی التصرف والمعنی حال طلاق المرأة الذی جعله زوجها فی تصرفها“۔

”وفی البدائع لما جعل الأمر بیدها فقد خیرها بین اختیارها نفسها و بین اختیارها زوجها“ (بدائع ۲۳۸/۳)۔

لہذا اس صورت میں جب بھی حاکم فیصلہ کرے گا اس کا اعتبار از روئے شرع درست ہوگا۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی صاحب نے لکھا ہے کہ عورت درخواست تفریق دیتی ہے تو یہ اس کی جانب سے توکیل بالخلع ہوگی، اب اگر شوہر سے کافر حج دستخط لے لیتا ہے تو اس کی جانب سے بھی توکیل بالطلاق مانی جائے گی، نیز امام محمدؒ فرد واحد کے لئے جائین کی توکیل کو جائز سمجھتے ہیں، لہذا موجودہ صورت حال میں امام محمدؒ کے قول کو اختیار کر کے عدالت کے اس فیصلہ کو خلع ماننا جائز ہونا چاہئے۔

حوالہ میں درج ذیل عبارتیں پیش کی ہیں:

”ویجوز بالنکاح والخلع والصلح عن دم العمد والکتابۃ“ (بدائع الصنائع

۲۰/۱۵، کتاب الوکالہ)۔

”والضابط فیہ ان کل من یصح ان یتصرف بالخلع لنفسه جاز توکیله، ووکالته ذکرا او انثی، مسلما او کافرا، محجورا علیہ او رشیدا، لأن کل واحد منهم یجوز ان یوجب الخلع فصح ان یکون وکیلا و مؤکلا فیہ“ (الموسوۃ الفقہیہ ۲۵۱/۱۹ مادہ خلع مطبوعہ کویت)۔

لہذا عورت اگر غیر شرعی عدالت میں مطالبہ تفریق کی درخواست پیش کرتی ہے تو اس کو عورت کی طرف سے عدالت کے کافر قاضی کو خلع کا وکیل بنانا متصور ہوگا۔

اتنی بات تو غالباً متفق علیہ معلوم ہوتی ہے کہ شوہر کا دستخط توکیل بالطلاق پر دلالت کرتا

ہے، جامعین موسوع نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے۔

”اتفق الفقهاء علی أن الایجاب فی عقد الوکالة یتحقق بالخط أو

الكتابة الدالة علی ذلك، لأن الكتابة فعل یدل علی المعنی۔

ومثل الحنفیة بذلك بما لو أرسل أحد لآخر غائب کتابا معنونا و

مرسوما بتوکیلہ ایاہ بأمر ما قبل الآخر الوکالة انعقدت“ (الموسوع ۱۱/۳۵ ماده وکالة

مطبوعہ کویت)۔

شخص واحد جانبین کا وکیل ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل عبارت پیش کی ہیں:

”والواحد لا یصلح فی الخلع وکیلا من الجانبین، بأن وکلت رجلا

بالخلع فوکلہ الزوج ایضا سواء کان البدل مسمى اولاً، وعن محمد انه یصلح

کذا فی البزازیة“ (البحر ۴/۱۵۷ کتاب الطلاق باب الخلع)۔

مفتی اقبال محمد نیکاروی صاحب لکھتے ہیں کہ اس صورت میں عورت نے اگر کسی مال

کے عوض اپنے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کی درخواست دی اور عدالت کے سامنے شوہر نے اس مال

کے عوض خود طلاق یا خلع کا لفظ استعمال کرنے کے بعد دستخط کر دیا تو اس کی حیثیت خلع کی ہوگی۔

مفتی صاحب نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ: اگر صورت حال یہ ہے کہ عورت خلع چاہتی

ہے مگر شوہر نہیں چاہتا اور نہ طلاق دیتا ہے تو عدالت (دارالقضاء کے قاضی) تحقیق کے ذریعہ اس

نتیجہ تک پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ قائم نہیں رکھ سکیں گے، دونوں کا نباہ دشوار ہو چکا ہے تو

عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کر سکتی ہے، جیسا کہ حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب نے

اس طرف اپنا رجحان ظاہر کرتے ہوئے پاکستان کے دو مقدموں کا حوالہ دیا ہے (بحوالہ فقہی مقالات

۱۳۳۱-۱۳۳۲م بمذہب)۔

بہر حال مغربی ممالک کے مسلمانوں کے حالات کے اعتبار سے اس مسئلہ میں حضرت

امام مالکؒ کی رائے زیادہ قوی ہے اور یہی رائے اکثر فقہاء امام اوزاعی، اسحاق، شعبی، امام شافعیؒ

کی ہے اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے بھی اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی رائے کو پسند کیا ہے، وہ رقم طراز ہیں:

ہمارے زمانے میں جہالت اور احکام شرعی سے بے خبری اور اس وجہ سے ازدواجی زندگی میں ظلم و ستم اور اختلاف کی روشنی اگر اس مسئلہ میں فقہاء مالکیہ کی رائے قبول کر لی جائے تو شاید مناسب ہو (جدید فقہی مسائل، اضافہ شدہ ایڈیشن ۲۱۰۳)۔

مفتی محمد اشرف اور مولانا خورشید انور اعظمی کی رائے یہ ہے کہ اگر شوہر اس دستخط پر بدرجہ مجبوری راضی ہوا ہے تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ جس طرح طلاق مکروہ واقع ہوتی ہے اسی طرح توکیل بالطلاق بھی اکراہ کے ساتھ درست ہوتی ہے۔

”فان طلاقه صحیح ای طلاق المکره و شمل ما إذا أکره علی التوکیل بالطلاق فوکل فطلق الوکیل فانه یقع“ (رد المحتار ۴/۳۳۸)۔

”إذا أکره علی التوکیل فوکل فطلق الوکیل فانه یقع وفي الخانیة: رجل أکره السلطان لیوکلہ بطلاق امرأته فقال الزوج مخافة الحبس والضرر: أنت وکیل ولم یزد علی ذلک وطلق امرأته ثم قال المؤکل: لم أو کلہ بطلاق امرأتی قالو: لا یسمع منه ویقع الطلاق لأنه أخرج الکلام جوابا لخطاب الامر والجواب یتضمن إعادة مافی السؤال“ (البحر الرائق ۴/۳۳۸)۔

مولانا سلمان پالنپوری نے اس صورت میں شوہر کے دستخط کرنے کی درج ذیل دو حیثیتیں اور ذکر کی ہیں: ۱- یہ جانتے ہوئے کہ عدالت کا فیصلہ تفریق طلاق معتبر نہیں ہے، صرف عدالتی چکروں یا گرفت اور جواب دہی سے جان چھڑانے کے لئے دستخط کر دیا تو شوہر کے دستخط کی حیثیت توکیل بالطلاق کی نہ ہوگی۔

۲- شوہر نے فیصلہ عدالت منظور کرنے کے لئے بطور وعدہ دستخط کیا تو شوہر کے دستخط کی حیثیت وعدہ قبول فیصلہ کی ہوگی۔

دونوں صورتوں کا حکم یہ لکھا ہے کہ شرعی تفریق اور طلاق واقع نہ ہوگی، فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

”امراة قالت لزوجها: أترید أن اطلق نفسي؟ فقال: نعم فقالت: طلقت نفسي، ان كان الزوج نوى تفويض الطلاق إليها تطلق واحدة، وإن عني بذلك طلق نفسك ان استطعت لا تطلق، رجل قال لغيره: أترید أن اطلق امرأتك ثلثا؟ فقال الزوج: نعم، فقال الرجل: طلقت امرأتك ثلثا قالوا: تطلق ثلثا، والصحيح ان هذا وما تقدم سواء انما يقع الطلاق إذا أراد الرجل تفويض الطلاق اليه“ (فتاویٰ قاضی خاں ۲۵۲/۲ فصل فی الطلاق الذی یكون من الوکیل)۔

رضاء برتضاء اور وعدہ قبول فیصلہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیونکہ طلاق کے باب میں مشہور ضابطہ ہے کہ جب وقوع طلاق میں شک ہو جائے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ہدایہ میں ہے:

”فلا تطلق بالشك والاحتمال“ (ہدایہ ۳۶۵/۲ فصل فی إضافة الطلاق الی الزمان)۔

سوال نمبر ۳: تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے۔

اس صورت کا حکم (تقریباً سبھی مقالہ نگار حضرات نے) ایک ہی تحریر فرمایا ہے، ان حضرات کے الفاظ اگرچہ کچھ مختلف ہیں لیکن مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔
غیر مسلم حجج و حاکم نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا اور شرعاً تفریق و طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ان حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولانا شیر علی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا شتیاق احمد اعظمی قاسمی، مولانا نورا علی اعظمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی محمد اقبال قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا سلمان پالپوری، مولانا محمد شاہجہاں ندوی، مولانا محمد فاروق درہنگوی، مفتی محمد اشرف، مولانا عبداللطیف پالپوری، مفتی لطیف الرحمن، مولانا ارشد شاداب، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مولانا ذکاء اللہ شبلی، مولانا عبدالحق مفتاحی، مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مفتی معز الدین قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا محمد موسیٰ شمس قاسمی، مولانا صبیح اختر، مولانا عبدالقیوم پالپوری، مولانا رضوان الحسن مظاہری اور مولانا محمد رمضان علی۔

اس رائے کے تعلق سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہی ہیں جو سوال نامہ میں درج پہلی صورت کے جواب کے ذیل میں غیر مسلم قاضی اور حکم بننے کی صلاحیت نہ ہونے کے تعلق سے لکھے گئے ہیں۔

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ”غیر اسلامی عدالتوں کو میاں بیوی کے مابین تفریق کرانے کا حق حاصل نہ ہوگا، البتہ عدالت کا فرض ہے کہ قانونی کارروائی کے ذریعہ شوہر کو عدالت میں حاضر کیا جائے اور اسلامی قانون کے مطابق کارروائی کی جائے۔“

مفتی محمد اقبال ٹیکاروی صاحب کا جواب درج ذیل ہے: عورت کی درخواست آنے کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا تو ایسی صورت میں اگر عدالت کے قاضی تحقیق کے ذریعہ اس نتیجے پر پہنچ جائیں کہ زوجین حدود اللہ قائم نہیں کر سکیں گے تو عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کر سکتی ہے۔

مفتی صاحب نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ دوسری صورت کے حکم کے تحت درج کئے جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی صاحب نے اس صورت کو قضاء علی الغائب قرار دیا ہے، ان

کا جواب حسب ذیل ہے:

اگر قاضی خواہش نفس کا پیر و کار نہ ہو، فیصلہ کرنے میں لوگوں کی رعایت نہ کرتا ہو بلکہ حق اور دلائل و شواہد سے جو راجح ہو اس پر فیصلہ کرتا ہے، لالچی اور حریص نہ ہو، دوسری جانب اگر شوہر معصت ہے اور وہ عدالت کی جانب سے نوٹس ملنے کے بعد حاضر نہیں ہوا، یا ہو مگر دستخط پر راضی نہیں، ایسی صورت میں قاضی کا فیصلہ قضاء علی الغائب کی قبیل سے ہوگا، جس میں ائمہ فقہ کا اختلاف ہے، پھر بھی فقہاء اس فتح کو نافذ مانتے ہیں۔

”وفی نفاذ القضاء علی الغائب روايتان عندنا فعلى القول نفاذه يسوغ

للحنفى ان يزوجه من الغير بعد العدة“ (شامی ۲/۱۳، خیر الفتاویٰ ۵/۱۷۰)۔

عبارت محولہ سے معلوم ہوا کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اگر قاضی فیصلہ کر دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، اس لئے یہ نکاح فتح ہو گیا اور وہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے شادی کر سکتی ہے۔

مفتی عارف باللہ قاسمی نے اس صورت کے جواب میں جو تفصیل تحریر کی ہے وہ حسب

ذیل ہے:

یورپی ممالک میں جہاں نکاح کے امور عدالت کی زیر نگرانی انجام دیئے جاتے ہیں یا شرعی طور پر ایجاب و قبول کے بعد قانونی کارروائی عدالت میں انجام دینا ضروری ہوتا ہے وہاں بوقت نکاح یا بوقت کارروائی شوہر کی جانب سے حاکم و قاضی کو طلاق کی تفویض بھی کرنی ہوتی ہے، کہ عدالت کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ہم دونوں کے مابین تفریق کر دے، لہذا ان کے سابق قاضی شرعی فیصل مولوی اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

یورپی قوانین اجمالی طور پر قاضی کو طلاق دینے کا اختیار دیتے ہیں، پس جب مسلمان یورپی قانون کے مطابق عقد نکاح کرتا ہے تو گویا وہ قاضی کو طلاق دینے کے اختیار کے قانون کو ماننے کا صراحتاً اقرار کرتا ہے (فتویٰ www.mawlawi.net ۱۰۲)۔

اور اگر صراحتہ اس کو تسلیم کرنے کا اقرار نہ کرے پھر بھی قاعدہ ”المعروف بالعرف کالمشروط بشرطاً“ (قواعد الفقہ ل محمد عظیم الاحسان الحمد دی البرکتی ۳۳۴) کے تحت یورپی معاشرہ اور یورپی عدالتوں میں اس قانون کے معروف و مشروط ہونے کی وجہ سے عدالت کی زیر نگرانی عقد نکاح انجام دینے کی صورت میں وہ اس کو تسلیم کرنے والا قرار دیا جائے گا۔

پس اگر زوجین ان ممالک کے رہنے والے ہوں یا ان میں سے کوئی ایک ان ممالک کا رہنے والا ہو اور وہاں کے قانون کے مطابق عقد نکاح کو انجام دیا گیا ہو، یا شرعی طور پر ایجاب و قبول کے بعد عدالتی طور پر نکاح کی کارروائی انجام دی گئی ہو، پھر عورت کی درخواست پر عدالت تفریق کا فیصلہ شوہر کی حاضری کے بغیر کرتی ہے تو اس فیصلہ سے تفریق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ عدالت کو شوہر کی جانب سے تفویض طلاق کی وجہ سے بحیثیت وکیل تفریق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہے؛ کیونکہ اس صورت میں عدالت کی حیثیت وکیل کی ہے، اور یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ غیر مسلم وکیل کی تفریق بھی شریعت میں معتبر ہوتی ہے۔

لیکن عدالت کی جانب سے جو فیصلہ ہوگا اس کو تسلیم کرنے پر دستخط کرنے سے عدالت کے سامنے انکار کی صورت میں عدالت کے جانب سے تفریق کا فیصلہ معتبر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس مسئلہ میں غیر مسلم عدالت کی حیثیت ایک وکیل سے زیادہ نہیں ہے، اور کسی کو طلاق واقع کرنے کا وکیل بنانے کے بعد اس کی وکالت کو ختم کرنے کا شوہر کو اختیار رہتا ہے۔

”ان للمؤکل ان یعزل وکیل الطلاق“ (المحررات: کتاب الطلاق، فصل فی العیض) (مؤکل کو یہ اختیار ہے کہ وکیل طلاق کو معزول کر دے)۔

چونکہ اس صورت میں شوہر فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہا ہے، لہذا اس کو پہلے وکیل بنا چکا ہے، تو گویا دستخط سے انکار اس معنی میں ہے کہ اگر عدالت تفریق کا فیصلہ کرتی ہے تو وہ ہمیں تسلیم نہیں، اس طرح وہ تفریق واقع کرنے کے اس اختیار کو سلب کر لے رہا ہے، جو اس نے پہلے بحیثیت وکیل عدالت کو دیا تھا، اور اگر فیصلہ کے بعد دستخط سے انکار کی صورت میں پیش آئی تو

چونکہ تفریق واقع کرنے کے وقت عدالت کی وکالت باقی تھی اس لئے یہ تفریق معتبر ہونی چاہئے۔

ہاں اگر عدالت کو ایسے الفاظ میں طلاق تفویض کی گئی ہے جس میں شوہر کو رجوع کا اختیار باقی نہیں رہتا (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے) تو پھر اس صورت میں اس کا دستخط سے انکار کرنا عدالت کی وکالت کو ختم نہیں کر سکتا، اور اس صورت میں دستخط سے انکار کے باوجود تفریق کا فیصلہ معتبر ہوگا، مثلاً شوہر کی جانب سے تفویض ان الفاظ میں ہو کہ اگر عدالت میری بیوی کو مجھ سے جدا کرنا چاہے تو اسے یہ اختیار ہے، یا میری بیوی کو عدالت جب بھی مجھ سے جدا کرنا چاہے کر سکتی ہے، تو پھر اس صورت میں اسے رجوع کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ یہ توکیل کے بجائے تملیک ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

”فإن قيده بالمشيئة بأن قال له: طلق امرأتى إن شئت، فهذا تمليك عند أصحابنا الثلاثة“ (بدائع الصنائع ۳/۱۳۳)۔

(اگر طلاق واقع کرنے کے اختیار کو مشیت کے ساتھ مقید کر دیا، اور اس سے اس طرح کہا: اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دے دے تو یہ ہمارے تینوں اصحاب (امام ابوحنیفہ، ابو یوسف اور صاحبین) کے نزدیک تملیک ہوگی)۔

اور وکیل کی وکالت ختم کرنے کے اختیار کی طرح تملیک کو ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، علامہ محمود البخاری لکھتے ہیں:

”وهذا النوع من التمليك لا يقبل الرجوع“ (الحیة البرہانی) (اس طرح کی تملیک رجوع کو قبول نہیں کرتی)۔

یہ تفصیل تو ان ممالک کے پس منظر میں ہے جن میں عقد نکاح کو عدالت کی نگرانی میں کرنا یا اس کی عدالتی کارروائی کرنا ضروری ہوتا ہے، اور عقد نکاح کی کارروائی کے ضمن میں شوہر کی جانب سے عدالت کو طلاق کی تفویض قانونی طور پر کرنی ہوتی ہے، لیکن اگر زوجین یا ان میں کا

کوئی ایک ان ممالک کے رہنے والے ہوں جن ممالک میں نکاح کے لئے عدالت کی نگرانی ضروری نہیں، یا جہاں عدالت کو تفویض طلاق کا قانون نہیں ہے، اور ان کا نکاح تفویض طلاق کے قانون کو مانے بغیر ہوا ہے، پھر ایسی صورت میں عورت ان ہی ممالک کے غیر مسلم عدالت سے طلاق و تفریق کا مطالبہ کرے، یا کسی دوسرے ملک (جہاں تفویض طلاق کا قانون ہے) کے غیر مسلم عدالت سے طلاق کا مطالبہ کرے، جبکہ ان کا نکاح اس ملک میں نہیں ہوا ہے یا اس کی کارروائی اس ملک میں نہیں ہوئی ہے، اور عدالت شوہر کی جانب سے فیصلہ کو قبول کرنے کے دستخط کے بغیر یا اس کی حاضری کے بغیر عورت کے حق میں فیصلہ کر دے اور تفریق کا فیصلہ صادر کر دے، تو اس صورت میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ تفریق معتبر نہیں ہو سکتا، کیونکہ غیر مسلم عدالت اور اس کے غیر مسلم قاضی کو شوہر پر ایسی ولایت حاصل نہیں ہے جس سے اسے تفریق کا حق ہو، جیسا کہ یہ بات لکھی جا چکی ہے۔

سوال نمبر ۴- کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑ سکتا ہے کہ حج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو کیا اس کو ”مسلم حاکم و قاضی“ کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

تقریباً سبھی مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ حج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت مسلمانوں کے نکاح کے فسخ و تفریق کا کام بھی کرتا ہے اور وہ فیصلہ شرعی قاعدہ کے مطابق کرتا ہے نیز احکام شریعہ کے موافق اسے فیصلہ کرنے کا اختیار ہو تو اس کا فیصلہ فسخ و فرقت معتبر ہوگا اور اسے مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اور اگر اس کا فیصلہ شریعت کے خلاف ہو تو اس کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

اس رائے کے حاملین کے اہم گرامی یہ ہیں:

مولانا شیر علی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی، مولانا عطاء اللہ

قاسمی، مفتی لطیف الرحمن، مولانا ارشد شاداب، مولانا صبیح اختر، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد موسیٰ شمس قاسمی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری قاسمی، مولانا افتخار احمد مفتاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبدالرحمن مفتاحی، مفتی محمد اقبال قاسمی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا خورشید انور اعظمی، مفتی اقبال محمد نیکاروی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا انور علی اعظمی، مولانا محمد فاروق قاسمی در بھنگوی، مفتی محمد ابوبکر قاسمی، مفتی محمد اشرف، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، مفتی معز الدین قاسمی، مفتی عارف باللہ قاسمی، مولانا محمد رمضان علی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سلمان پالنپوری۔

بعض حضرات نے یہ قید لگائی ہے کہ مسلمان اس کے حج و حاکم بنائے جانے سے راضی ہوں، جیسے مولانا عبداللہ ندوی، مولانا محمد رمضان علی، مولانا رضوان الحسن مظاہری وغیرہ۔

اس رائے کے تعلق سے درج ذیل دلائل پیش کئے گئے ہیں:

علامہ ظفر عثمانی نے اپنی کتاب اعلاء السنن میں مستقل باب باندھا ہے: ”باب صحۃ تقلد القضاء من السلطان الجائر“ غیر مسلم عدالت میں مسلمان مجسٹریٹ قاضی کے قائم مقام ہے، اس کے متعلق بہت اہم نکتہ تحریر فرمایا ہے: غیر مسلم حکومت میں منصب طلب کرنا تاکہ اسلامی شریعت کے مطابق قوانین جاری کر سکے درست ہے، دیکھو سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں کافر حکومت سے منصب کو طلب کیا اور قرآن نے حضرت یوسفؑ کے الفاظ یوں نقل فرمائے ہیں: ”اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم“ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم حکومت میں مسلم حج کا قیام اور اس کا فیصلہ جبکہ شرعی ہو درست اور جائز ہوگا۔

اعلاء السنن میں ہے: ”تقلد الولاية والقضاء من کافر“ یہ تو عنوان ہے آگے تحریر فرماتے ہیں: ”ولاجل ذلک—والله اعلم— طلب سیدنا یوسف علیہ السلام الولاية والعمل من ملک کافر فقال: اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ—

علیم، وفيه دليل على جواز التقليد من الكافر، فمن المسلم الجائر بالأولى“ (اعلاء السنن ۱۵/۵۳)۔

البحر الرائق میں ہے: ”ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل، والجائر من أهل البغی، واطلق فی الجائر فشمّل المسلم والكافر، كما ذكره مسکین معزا الى الاصل وظاهره صحة سلطنة الكافر على المسلمین وصحت توليته القضاء“ (البحر الرائق ۶/۳۹۳)۔

قاضی بنانے والے کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

”قوله: ولو كافرا“ فی التاتار خانية: ”الإسلام ليس بشرط فيه أى فى السلطان الذى يقلد“ (رد المحتار ۸/۳۱۸ کتاب القضاء)۔

”الإسلام ليس بشرط فيمن يعين القضاء“ (ہندیہ ۳/۳۰۷)۔

”یرى الحنفية والحنابلة أنه لا يشترط عدالة المولى (بکسر اللام)

لأن ولاية الإمامة الكبرى تصح من كل برو فاجر فتصح ولايته كالعدل، لكن إذا كان المولى يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم“ (الموسوعة الفقہیہ ۳۳/۲۹۷)۔

”وإذا ولى الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت

ولايته“ (رد مختار ۵/۳۶۵)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”الحلیۃ النازحہ“ میں لکھا ہے: گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام نج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ ”لما فی الدر المختار: ویجوز تقلید

القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً ذكره مسکین وغیرہ“ (الحلیۃ

النازحہ ۵/۳۵)۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوری تحریر فرماتے ہیں: اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے، اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم جج شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے (فتاویٰ رحمیہ ۲۸/۶)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ہاں ضرورہً انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان کو حکومت کی طرف سے معاملات مخصوصہ اہل اسلام مثلاً طلاق، نکاح، میراث وغیرہ میں احکام شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے (کفایت المفتی ۲۲۳/۲)۔

کتاب الفتاویٰ میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اگر فیصلہ کرنے والا مجسٹریٹ مسلمان ہے تو اس کا فیصلہ ہندہ کے حق میں نافذ اور درست ہے اور وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے کیونکہ فقہاء نے دار الکفر میں غیر مسلم فرماں روا کی طرف سے مسلمانوں کے لئے انہی میں سے والی کے تقرر کو جائز قرار دیا ہے (کتاب الفتاویٰ ۶۶/۶)۔

مولانا شاہجہاں ندوی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کے مسلم جج کو مسلم حاکم وقاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے، البتہ اس کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو تو اس کا اعتبار ہو سکتا ہے۔

موصوف نے رد المحتار کی عبارت: ”فی التاتار خانیه: الاسلام لیس بشرط فیہ۔ ای فی السلطان الذی یقلد،“ اور البحر الرائق کی عبارت: ”وأطلق الجائر فشمّل المسلم والكافر“ اور رد المحتار کی درج ذیل عبارت پیش کی ہے: ”والإشارة بقوله (وهذا) إلى ما أفاده كلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من كافر، علی خلاف ما مر عن التاتار خانیه، ولكن إذا ولی الكافر علیهم قاضیا ورضیه المسلمون صحت توليته بلاشبهة تامل“ (رد المحتار کتاب القضاء ۸/۴۴)۔

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی صاحب نے لکھا ہے کہ مذکورہ صورت میں وہ مسلم حج ان غیر اسلامی ممالک و عدالتوں کا ایک کل پرزہ ہے، لہذا ان صاحبان کو مسلم حاکم یا قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

مولانا سلمان پالنپوری قاسمی نے لکھا ہے کہ حج اگر غیر مسلم عدالت و حکومت کا ہے مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت شرعی اصول کے مطابق اس قسم (فیصلہ طلاق و تفریق) کا کام بھی کرتا ہے تو ضرورۃً غیر مسلم عدالت کا مسلم حج قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتا ہے اور اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے (کذا فی کفایت المفتی ۲۳۹/۲ کتاب القضاء والافتاء)۔

سوال نمبر ۵- ضرورت اس کی بھی کہ اس بابت کچھ اصولی روشنی ڈالی جائے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار کر سکتے ہیں؟ اس بابت فقہاء کی اصولی و فروعی تصریحات و توضیحات زیر بحث مسئلہ میں معاون ثابت ہوں گی۔

اس سلسلہ میں ایک رائے یہ ہے کہ وہ مسائل جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے، ایسے معاملات میں تو غیر مسلم بھی فیصلہ کر سکتا ہے اور اس کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا، لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں۔

یہ رائے مندرجہ ذیل حضرات کی ہے:

مولانا مفتی اقبال محمد ٹنکاروی، مولانا ارشد شاداب، مفتی محمد ابوبکر قاسمی، مولانا سید اسرار الحق سیبلی، مولانا محمد موسیٰ شمش القاسمی، مولانا رمضان علی، مولانا صبیح اختر۔

جن مسائل میں قضائے قاضی ضروری ہے یعنی غیر مسلم حاکم کا فیصلہ ان میں معتبر نہیں ہے ان کی مثال میں عائلی مسائل نکاح، طلاق، خلع، وقف، ہبہ، وراثت، وصیت وغیرہ، حدود، قصاص، فسخ نکاح، رویت ہلال کا فیصلہ اور کسی کو یو الیہ (مفلس) قرار دینا وغیرہ ہے (مقالہ مولانا

سید اسرار الحق سبیلی، مفتی اقبال محمد نیکاروی)۔

جن مسائل میں غیر مسلم حاکم کے فیصلہ کو معتبر مانا جاسکتا ہے، ان کی مثال کر مثل کوڈ، ٹریفک، حفظان صحت، ماحول کا تحفظ، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت (مولانا سید اسرار الحق سبیلی، مفتی اقبال محمد نیکاروی)۔

مورث کی موت سے ورثاء کے لئے میراث کا حق اور خرید و فروخت کی وجہ سے بیع پر خریدار کی ملکیت وغیرہ۔

موصوف نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی کتاب غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے کچھ مسائل کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جن فیصلوں کی بنیاد اتنی اور ایسی شہادتوں پر ہو جو شریعت کی نظر میں بھی کافی ہو اور قانون کی نظر میں بھی کافی ہو، تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قاضی کا حکم ضروری نہیں..... ایسے معاملات میں تو غیر مسلم حاکم بھی فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں، بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے، ان میں غیر حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں (غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے کچھ مسائل ص ۱۳۸)۔

مولانا محمد موسیٰ شمش قاسمی کے مقالہ میں ہے کہ غیر مسلم عدالتوں میں جو قوانین مروج و مرتب ہیں وہ انہی کے مطابق فیصلہ کرتی ہیں، اس لئے قوی امکان ہے کہ عدالت نے اپنے فیصلہ کی بنیاد جن چیزوں پر رکھی ہو وہ کبھی اسلامی اصول و ضوابط سے ہم آہنگ ہو جائیں اور کبھی متضاد ہوں۔

لہذا اگر حاکم نے ایسی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے جو شرعاً غیر معتبر ہیں تو وہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ نہیں ہوگا، اور فریقین کے لئے اس سے استفادہ کرنا شرعی طور پر جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ بخاری شریف کی روایت ہے:

”من قضی له بحق أخيه فلا يأخذه فإن قضاء الحاكم لا يحل حراماً ولا

بحرم حلالاً“ (رواہ البخاری ۲/۱۰۶۳)۔

(جس کے لئے اس کے بھائی کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا تو وہ اس کو نہ لے، کیونکہ حاکم کا فیصلہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا ہے)۔
اسی طرح سے دوسری روایت ہے:

”إنما أنا بشر وإنکم تختصمون إلی ولعل بعضکم أن یکون ألحن بحجته من بعض فأقضى له علی نحو ما أسمع فمن قضیت له بحق أخیه شیئا فلا یأخذه فإنما أقطع له قطعة من النار“ (بخاری باب موعظة الامام للخصم ۲/۱۰۶۳)۔

(میں بھی بشر ہی ہوں اور تم میرے پاس معاملہ لے کر آتے ہو شاید تم میں سے بعض اپنی حجت کو مزین کر کے پیش کر دے پھر میں اپنے سننے کے مطابق اس کے لئے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو نہ لے کیونکہ میں اس کو جہنم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں)۔
لیکن اگر قاضی نے ایسی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا جو شرعاً معتبر ہیں تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہوں گے، ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے، تو ایسے معاملات میں تو غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا (جیسے مورث کی موت سے ورثہ کے لئے میراث کا حق)۔

لیکن جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے ان میں غیر مسلم منصف کا فیصلہ معتبر نہیں ہے (جیسے فسخ نکاح کے لئے قضاے قاضی کے بغیر صرف اسباب فسخ کا پایا جانا کافی نہیں ہے) (بحث و نظر ص ۴۵ شمارہ ۵۱)۔

مولانا عبید اللہ ندوی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو تو اسی کا حکم ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب پاکستان ”فلا وربک..... ویسلموا تسلیمًا“ (سورہ نساء: ۶۵) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آیت صرف معاملات اور حقوق کے متعلق نہیں ہے بلکہ عقائد و نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی

ہے، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی طرف اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کرے (معارف القرآن ۲)۔

تاہم پھر بھی اگر مسلمان اپنے تمام معاملات میں کسی خاص سبب یا حالات کی وجہ سے اگر شریعت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تو ان کے احوال شخصیہ یعنی پرسنل لا میں مثلاً نکاح، طلاق، وراثت، وصیت، اوقاف، شفعہ وغیرہ میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو ان کے فیصلہ کا اعتبار کرنا چاہئے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی لکھتے ہیں کہ وہ امور جو مسلمانوں کے مابین باہم خاص ہیں اور وہ معاملات غیر مسلم کے ساتھ درست نہیں مثلاً نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ امور ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

مفتی عبد الرحیم قاسمی اور مولانا عبدالقیوم پالنپوری کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ فسخ نکاح کے لئے قاضی شرعی یا شرعی پنچایت کا فیصلہ ضروری ہے، غیر مسلم جج کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں۔

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام مسلمانوں کے شرعی معاملات میں کسی حد تک فیصلہ نہیں کر سکتے، اسی طرح اگر وہ فیصلہ کر دیں تو مسلمان ان کے فیصلوں کا اعتبار نہیں کر سکتے۔

مفتی لطیف الرحمن ولایت علی لکھتے ہیں کہ معاملہ چاہے نکاح اور طلاق کا ہو یا خرید و فروخت اور وصیت و وقف کا ہو، غیر مسلم عدالتوں کو سنوانے اور ان کا فیصلہ ماننے کا سوال تو درکنار لے جانا بھی شرعاً ممنوع ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً" (نساء: ۶۵)۔

لہذا غیر مسلم عدالتیں مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی بالکل بھی مجاز نہیں ہیں، البتہ ایک صورت ہے کہ اگر ایک کافر اور مسلمان کے درمیان باہم نزاع پیدا ہو اور غیر مسلم جج نے مسلمان کے حق میں فیصلہ کر دیا اور واقعی مسلمان حق پر بھی تھا تو یہ فیصلہ قابل قبول ہوگا، اس وجہ سے نہیں کہ اس نے موافقت میں فیصلہ کر دیا بلکہ یہ تو شرعاً اس کے حق میں فیصلہ پہلے سے ہی موجود ہے ظاہراً اس فیصلہ کی نسبت غیر مسلم جج کی طرف ہوگئی ہے۔

مولانا ارشد شاد اب نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب کوئی مسئلہ ایسا ہے جس میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے اور قضاء قاضی ضروری نہیں ہے تو میرے خیال میں ایسے مسئلہ میں فیصلہ دراصل فیصلہ نہیں ہے کیونکہ جب دو آدمیوں کے درمیان عقد بیع ہو تو ظاہر ہے کہ عقد کے نتیجے میں مشتری بیع کا مالک ہوگا اور بائع روپے کا حقدار ہوگا، اب اس میں یہ فیصلہ کرنا کہ بیع مشتری کی ملکیت ہے تو درحقیقت یہ فیصلہ ہی نہیں ہے۔

مفتی محمد اقبال قاسمی کی رائے یہ ہے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کا فیصلہ نہیں کر سکتی، کیونکہ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کے لئے قاضی یا حاکم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

مفتی معز الدین قاسمی لکھتے ہیں کہ عبادات جیسے نماز (جمعہ و عیدین کا قائم کرنا) زکوٰۃ (جیسے اجتماعی زکوٰۃ وصول کرنے و خرچ کرنے کا نظم) اور حج وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ عبادات میں قول کافر قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ فقہاء کرام نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

عقوبات (حدود) قصاص یعنی جان کے بدلے جان، کسی نے کسی کی آنکھ پھوڑی تو جواب میں اس کی آنکھ پھوڑی جائے، اسی طرح حد زنا، حد قذف، اس کے لئے دارالاسلام ہونا شرط ہے، حدود دارالحرب میں جاری نہیں کئے جاسکتے ہیں، ملاحظہ ہو ”لأنه لا حد بالزنی فی دار الحرب“ (درمختار کتاب الحدود ۱۳/۱۳)۔

مفتی سلمان پالنپوری قاسمی لکھتے ہیں کہ جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے ہے مثلاً نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، تطہار، وقف، وراثت وغیرہ ان میں غیر مسلم بیع کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں۔

اسی طرح غیر مسلم بیع کا مسلمان کے خلاف کسی بھی معاملہ میں کوئی فیصلہ معتبر نہیں، کیونکہ جو شہادت کا اہل ہوتا ہے وہ قضاء کا اہل ہوتا ہے، اور غیر مسلم مسلمان کے خلاف شہادت دینے کا اہل نہیں ہے، لہذا وہ مسلمان کے خلاف فیصلہ کرنے کا بھی اہل نہیں ہوگا۔

البتہ جن احکام کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے نہیں ہے اور معاملہ اپنی حق تلفی یا مالی زیادتی کا ہو اور کوئی فریق زبردستی ظلم و زیادتی پر آمادہ ہو تو مظلوم فریق، اپنی دادرسی کے لئے غیر مسلم بیع و عدلیہ سے رجوع کر سکتا ہے، اس کے لئے اس کو ظلم کی تلافی کے لئے تعاون کی صورت میں دیکھا جائے گا، نہ کہ غیر مسلم بیع کے فیصلہ کے معتبر ہونے کی صورت میں، گویا کہ ایسے معاملات میں جن میں اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے طاقت و اقتدار کی ضرورت پڑتی ہے ان میں غیر مسلم بیع و عدلیہ سے مدد لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مطالبہ حق ہو۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی لکھتے ہیں کہ وہ مسائل جن میں مسلم و غیر مسلم مساوی ہوں جیسے معاملات یعنی بیع و شراء، ہبہ، وصیت، ہنک عزت اور تعزیر مالی و تعزیر جسمانی، نزاعات مالی (منقولہ و غیر منقولہ) جس و قیود وغیرہ میں غیر مسلم عدالتیں فیصلے کی مجاز ہیں۔

اور جن امور میں دونوں (مسلم و غیر مسلم) باہم مساوی نہیں جیسے طلاق، عتاق، حضانت، وراثت وغیرہ ان میں غیر مسلم عدالتیں کسی عالم دین کو مکلف بنا سکیں گی کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کر دے، اور پھر غیر مسلم پیشین بیع اس کے فیصلہ کو نافذ کر دے۔

مولانا اشتیاق احمد اعظمی قاسمی لکھتے ہیں کہ فوجداری (جرائم سے متعلق معاملات) دیوانی (مالیاتی معاملات) میں اگر مسلمان آدمی آپسی مصالحت سے حق کو حاصل نہ کر سکے کیونکہ شرعی پنچایتوں اور امارت شرعیہ وغیرہ جو غیر مسلم ممالک میں مسلمان قائم کرتے ہیں ان کے پاس

قوت نافذہ کا فقدان ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے جائز حقوق کی وصول یابی کے لئے غیر مسلم عدالت میں بھی جاسکتا ہے، کیونکہ حکومت کے پاس قوت نافذہ ہوا کرتی ہے، اس طرح کے مسائل میں اگر مسلمان غیر مسلم عدالت میں جاتا ہے تو اس کے لئے عدالت کا فیصلہ اسی صورت میں قابل قبول ہوگا، جب وہ اللہ اور اس کے رسول کے بیان کردہ اصول و قوانین کے مطابق ہو، بصورت دیگر ایسے فیصلے مسلمان کے لئے ہرگز قابل قبول نہ ہوں گے۔

حضرت مولانا شیر علی صاحب لکھتے ہیں کہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس وقت زیادہ تر حکومتیں جمہوری ہیں اور وہ حکومتیں مفاد عامہ کو ملحوظ رکھ کر قوانین وضع کرتی ہیں، چنانچہ ان کے فیصلے اور قوانین امور دنیاویہ میں معتبر ہوں گے، بشرطیکہ وہ شرعی قوانین سے متصادم نہ ہوں، اور اگر وہ متصادم ہوں تو پھر ایسے مسائل کا حل شرعی عدالتوں کے ذریعہ کیا جائے گا۔

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی لکھتے ہیں کہ غیر اسلامی عدالتوں اور حکام کے فیصلے اسلام کے مطابق ہوں تو وہ قابل قبول ہوں گے، جن کی توثیق مستند علماء کرام سے ہو، ورنہ دیگر صورت میں مسلم پرسنل لا میں دخل اندازی درست نہ ہوگی، لہذا ایسے ملکوں میں مسلم کمیونٹی ردارالقضاء وغیرہ کے ذریعہ سے مسلمان اپنے شرعی مسائل حل کرائیں۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں کہ قاضی شرعی کی عدالت میں چار قسم کے مقدمات آتے ہیں:

- ۱- خالص حقوق اللہ جیسے حدود وغیرہ۔
- ۲- خالص حقوق العباد مثلاً مطالبہ قرض وغیرہ۔
- ۳- حقوق اللہ و حقوق العباد سے مرکب حق لیکن اللہ کا حق غالب ہو جیسے حد قذف، حد سرقہ وغیرہ۔

۴- حقوق اللہ و حقوق العباد سے مرکب حق لیکن بندہ کا حق غالب ہو جیسے قصاص وغیرہ۔
شرعی عدالت کے قاضی کی حیثیت حقیقت میں مسلمانوں کے وکیل کی ہوتی ہے، لیکن ایسے وکیل کی جو شاہد بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ لیکن غیر مسلم قاضی شاہد نہیں ہو سکتا اس میں

صرف وکیل کی شان رہ جاتی ہے، لہذا ایسے تمام معاملات جن میں توکیل جائز ہے اور قاضی شرعی کی راست ضرورت اس معاملہ کی تنفیذ کیلئے نہیں ہے تو ان تمام امور کی تنفیذ غیر مسلم عدالت سے ہو سکتی ہے۔

لہذا وہ حقوق جو خالص اللہ کے ہیں ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ، شرعی فیصلہ نہیں ہے، اسی طرح وہ امور جن میں دعووں کی ضرورت ہے جیسے حدسرقہ و حدقذف وغیرہ ان کی بابت فیصلہ کا اختیار غیر مسلم عدالت کو نہیں۔

ہاں وہ حقوق جو بندے کے ہیں خواہ حقوق اللہ میں سے بھی ہوں لیکن دعویٰ کی راست حاجت نہیں، جیسے قرض وغیرہ کی ادائیگی یا قصاص کی تنفیذ وغیرہ ان امور میں غیر مسلم قاضی فریقین کا وکیل ہو کر فیصلہ کر سکتا ہے۔

شامی میں ہے: ”تسمع الشهادة بدون الدعوى فى الحد الخالص والوقف وعتق الامة وحربتها الاصلية وفيما تمحض لله تعالى كرمضان وفى الطلاق والايلاء و الظهار سوى حد القذف وكذا حد السرقة لما تقدم فى محله ان طلب المسروق منه المال شرط القطع“۔

”زاد الحموى ثامنه: وهى اشتراط الامام لاستيفاء الحدود دون القصاص“ (رد المحتار ۱۰/۱۵۳ کتاب الجنايات، فصل فيما يوجب القود وما لا يوجب، مطبوع دار الكتاب دہلوی)۔

”واذا قتل الرجل عمداً له ولى واحد فله ان يقتله قصاصاً قضى القاضى به او لم يقض“ (رد المحتار ۱۰/۱۵۲ کتاب الجنايات)۔

مولانا خورشید انور اعظمی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم عدالتیں مسلم مسائل کے تفسیر کے لئے بحیثیت وکیل فیصلہ کر سکتی ہیں اور وہ فیصلہ معتبر ہوگا، البتہ ان کی حیثیت قضاء و تحکیم کی نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان میں قضاء و تحکیم کی شرطیں مفقود ہیں، لہذا جن مسائل میں توکیل کی صورت نہ پائی جارہی ہو اور ان کے فیصلے شرعی اصول و ضوابط سے متصادم ہوں تو اس صورت میں ان فیصلوں کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا۔

مولانا شاہجہاں ندوی نے لکھا ہے کہ معاملات تین طرح کے ہیں:
۱- دیوانی معاملات، ۲- تعزیری معاملات، ۳- خانگی معاملات۔

قاضی کا مسلمان ہونا اور سارے معاملات میں شرط ہے کیونکہ غیر مسلم کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہے، اور اس لئے بھی کہ قانون اسلامی کی روح کو وہی پہچان سکتا ہے جو اس پر ایمان بھی رکھتا ہو، نیز شریعت کے مقاصد و اہداف کا ادراک وہی کر سکتا ہے جو اس پر عقیدہ رکھتا ہو اور اس کی تطبیق کا خواہاں ہو، چنانچہ غیر مسلم حج اگرچہ اسلامی قانون کا علم رکھتا ہو وہ اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے لئے وہ ذہنی سرگرمی صرف نہیں کر سکتا ہے جو کہ مطلوب ہے۔

”ظہر من کلامہم حکم القاضی المنصوب فی بلاد الدروز فی القطر الشامی، ویکون درزیا ویکون نصرانیا فکل منہما لا یصح حکمہ علی المسلمین، فان الدرزی لاملہ لہ، کالمنافق والزندیق وان سمی نفسہ مسلما، وقد افتی فی الخیریۃ بأنه لا تقبل شہادۃ علی المسلم“ (رد المحتار کتاب القضاء ۸/۲۳)۔
جہاں تک غیر مسلم عدالت کے فیصلہ کے اعتبار کا تعلق ہے تو اصل یہ ہے کہ ایک مسلمان غیر مسلم عدالت کی طرف رجوع نہ کرے، کیونکہ ایسی عدالت کی طرف مقدمہ لے جانا جو غیر الہی قانون کے مطابق فیصلہ کرے، طاغوت کی طرف مقدمہ لے جانا ہے جس کے انکار کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”الم تر إلی الذین یزعمون انہم امنوا بما أنزل إلیک وما أنزل من قبلک، یریدون أن یتحاکموا إلی الطاغوت وقد أمروا أن یکفروا بہ ویرید الشیطان أن یضلہم ضلالا بعیدا“ (سورہ نساء: ۶)۔

لیکن جو شخص غیر اسلامی عدالت میں جانے پر مجبور کر دیا گیا ہو اس طرح کہ اس کے خلاف دعویٰ قائم کر دیا گیا ہو تو وہ مکروہ و مجبور کے حکم میں ہے اور اس پر گناہ نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”إلا من أکره و قلبہ مطمئن بالایمان“ (أنحل: ۱۰۶)۔

البتہ چونکہ سارے وضعی قوانین اسلامی شریعت کے مخالف نہیں ہیں، لہذا اگر کسی کا حق

ہو یا وہ ظلم کا شکار ہو اور حق کی وصولیابی یا ظلم کو دور کرنا قانونی عدالت میں مقدمہ لے جائے بغیر ممکن نہ ہو تو اس کو اپنا حق وصول کرنے اور ظلم کو دور کرنے کے لئے غیر مسلم عدالت میں مقدمہ لے جانا درست ہوگا، ”لأن الضرورات تبيح المحظورات“۔

اگر غیر مسلم عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو تو مالی معاملات میں اس کا اعتبار ہوگا۔

علامہ عز بن عبد السلام تحریر کرتے ہیں: ”بل لو تعذرت العدالة في جمع الناس لما جاز تعطيل المصالح المذكورة، بل قدمنا أمثل الفسقة فأمثلهم وأصلحهم للقيام بذلك فاصلحهم بناء على أنا إذا امرنا بامر اتينا منه بما قدرنا عليه ويسقط عنا ما عجزنا عنه، ولا شك ان حفظ البعض أولى من تضييع الكل، وقد قال شعيب عليه السلام: ان أريد الا الاصلاح ما استطعت“ (ہج: ۸۸) وقال تعالى ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التعاون: ۱۶) ”فعلق تحصيل مصالح التقوى على الاستطاعة فكذلك المصالح كلها“ (تواعد الاحكام فصل فيما يهدر في الظنون من ۳۷۲)۔

اور عبد اللہ شمشقظیلی تحریر کرتے ہیں: ”شهادة اللفيف، حيث وجد المستورون، اما اذا كان اهل البلد كلهم فساقا فقد نقل القرافي في الذخيرة عن ابن ابي زيد ان لم يوجد في جهة إلا غير العدول أقيم اصلحهم وأقلهم فجوراً للشهادة عليهم ويلزم مثل ذلك في القضاة وغيرهم، لكي لا تضيع المصالح، قال: وما أظن انه يخالف أحد في هذا، فإن التكليف مشروط بالامكان“ (طرد النوال والامل عن الكروع في حياض العمل لعبد اللہ شمشقظیلی ص ۲۵)۔

خرشی لکھتے ہیں: ”ان المتبايعين اذا تنازعا في عيب في المبيع فانه يقبل في معرفته غير العدول وإن مشركين“ (شرح مختصر خليل للخرشي، فصل في بيع الخيار ۱۳۹/۵ مکتبہ شاملہ)۔

اصولی اعتبار سے غیر مسلم عدالتوں میں مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کی اہلیت

مسلوب ہے۔

لیکن جس شخص کے خلاف غیر اسلامی عدالت میں دعویٰ قائم کر دیا گیا ہو تو وہ مکرمہ اور مجبور کے حکم میں ہے اور اس پر گناہ نہیں۔

اپنے حق کی وصولیابی یا ظلم کو دور کرنا قانونی عدالت میں مقدمہ لے جائے بغیر ممکن نہ ہو تو اپنا حق وصول کرنے اور ظلم کو دور کرنے کے لئے غیر مسلم عدالت میں مقدمہ لے جانا درست ہوگا۔ اگر غیر مسلم عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو تو مالی معاملات میں اس کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا۔

مولانا عطاء اللہ قاسمی صاحب رقم طراز ہیں کہ دارالامان میں اسلامی حدود و تعزیرات یعنی قتل عمد، قتل خطا، زنا، تہمت، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، اگر ان جرائم کا ارتکاب کسی مسلمان سے ہو تو غیر مسلم عدالتوں و حکام کا فیصلہ مسلمان کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔

اس کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ دارالامان میں مسلمان دارالاسلام سے متعلق احکام نافذ کرنے کے مکلف نہیں ہوں گے، ”لا یکلف اللہ نفسا إلا وسعها“ وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے اسلامی حکومت و اقتدار شرط ہے، مثلاً اسلامی حدود و تعزیرات یعنی قتل عمد، قتل خطا، زنا، تہمت، چوری، ڈکیتی، شراب نوشی کی وہ مخصوص سزائیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں اسلامی نظام حکومت کے بغیر ان کا نفاذ شرعاً واجب نہیں ہے۔

اسلام نے ان جرائم کو انسانیت کے لئے زہر قاتل اور لعنت قرار دیا ہے، اس لئے ان جرائم کی سزائیں اتنی سخت اور عبرت ناک مقرر کی ہیں کہ اگر صحیح طور پر ان کا نفاذ ہو جائے تو دل و دماغ ان جرائم کے تصور سے مدتوں لرزتے رہیں گے، دوسری قوموں کے نافذ العمل قوانین میں ان کی سزائیں اتنی سخت نہیں ہیں، لیکن ان جرائم کی قباحت کو ہر مذہب اور ہر قانون تسلیم کرتا ہے، اور صالح معاشرہ کے لئے ان کا انسداد ضروری سمجھتا ہے، لہذا اگر کوئی غیر مسلم حکومت ان جرائم کے انسداد کے لئے قانون بنائے تو باوجودے کہ ہمارے عقیدہ کے لحاظ سے وہ قانون عدل و انصاف کے اعلیٰ معیار سے کمتر ہوگا مگر چونکہ مقصد بہتر ہوگا لہذا تعاون و شراکت میں مضائقہ نہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان“ (سورہ مائدہ: ۲)۔
اگر ان جرائم کا ارتکاب کسی مسلمان سے ہو جائے تو غیر مسلم عدالتیں و حکام کا فیصلہ
مسلمان کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔

اسی طرح مثلاً عصمت فروشی، رقص، سرور، سحر، کہانت، نجوم، چیوش وغیرہ اسی طرح وہ
سارے معاملات جن سے جرائم کی پرورش ہوتی ہے اور معصیت پر دان چڑھتی ہے مثلاً مورتیوں
اور تصاویر کی خرید و فروخت، آلات لہو و لعب وغیرہ اگر دارالامان میں ان امور کو جرم قرار دے کر
قانوناً ممانعت کر دی جائے، ان کے ارتکاب کرنے والے کو قابل سزا قرار دیا جائے تو مسلمان
ان معاملات میں غیر مسلم عدالتوں اور غیر مسلم حکام کے بہر حال پابند ہوں گے۔

اخلاق و عبادات سے متعلق احکامات مذہبی آزادی کے تحت ہیں، لہذا غیر مسلم عدالتیں
اور حکام کو اس سلسلہ میں مداخلت کا دستوری اعتبار سے کوئی حق نہیں، بصورت دیگر مذہب میں
مداخلت متصور ہوگا، مسلمان بہر صورت اخلاق و عبادت کے معاملہ میں غیر مسلم عدالتوں و حکام
کے پابند نہیں ہو سکتے۔

مولانا مصطفیٰ قاسمی لکھتے ہیں کہ غیر مسلم قاضی نہیں بنایا جاسکتا، لیکن اہل ذمہ میں سے
کسی شخص کو ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کر دے تو یہ درست ہوگا،
اس کے بعد اصل جواب کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

اعتقادات، اخلاقیات، معاشرت، عبادات، حدود و قصاص، غرض یہ کہ مسلمانوں
کے جو خصوصی مسلم پرسنل لایا ہیں اس میں غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام کو کوئی فیصلہ کرنے کا
شرعاً حق نہ ہوگا۔

معاملات، معاشیات، تجارت، سیاسیات میں جب باہم اختلاف ہو جائے اور اس کا
کوئی حل نہ نکل سکے تو ایسی صورت میں غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام بھی مسلمانوں کے حق میں
فیصلہ کر سکتے ہیں۔

۱- سفر میں وصیت کا حکم: قرآن مجید میں ایک خاص پس منظر میں غیر مسلموں کی

نگار تھے، یہ اس کا سب سے قیمتی سامان تھا، اسے ایک ہزار درہم میں فروخت کیا اور رقم آپس میں تقسیم کر لی باقی سامان بدیل کے رشتہ داروں کے حوالہ کر دیا، انہوں نے اس میں قیمتی پیالہ نہ دیکھا جو بدیل اپنے ساتھ لے گئے تھے، ایک روایت ہے کہ وہ سامان جو اس نے ان دونوں کے حوالہ کیا تھا اس کی فہرست اسی سامان میں موجود تھی، سامان اس کے مطابق نہیں تھا، اس میں وہ پیالہ بھی غائب تھا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش ہوا تو یہ آیات نازل ہوئیں، تمیم اور عدی سے جب پیالہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی ناواقفیت ظاہر کر دی، لیکن جلد ہی پیالہ مکہ میں ایک شخص کے پاس دیکھا گیا، اس نے بتایا کہ یہ تمیم اور عدی سے خریدا گیا ہے، اس کے بعد بدیل سہمی کے رشتہ داروں نے قسم کھائی کہ پیالہ انہی کا ہے اور تمیم اور عدی نے غبن کیا ہے، چنانچہ ان آیات کی روشنی میں ان کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا (بخاری شریف ۳۹۰۱، کتاب الاوصایا، ترمذی ۳۶۲۴، ابواب النضیر، سورہ مائدہ، ابوداؤد ۲۵۰۷۵۰۸۲، کتاب القضاء باب شہادۃ اہل الذمۃ فی الوصیۃ فی السفر، معارف القرآن ۳/۲۵۸۲۲۵۳ وغیرہ)۔

۳- اہل کتاب کے علاوہ دیگر مسلمانوں کی گواہی بھی معتبر ہے، مسلمانوں کے حق میں:

اس مسئلہ میں ایک رائے یہ بھی رہی ہے کہ ”آخران من غیر کم“ کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، الفاظ عام ہیں ان میں سب ہی غیر مسلم آجاتے ہیں، یہ رائے سلف میں سعید بن جبیر، مجاہد، ابن سیرین، ابن زید، عبیدہ بن عمرو السلمانی وغیرہ کی ہے، علامہ طبری نے اسی کی تائید کی ہے، کہتے ہیں: ”أو آخران من غیر کم“ اللہ تعالیٰ نے کسی گروہ کی تخصیص نہیں کی ہے، الفاظ عام ہیں، جو لوگ اسلام سے باہر ہیں چاہے وہ یہودی اور نصرانی ہوں یا مجوسی روایت پرست سب ہی اس میں آجاتے ہیں، یہی رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے (غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق ص ۱۶۳)۔

۴- مسلمان کی عدم موجودگی یا موجودگی میں غیر مسلم گواہ ہو سکتے ہیں:

قرآن مجید کے الفاظ سے ایک استدلال یہ کیا گیا ہے کہ سفر میں وصیت پر دو عادل

مسلمانوں یا دو غیر مسلموں کو گواہ بنانے کا اختیار ہے، وصیت کرنے والا ان میں سے جن کو گواہ بنانا

چاہے بنا سکتا ہے، لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس میں یہ اختیار نہیں ہے بلکہ آیت کا منشا یہ ہے کہ سفر میں اگر مسلمان گواہ نہ ملیں تو غیر مسلموں کو گواہ بنایا جائے۔

ان معروضات کی روشنی میں معاملات، معاشیات، سیاسیات، بیع و شراء، قرض کے لین دین، زمین و جائداد کی خرید و فروخت، باہمی نزاعات اور جرائم وغیرہ کے سلسلہ میں غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کر سکتے ہیں اور عصر حاضر میں ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں۔



عرض مسئلہ:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

جامعہ مظہر سعادت ہانسٹ، گجرات کے زیر اہتمام اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے انیسویں فقہی سمینار کے موضوعات و عناوین میں سے ایک موضوع ہے، ”غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق“ طلاق، ایک شرعی حق ہے جو نکاح کے ساتھ ہی شوہر کو حاصل ہو جاتا ہے، اور عام حالات میں وہی اس کے استعمال کا مجاز بھی ہے، یا پھر وہ جس کو اجازت دے، کسی غیر کے ذریعہ طلاق کی ایک صورت تفویض و تملیک ہے، دوسری صورت تو کیل، بعض حالات میں مسلمان قاضی یا حاکم کو عامۃ المسلمین پر ولایت کے سبب یہ حق حاصل ہو جاتا ہے، خواہ شوہر اس پر راضی نہ ہو۔

نیز طلاق، زوجین کے مابین حل نزاع کی آخری شکل ہے، جو اس سے باقبل کی تمام مساعی مخلصہ کی ناکامی کے بعد انتہائی ناگزیر حالات میں اختیار کرنا مناسب ہے، کیونکہ شریعت میں اسے ”ابغض الحلال الی اللہ تعالیٰ“ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور چونکہ کتاب اللہ کی سورہ ”الطلاق“ میں اس سے متعلق کچھ امور کے ذکر کے ساتھ بار بار مختلف پیرایہ میں تقویٰ کا بھی ذکر کیا گیا ہے، اس لئے اس مقدس رشتہ کو ختم کرتے وقت اللہ کا خوف اور تقویٰ بھی ملحوظ رہنا

☆ الکتب العلمی، محلہ رگھوناتھ پورہ، ممب۔

چاہئے۔

عرض مسئلہ تحریر کیے جانے کے وقت تک موضوع سے متعلق کل چونتیس مقالے موصول ہوئے، اکثر مقالہ نگار نے اس امر کی طرف اہتمام کے ساتھ توجہ دلائی کہ وہ ممالک جہاں شرعی اسلامی قوانین پر فیصلہ کی سہولیات مہیا نہیں ہیں، کوشش کی جائے کہ وہاں کی عدالتوں میں مسلمانوں کے مسائل میں اسلامی شریعت سے فیصلہ کا نظم ہو جائے، نیز اپنے طور پر محکم شرعیہ کا نظم کیا جائے، اور اپنے مسائل کو غیر مسلم عدالتوں میں لیجانے کے بجائے شرعی پنچایتوں کے ذریعہ حل کرایا جائے، اور ان کے فیصلوں کو برضا و خوشی تسلیم کر لیا جائے، اس مضمون کی تائید اور استدلال کے لئے مقالہ نگار حضرات نے ان آیت کریمہ کا ذکر کیا جن میں شریعت کے فیصلہ کو تسلیم کر لینے کی ترغیب اور ان کے مطابق فیصلہ نہ کرنے یا نہ ماننے پر وعیدیں مذکور ہیں، مثلاً سورہ نساء کی آیت: ”فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی أنفسہم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیمًا“ (سورہ نساء: ۶۵) یا سورہ مائدہ کی آیت: ”ومن لم یحکم بما أنزل اللہ فأولئک ہم الفاسقون“ (سورہ مائدہ: ۴۷) اور اس کے ہم معنی آیات، نیز اسی ضمن میں شرعی قاضی کی صفات اور شرائط بھی تفصیل سے ذکر کی گئیں، جن میں سے ایک اہم شرط اس کا مسلمان ہونا ہے۔

اکیڈمی نے برطانیہ وغیرہ میں عدالتوں کے ذریعہ حصول طلاق کی متعدد صورتوں کا سوالنامہ میں ذکر کیا ہے۔ اس میں پہلی صورت یہ ہے کہ شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، پھر عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض و تحکیم مانا جاسکتا ہے، اور اسی بنیاد پر غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

جواب میں حج کے فیصلہ کے متعلق ایک قول تو یہ ہے کہ اس کا فیصلہ طلاق معتبر نہیں، اور

اس کے ذریعہ کی گئی فرقت نافذ نہیں ہوگی، جب تک شوہر خود طلاق نہ دے عورت مطلقہ نہ ہوگی، فیصلہ معتبر نہ ہونے کی بنیادی وجہ حج کا غیر مسلم ہونا ہے، مولانا محمد مصطفیٰ اور مولانا محمد احسن نے درخواست کو نہ تفویض قرار دیا ہے اور نہ حکیم، اور آیت کریمہ: ”لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین الآیة“ (آل عمران: ۲۸) نیز ”لن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلًا“ (سورہ نساء: ۱۳۱) کا ذکر کیا ہے، مولانا عطاء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ تفویض طلاق ایک حق ہے جو صرف اپنی منکوحہ کے لئے استعمال کر سکتا ہے، عدالت کے لئے نہیں، غالباً انہیں ”التفویض ہو تملیک الزوجة الطلاق“ سے اشتباہ ہو گیا، ورنہ شامی کی عبارت ”تفویضہ للزوجة أو غیرها“ واضح ہے کہ تفویض طلاق غیر منکوحہ کے لئے بھی درست ہے، انہوں نے درخواست کو حکیم کی صورت بھی اس لئے نہیں مانا کہ ”لا یجوز تحکیم الکافر“ مولانا لطیف الرحمن نے بھی اسی دلیل کو اختیار کیا ہے، اور مولانا محمد موسیٰ تفویض و تحکیم کے ساتھ توکیل کی صورت بھی درست نہیں مانتے ہیں، کیونکہ حج تو اپنے اعتبار و اختیار سے فیصلہ کرے گا، اور فسخ نکاح میں اسباب فسخ کے ساتھ قضاء قاضی بھی ضروری ہے، اور اہلیت قضا کے لئے اسلام شرط ہے، اسی شرط کے مفقود ہونے کے سبب خورشید احمد اعظمی نے بھی فیصلہ کو غیر معتبر کہا ہے، اور درخواست کو تفویض کی صورت قرار نہیں دیا ہے، نیز مولانا صبیح اختر بھی تفویض اس لئے نہیں مانتے کہ تفویض کے الفاظ و عبارات متعین ہیں، اور وہ مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے۔ یہ توکیل بھی نہیں مانتے، کیونکہ وکیل، مؤکل کی رائے اور مشیت کا پابند ہوتا ہے، جبکہ حج اپنی صواب دید اور مشیت سے فیصلہ کرتا ہے، انہوں نے حکیم و تملیک کی صورت قرار دیا ہے، جبکہ تملیک بھی تفویض کے ہی مترادف ہے، مولانا محمد فاروق صاحب بھی درخواست کو حکیم کی صورت مانتے ہیں، اور ان دونوں حضرات نے بھی حج نے غیر مسلم ہونے کے سبب فیصلہ کو غیر معتبر قرار دیا، ”لأن القضاء من باب الولایات“ غالباً انہوں نے عدالت اور حج کے منصب کا لحاظ کرتے ہوئے درخواست کو حکیم کی صورت پر محمول کیا ہے، ورنہ حکیم تو فریقین کی طرف سے ہوتی ہے اور یہاں درخواست

صرف شوہر کی طرف سے ہے، مولانا کلیم اللہ نے تفویض کی صورت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ غیر مسلم عدالت کو تکلیف کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، فیصلہ پھر بھی اگر اسلامی قوانین کے مطابق ہو جس کی توثیق معتبر علماء اور تحریکات اسلامی سے ہو جائے تو قبول ہوگا، انھوں نے فتاویٰ معاصرہ کی عبارت نقل کیا ہے: ”لأن الزواج والطلاق من باب الولايات ولا ولاية لغير المسلم على المسلم ولكن يجب أن يوثق هذا الزواج لدى الجهات الرسمية الإسلامية المختصة بذلك“۔

مولانا محمد ابوبکر نے غیر مسلم عدالت میں فسخ کی درخواست کو لا یعنی عمل قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ شوہر خود طلاق دے، اور پریشانی سے بچنے کے لئے عدالت سے توثیق کرائے، مولانا ابوسفیان، مولانا افتخار احمد، مولانا عبید اللہ، مولانا محمد اقبال، اور مولانا شیر محمد نے درخواست کی نوعیت پر کلام کئے بغیر بیج کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اس کے ذریعہ کی گئی فرقت کو غیر معتبر کہا ہے۔ مفتی معز الدین قاسمی نے کوئی واضح جواب دینے کے بجائے مذکورہ اور اس کے بعد کی دونوں صورتوں کے بارے میں مجموعی طور پر یہ بات لکھی ہے کہ مسلم پرسنل لا کا قانونی تحفظ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے عدالتوں کے فیصلے جبر کی صورت ہوتے ہیں جسے لازم کرنا شرعاً درست نہیں، لیکن مذکورہ صورت میں تو شوہر خود طلاق کی درخواست دے رہا ہے، اور طلاق کا وقوع عورت کی رضا پر موقوف نہیں۔

مذکورہ پہلی صورت میں بیج کے فیصلہ کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دی گئی طلاق معتبر اور نافذ ہوگی، اس کے قائلین نے درخواست کو تفویض یا تو کیل کی صورت قرار دیا ہے، اور مفوض الیہ یا وکیل کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، مولانا رضوان الحسن اور مولانا ارشد شاداب نے تفویض اور توکیل کی صورت مانی ہے۔ جبکہ فقہاء نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے، لیکن ان دونوں ہی حضرات نے دلیل میں وہی فقہی عبارات ذکر کی ہیں جو توکیل سے متعلق ہیں، مثلاً ”إذا قال الرجل طلق امرأتي فله أن يطلقها في المجلس وبعده“ (ہدایہ)

مولانا محمد اشرف، مولانا اشتیاق احمد، مفتی انور علی اور مولانا ذکاء اللہ شبلی نے شوہر کی درخواست کو تفویض کی صورت قرار دیا ہے، ان میں سے بعض نے حج کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے حکیم کی صورت نہ ہونے کی صراحت کی ہے اور تفویض اس لئے مانا ہے کہ مفوض الیہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لیکن فقہاء کی صراحت کے مطابق تفویض یا تسلیمک طلاق مقید بائجلس ہوتی ہے، لہذا جس مجلس میں درخواست حج تک پہنچی اس مجلس میں اگر اس نے طلاق کا فیصلہ نہیں دیا تو پھر اس کا اختیار ساقط ہو جائے گا، اور کسی دوسری مجلس میں اس کی دی ہوئی طلاق لغو اور باطل ہونی چاہئے، مولانا ظفر الاسلام صاحب نے ”کفایت المفتی“ سے ایک فتویٰ کا ذکر کیا ہے کہ (غیر مسلم حج) کسی مسلمان عالم کو مجاز کر دے کہ وہ شرعی فیصلہ کرے، پھر وہ اپنی عدالت سے اس کو نافذ کر دے، مفتی صاحب کا یہ فتویٰ ایک مفقود الضمیر شخص سے متعلق ہے، اس کا حوالہ سوالنامہ میں مذکور دوسری اور تیسری صورت کے لئے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، زیر بحث صورت میں تو یہ ترکیب بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ اگر کسی خدشہ اور چسپیدگی کے سبب شوہر عدالت کے ذریعہ ہی طلاق نافذ کرانا چاہتا ہے، تو حج کے فیصلہ طلاق کے بعد شوہر خود بھی زبانی طلاق دیدے، مولانا نے ”بحث و نظر“ مجلہ کے حوالہ سے یورپی کونسل برائے تحقیق و افتاء کے ایک فیصلہ کا بھی ذکر کیا ہے کہ جب غیر اسلامی قانون کے مطابق اپنا عقد نکاح کیا تو ضمناً اس نے اس قانون کے نتائج کو بھی قبول کر لیا جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس عقد کو صرف قاضی ہی توڑ سکتا ہے، اسے شوہر کی طرف سے تفویض طلاق تصور کرنا ممکن ہے، غیر اسلامی قانون کے مطابق سے مراد غالباً غیر اسلامی عدالت میں عقد نکاح ہے، پھر بھی یہ تعبیر نامناسب سی لگتی ہے، کیونکہ اسلامی قانون کے مطابق عقد نکاح کے لئے جائین سے ایجاب و قبول اور دو مسلمان گواہ ہی کافی ہیں، اور اس کے بغیر عقد نکاح درست بھی نہیں، اور اگر اس سے مراد نکاح کے وقت تفویض طلاق کی شرط ہے تو وہ بھی اگر اسلامی اصول اور قواعد فقہیہ کے تحت آتی ہو جب ہی معتبر ہوگی۔

مولانا عبد القیوم، مولانا عبد اللطیف، مولانا سلمان، مولانا محبوب فروغ، مولانا اختر

امام عادل، مولانا عبدالحی، مولانا خورشید انور، اور مولانا عارف باللہ نے شوہر کی درخواست کو توکیل بالطلاق قرار دیتے ہوئے حج کی دی ہوئی طلاق کو درست اور نافذ مانا ہے، کیونکہ طلاق میں بھی غیر مسلم کو وکیل بنانا درست ہے، اور وکالت مقید بالمجلس بھی نہیں ہوتی، اور نہ وکیل کو ولایت حاصل ہوتی ہے، بلکہ توکیل استعانت ہے، مولانا عبدالقیوم اور مولانا عبداللطیف نے طلاق کے لئے کافر کو وکیل بنانے کی بابت ”فتاویٰ عالمگیریہ“ سے یہ جزئیہ تحریر کیا ہے، ”ولو كان أحد الزوجین مسلماً والوکیل (بالخلع علی خمر أو خنزیر) کافراً جاز الخلع و یبطل الجعل“، نیز مفتی عبدالرحیم نے عالمگیریہ سے ہی یہ عبارت نقل کی ہے: ”ولو ارتد الوکیل والعیاذ باللہ کان علی الوکالة“۔

مولانا شاہ جہاں ندوی حکیم کوچ کے غیر مسلم ہونے کے سبب، تفویض مطلق کو مقید بالمجلس ہونے کے سبب، اور توکیل کوچ کے فیصلہ دینے میں خود مختار ہونے کے سبب درست نہیں مانتے، ان کا خیال ہے کہ درخواست کو مقید تفویض مانا جائے، جس کی وجہ سے حج کا اختیار ضابطہ کی کارروائی مکمل ہونے تک ممتد ہوگا، اور اس طرح حج کا فیصلہ طلاق درست ہوگا، مولانا محمد شعیب عمر صاحب کا مقالہ اس پر مبنی رہا کہ غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیت کی صورت حال ضرورت کے دائرہ میں آتی ہے، جماعت علماء کو اس پر غور کرنا چاہئے، انھوں نے فیصلہ یا درخواست کے متعلق کسی رائے کا تعین نہیں کیا۔

ان سبھی مقالہ نگار حضرات کی آراء کی تفصیل سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ شوہر کی درخواست کو حکیم قرار دینا بھی لغو اور بے مقصد ہوگا، کیونکہ غیر مسلم کو حکم بنانا درست نہیں، اس کے فیصلہ کا کوئی اثر نہیں، تفویض اس لئے نہیں قرار دے سکتے کہ سوالنامہ میں مذکور الفاظ تفویض پر دلالت نہیں کرتے، نیز تفویض مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے، اور توکیل بھی قرار دینا اس لئے موزوں نہیں کہ وکیل موکل کی مشیت کا پابند ہوتا ہے ”الوکیل المطلوب منه الفعل شاء أو لم یشاء“ اور ضروری نہیں کہ حج ضابطہ کی کارروائی کے بعد طلاق ہی نافذ کرے، لہذا جب اس کی

یہ پوزیشن ہے کہ وہ اپنی صوابدید اور مشیت سے ہی فیصلہ کرے گا تو طلاق کا فیصلہ کرنے کی صورت میں ہمارے اس کو دیکھ کر تصور کر لینے سے اس کی حیثیت دیکھ کر نہیں ہو جائے گی، صورت حال مشکوک ہے اور ہدایہ کی عبارت ہے ”لا تطلق بالشک والاحتمال“ لہذا اصراف اور بے غبار صورت وہی ہے جس کی طرف بعض مقالہ نگار نے اشارہ کیا کہ اگر کوئی قانونی پیچیدگی اور مشکل شوہر کے خود طلاق دینے سے پیدا ہو سکتی ہے تو اولاً وہ عدالت سے طلاق دلوائے، اور پھر خود زبانی طور پر طلاق دیدے، اس کے طلاق دینے کی وجہ سے وہ عورت مطلقہ قرار پائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت ہی ان غیر مسلم ممالک میں تفویض شرط ہو، اور نکاح بھی عدالت کے ذریعہ ہی ہو، جس میں حج کو تفویض طلاق کی شرط ہو اور شوہر نے اسے قبول کیا ہو، تو چونکہ مفوض رالیہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں شوہر کی درخواست پر حج اپنی صوابدید سے طلاق دینے کا مالک ہوگا، اور اس کی دی ہوئی طلاق نافذ ہوگی۔

سوالنامہ میں مذکور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت، شوہر کو بلا کر دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علیحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس صورت میں مقالہ نگار کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ حج کا فیصلہ طلاق معتبر اور نافذ ہوگا، اس کے قائلین میں مولانا اختر امام عادل اور مولانا ارشد شاداب نے لکھا ہے کہ دستخط کی حیثیت تو کیل کی ہوگی، مفتی عبدالرحیم صاحب بھی تو کیل کی ہی صورت قرار دیتے ہیں، اور مولانا محبوب فروغ نے یہ تفصیل کیا ہے کہ عورت کا دستخط خلع کے لئے تو کیل اور شوہر کا دستخط تو کیل بالطلاق پر دلالت کرتا ہے، اور بقول امام محمد رحمہ اللہ خلع میں بھی شخص واحد جائزین کا وکیل ہو سکتا ہے، مولانا عارف باللہ لکھتے ہیں کہ دستخط لینا تفویض طلاق پر اکراہ ہے حج کا فیصلہ طلاق معتبر ہوگا ”لأن الإكراه لا يمنع صحة الاعتاق والطلاق“ مولانا ابوبکر کی رائے ہے کہ شوہر کے بخوشی دستخط کے بعد حج کے فیصلہ طلاق میں

دستخط کی حیثیت تحریری طلاق کی ہوگی، جبکہ مولانا نے پہلی صورت میں شوہر کے دستخط کو لایعنی عمل قرار دیا ہے، انھوں نے دلیل میں شامی کی عبارت ”ولو قال اکتب طلاق امراتی کان اقراراً بالطلاق وإن لم یکتب“ پیش کیا ہے، مولانا کے اس قول اور دلیل کے پیش نظر تو عدالت طلاق کا فیصلہ کرے یا نہ کرے عورت مطلقہ ہو جائے گی، جیسا کہ ”وإن لم یکتب“ سے ظاہر ہے، اور مولانا محمد فاروق لکھتے ہیں کہ شوہر کا بخوشی دستخط کر دینا اپنے رشتہ ازواج کا معاملہ بخوشی حاکم کے سپرد کر دینا ہے اور یہی مطلب ہے امر باللہ کا اور اسی بنیاد پر انھوں نے حج کے فیصلہ کو معتبر قرار دیا ہے، جبکہ انہوں نے بھی پہلی صورت میں شوہر کی درخواست کو تحکیم کی صورت قرار دیکر حج کے فیصلہ کو غیر معتبر کہا ہے۔

مذکورہ دوسری صورت میں مقالہ نگار کی دوسری جماعت تفصیل کی قائل ہے، اگر شوہر نے کسی دباؤ کے بغیر اپنی رضامندی سے دستخط کیا ہے تو مولانا محمد اشرف اسے تفویض کی صورت، اور مولانا عبد اللطیف، مولانا سلمان اور مولانا خورشید انور اس کو توکیل کی صورت قرار دیتے ہوئے فیصلہ طلاق معتبر اور نافذ مانتے ہیں، مولانا خورشید انور نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ اگرچہ بالجبر راضی ہوا ہو، نیز مولانا محمد اشرف بھی توکیل بالطلاق پر مجبور کئے جانے کی صورت میں کئے گئے دستخط کو توکیل کی صورت ہی قرار دیتے ہیں، ان حضرات نے بطور استشہاد شامی کی عبارت: ”إذا أکره علی التوکیل بالطلاق توکیل فطلق الوکیل فإنه یقع“ کا ذکر کیا ہے۔

اور اگر شوہر نے بغیر رضامندی کے جبر واکراہ کے تحت دستخط کیا ہے، تو ان سبھی حضرات کے نزدیک حج کا فیصلہ طلاق معتبر نہ ہوگا، مولانا خورشید انور اور مولانا محمد اشرف نے ”فلو أکره علی أن یکتب طلاق امراته فکتب لا تطلق، لأن الكتابة أقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة“ سے استدلال کیا ہے، اور مولانا سلمان نے خانیہ کے اس جزیئہ کو ذکر کیا ہے: ”امراة قالت لزوجها: أترید أن أطلق نفسي؟ فقال: نعم، فقالت: طقت نفسي، إن کان الزوج نوي تفویض الطلاق إليها طلقت واحدة وإن عني بدلک طلقی

نفسک ان استطعت لا تطلق۔“

عدالت میں عورت کی درخواست اور شوہر کے دستخط کی صورت میں تیسری جماعت اس کی قائل ہے کہ حج کے غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اس کے فیصلہ طلاق سے عورت مطلقہ نہیں ہوگی، مولانا محمد مصطفیٰ، مولانا محمد احسن اور مولانا محمد موسیٰ نے لکھا ہے کہ دستخط کی کوئی حیثیت نہیں، مولانا ابوسفیان صاحب نے عورت کے عدالت میں جانے کو اسکی حماقت سے تعبیر کیا ہے، مولانا کلیم اللہ نے بھی اس کے اس فعل کو درست نہیں کہا، وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی تحریکات سے خلع حاصل کر کے پھر عدالت سے توثیق کرائے، مولانا صبیح اختر، مولانا رضوان الحسن، مولانا لطیف الرحمن، مولانا افتخار احمد، مولانا عبد اللہ، مولانا عطاء اللہ، مولانا شیر علی، مولانا معز الدین اور مولانا ذکاء اللہ شبلی نے بھی حج کے غیر مسلم ہونے کے سبب اس کے فیصلہ کو غیر معتبر کہا ہے، مولانا انور علی اور مولانا اشتیاق احمد لکھتے ہیں: دستخط عموماً عدالتی دباؤ کے تحت ہونے کے سبب تفویض طلاق پر بھی محمول کرنا مشکل ہے، مولانا عبدالحی، مولانا محمد اقبال اور خورشید احمد اعظمی نے اس صورت کو تحکیم کی شکل قرار دیا ہے اور ”لا یجوز تحکیم الکافر“ کے تحت فیصلہ کو غیر معتبر کہا ہے، مولانا ظفر الاسلام صاحب لکھتے ہیں کہ دستخط کی حیثیت تفویض کی ہے، اسے تحکیم سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، مگر مولانا نے حج کے فیصلہ کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔

عارض مسئلہ کے نزدیک عورت کی درخواست اور شوہر کے دستخط کے بعد چونکہ یہ صورت ”تولية الخصمین حاکما یحکم بینہما ورنکنہ النظم الدال علیہ مع قبول الآخر ذلك“ نیز ”لیس المراد خصوص لفظ التحکیم“ کے تحت آتی ہے، لہذا صورت تحکیم کی ہے، لیکن اس کی شرط حکم کا مسلمان ہونا مفقود ہونے کی وجہ سے اس کا فیصلہ فرقت یا فسخ نکاح غیر معتبر ہوگا، سوالنامہ میں مذکور تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو اس کا کیا حکم ہوگا، جبکہ اسی صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کی

بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے؟ اس کے جواب میں مولانا عارف باللہ لکھتے ہیں کہ اگر نکاح کے وقت قانوناً طلاق کی تفویض بھی کرنی ہوتی ہو تو قاضی کی تفریق معتبر ہوگی، مولانا ظفر الاسلام لکھتے ہیں کہ حج لا لچی نہ ہو، شوہر معتت ہو تو قضاء علی الغائب کی قبیل سے فیصلہ نافذ ہوگا۔

بقیہ تمام ہی مقالہ نگار نے اس صورت میں حج کے فیصلہ کو غیر معتبر قرار دیا ہے، مولانا اختر امام عادل اور مولانا سلمان نے لکھا ہے کہ عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں ہے، لہذا وہ کسی کو اس کے لئے وکیل بھی نہیں بنا سکتی، مولانا خورشید انور صاحب نے بھی ”الطلاق بالرجال“ کا حوالہ دیا ہے، اور دیگر حضرات نے ”لا ولاية لكافر على مسلم“ اور ”الكافر ليس باهل القضاء على المسلم“ کے تحت غیر معتبر کہا ہے، مولانا شاہ جہاں ندوی نے معتبر اور نافذ نہ ماننے کے باوجود غیر مسلم ممالک میں مسلم اقلیتوں کے احوال کو ضرورت کے دائرہ میں شمار کرتے ہوئے، اس صورت میں شوہر کے اوپر طلاق کو لازم قرار دیا ہے، لیکن مولانا کی اس بات سے اس لئے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ ان ممالک میں شرعی پنچائیتیں اس ضرورت کو پورا کر سکتی ہیں، نیز اگر عورت سخت مجبور یوں کے تحت تفریق چاہتی ہے تو فسخ نکاح کے پر بیچ راستہ کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے اس کے سامنے خلع کا راستہ بھی موجود ہے، اور فسخ سے پہلے اس کی کوشش بھی لازم ہے۔

سوالنامہ میں مذکور چوتھی صورت یہ ہے کہ حج اگرچہ غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو کیا اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے، اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

جواب میں مولانا کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں کہ اسے مسلمان حاکم یا قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ وہ غیر مسلم عدالت کا کل پرزہ ہے، مولانا محمد اشرف اور مولانا شاہ جہاں بھی اس مسلمان حج کو مسلم قاضی و حاکم کی حیثیت نہیں دیتے، لیکن اس کا فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق

ہو تو معتبر مانتے ہیں، مولانا سلمان ضرورۃً اسے مسلمان قاضی کے قائم مقام مانتے ہیں، مولانا عارف باللہ اور مولانا ابوبکر اس شرط کے ساتھ قائم مقام مانتے ہیں کہ اسے شریعت کے مطابق فیصلہ کا اختیار ہو، مولانا انور علی، مولانا اشتیاق احمد اور مولانا رضوان الحسن نے شرط کی وضاحت کی ہے کہ وہ شرعی احکام سے واقف ہو اور اسکے مطابق فیصلہ کرے تو قائم مقام ہو سکتا ہے، ان کے علاوہ دیگر سبھی مقالہ نگار نے بھی اسے مسلم قاضی یا حاکم کی حیثیت دی ہے، اس کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو تو معتبر ہوگا، سبھی حضرات درمختار کی عبارت ”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کافراً“ سے استدلال کیا ہے۔ مولانا خورشید انور نے ”امداد الفتاویٰ“ سے نقل کیا ہے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ سے دریافت کیا گیا کہ جن مسائل میں قضا اور قاضی کی ضرورت ہے ان میں انگریزی عدالت کا حکم و فیصلہ وہی حکم رکھتا ہے یا نہیں تو آپ نے جواب دیا کہ اگر صاحب اجلاس مسلم ہو وہ شرعاً قاضی ہے، نیز مفتی عبدالرحیم صاحب کے ایک فتویٰ میں بھی مذکور ہے کہ جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلمان حج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے (فتاویٰ رحمیہ ۲۰۳/۸)۔

ایڈمی نے اخیر میں اس بابت کچھ وضاحت طلب کی ہے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں، یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں۔

جواب میں مولانا کلیم اللہ عمری لکھتے ہیں کہ فیصلے اسلام کے مطابق ہوں جن کی توثیق مستند علماء سے ہو تو قابل قبول ہوں گے، مولانا محمد اقبال قاسمی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کا فیصلہ نہیں کر سکتے، مولانا محبوب فروغ اور مولانا خورشید انور کی رائے ہے کہ وہ امور جن میں وکیل بنانا جائز ہے غیر مسلم عدالت کا فیصلہ نافذ ہوگا مولانا محمد احسن، مولانا ابوسفیان اور مولانا شیرعلی صاحبان نے لکھا ہے کہ امور دنیویہ میں ان کے فیصلے شریعت کے مطابق ہوں گے تو قبول

ہوں گے، شرعی معاملات میں ان کے فیصلے معتبر نہیں ہوں گے، مولانا انور علی، مولانا اشتیاق احمد اور مولانا شاہ جہاں نے لکھا ہے جرائم اور مالیاتی امور میں جو فیصلے شریعت سے متصادم نہ ہوں قبول ہوں گے، مولانا عبدالقیوم، مولانا صبیح اختر، مولانا سلمان، مولانا محمد مصطفیٰ، مولانا لطیف الرحمن، مولانا عبید اللہ، مولانا ظفر الاسلام، مولانا عبدالحی، مفتی عبدالرحیم اور خورشید احمد اعظمی کی رائے ہے کہ وہ امور و معاملات جو مسلمانوں کے ساتھ باہم خاص ہیں، دینی و عائلی مسائل ان میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، اسی مفہوم کو مولانا ابوبکر، مولانا ارشد شاداب، اور مولانا محمد موسیٰ نے اس انداز سے پیش کیا ہے کہ وہ امور جن میں قضاء قاضی ضروری ہے ان میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، دنیاوی امور جن میں قضاء قاضی ضروری نہیں ان میں غیر مسلم عدالتوں کا فیصلہ قبول کیا جاسکتا ہے۔ مولانا افتخار احمد، مولانا رضوان الحسن، مولانا محمد فاروق، مولانا عبداللطیف، مولانا معز الدین، مولانا محمد عمر شعیب اور مولانا ذکاء اللہ شبلی نے سوالنامہ کی اس شق سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

اور عرض مسئلہ کے آخر میں پھر اسی بات کا اعادہ، کہ غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمانوں کو اپنے علاقوں میں شرعی پنچائیتیں قائم کر کے ان ہی کے ذریعہ اپنے مسائل کا حل طلب کرنا چاہئے، اور امید تو یہی ہے کہ ہر ایسے ملک میں بسنے والے مسلمان اپنی اس ذمہ داری سے غافل نہیں ہوں گے، جیسا کہ برطانیہ کے بارے میں ۱۲ جولائی ۲۰۰۹ء کے راشنریہ سہارا اردو میں ایک خبر اس عنوان سے شائع ہوئی ہے کہ ”برطانیہ میں غیر مسلم بھی شرعی عدالت کی پناہ میں“ نیز رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والے صحیفہ اسبوعیہ ”العالم الاسلامی“ کے ۱۰ اگست ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں بھی اس عنوان سے ایک خبر شائع ہوئی ہے: ”فہی بریطانیا غیر المسلمین یفضلون المحاکم الإسلامیة“ اس خبر کی تفصیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ برطانیہ میں تقریباً ۸۵ شرعی پنچائیتیں کام کر رہی ہیں، جن کی طرف اپنے مسائل کے حل کے لئے رجوع کرنے والے غیر مسلمین کی تعداد ۵ فیصد سے کم نہیں ہے۔

جدید فقہی تحقیقات

دوسرا باب
تفصیلی مقالات

غیر مسلم ممالک کی عدالتوں سے طلاق کے فیصلے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان اقلیتوں کے لئے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ عدالتی فیصلوں کا حکم ان کے لئے کیا ہوگا؟ اس سلسلہ میں چند باتیں قابل غور ہیں :

- ۱- کیا غیر مسلم مسلمانوں کے معاملہ میں شرعاً قاضی ہو سکتا ہے؟
- ۲- اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو مسلمانوں کے حق میں اس کے فیصلہ کی حیثیت کیا ہوگی؟
- ۳- کیا غیر مسلم دو مسلمانوں کے درمیان حکم بن سکتا ہے؟
- ۴- کیا غیر مسلم ایسے معاملات میں مسلمانوں کا وکیل بن سکتا ہے جو خالص شرعی نوعیت کے ہوں؟

۵- اگر غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا ہے تو تمام معاملات میں یا کچھ مخصوص معاملات

میں؟

غیر مسلم حج:

۱- بنیادی طور پر ہر انسان کو اپنے معاملات میں خود ہی تصرف کرنے کا حق حاصل ہے، اسی لئے تمام عقود میں تراخی کو ضروری قرار دیا گیا ہے اور تمام فسوخ میں بھی طرفین کی رضامندی

☆ جزل سکریٹری، اسلامک فقہ اکیڈمی و ناظم المسجد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

ضروری ہے، سوائے اس صورت کے جس میں شریعت نے کسی ایک فریق کو ایک طرفہ طور پر اس معاملہ کے فتح کرنے کا اختیار دیا ہو؛ البتہ جب کسی نقص کی وجہ سے وہ قوت فیصلہ سے محروم ہوتا ہے تو وہ بذات خود تصرف نہیں کر سکتا؛ جیسے نابالغ، مجنون اور سفیہ، سفیہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پچیس سال کی عمر ہونے کے بعد تصرف کا مجاز ہو جاتا ہے؛ لیکن جمہور کے نزدیک جب تک اس کا شعور پختہ نہ ہو جائے اور سفاہت کی کیفیت ختم نہ ہو جائے، وہ مسلوب الاختیار ہوتا ہے (دیکھئے: رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الحج: ۲۱۸-۲۱۹، ط: دیوبند) اور اس کا عقیداً فتح معتبر نہیں ہوتا ہے، اسی طرح بعض اوقات مفاد عامہ کے تحت حکومت کو بعض لوگوں کے اختیارات سلب کر لینے کا حق حاصل ہوتا ہے: جیسے مفتی ماجن اور طبیب جاہل (دیکھئے: رد المحتار مع الدر المختار، کتاب الحج: ۲۱۳-۲۱۵، مع تحقیق عادل واحد) مفتی ماجن (آوارہ خیال مفتی) کے اختیارات اس لئے سلب کر لئے جاتے ہیں کہ اس کا تصرف دینی اعتبار سے لوگوں کے لئے نقصان دہ ہو سکتا ہے، اور طبیب جاہل کے اختیارات اس لئے سلب کر لئے جاتے ہیں کہ اس کی وجہ سے لوگوں کی صحت اور زندگی کو ضرر پہنچا سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص تصرف کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہو یا رکھتا ہو؛ لیکن اس کا صحیح استعمال نہ کرتا ہو تو افراد اور سماج کے مفادات کے تحفظ کے لئے شریعت حق تصرف دوسروں کی طرف منتقل کرتی ہے، اسی کو فقہ کی اصطلاح میں 'ولایت' کہتے ہیں؛ چنانچہ ولایت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

”الولاية تنفيذ القول على الغير“ (الدر المختار ۱۹۱/۲، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب التعلیقات ص ۲۸۲)۔

(ولایت دوسرے پر اپنی رائے کو نافذ کرنا ہے)۔

ولایت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: ولایت خاصہ اور ولایت عامہ۔

ایک شخص کو دوسرے شخص کی ذات یا الماک میں تصرف کا جو حق حاصل ہوتا ہے، وہ ولایت خاصہ ہے: جیسے لڑکوں پر باپ کی ولایت اور باپ موجود نہ ہوں تو دادا یا دوسرے قریبی

رشتہ داروں کی ولایت۔

ولایت عامہ: ایسی ولایت ہے جو کسی شخص کے ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے اس کو عام مسلمانوں اور ملک کے باشندوں پر حاصل ہو، جیسے امیر اور قاضی کی ولایت، امیر کے احکام جو عام مسلمانوں پر واجب الطاعت ہیں اور قاضی کے فیصلے جو فریقین کے لئے قابل نفاذ ہیں، اس کی بنیاد یہی ولایت عامہ ہے۔

ولایت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ مسلمانوں پر کافر کو ولایت حاصل نہیں ہو سکتی؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“ (النساء: ۱۳۱)، نیز فرمایا گیا: ”والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض“ (التوبہ: ۷۱)، اسی طرح فرمایا گیا: ”لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين“ (آل عمران: ۲۸)، اسی بنیاد پر امت کا اجماع ہے کہ اگر اولاد مسلمان ہو اور باپ کافر ہو تو والد کو اپنے مسلمان بیٹے پر ولایت حاصل نہیں ہوگی؛ چنانچہ علامہ کا سائی فرماتے ہیں:

”لا ولاية للكافر على المسلم؛ لأنه لا ميراث بينهما“ (بدائع الصنائع: ۲/

۵۰۰)۔

اسی سلسلہ میں علامہ ابن قدامہ رقمطراز ہیں:

”..... فلا يثبت لكافر ولاية على مسلمة، وهو قول عامة أهل العلم

أيضاً، قال ابن المنذر: أجمع عامة من نحفظ عنه من أهل العلم على هذا“ (المغني

۳۶۷/۹)۔

(.....) کافر کو مسلمان عورت پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے،

علامہ ابن منذر کہتے ہیں کہ میں جن اہل علم کی آراء سے واقف ہوں وہ قریب قریب اس پر متفق

ہیں)۔

قاضی کو بھی مسلمانوں پر ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اور وہ اسی حیثیت سے نکاح منع

کرتا ہے؛ کیوں کہ شوہر پر یہ بات واجب ہے کہ یا تو بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے اسے رکھے یا پھر بہتر طریقہ پر اسے چھوڑ دے ”امساک بمعروف أو تسریح باحسان“ (البقرہ: ۲۲۹)، اگر شوہر امساک بالمعروف بھی نہیں کرتا اور تسریح بالاحسان بھی نہیں، تو یہ ظلم کا ارتکاب اور عورتوں کو ضرر میں مبتلا کرنا ہے اور دفع ضرر قاضی کا فریضہ ہے، لہذا اسے جو ولایت عامہ حاصل تھی، اسی حیثیت سے وہ اس مرد کی طرف سے تفریق کر دیتا ہے؛ چنانچہ غیر مسلم کو چوں کہ مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں، اس لئے فقہاء اس بات پر قریب قریب متفق ہیں کہ غیر مسلم مسلمانوں پر قاضی نہیں ہو سکتا۔

فقہاء حنفیہ میں عیسیٰ بن عثمان غزی فرماتے ہیں:

”..... فلا تصح ولاية الكافر في ذلك، لأن القضاء ولاية ولا ولاية لكافر على مسلم في أدنى الولايات فكيف بولاية القضاء التي هي أعلى الولايات بمقتضى تطبيق شرع الله وتنفيذ أحكامه، قال تعالى: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“ (ادب القضاء للغزوي: ۱۵، النساء: ۱۵)۔

(..... اس سلسلے میں کافر کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، اس لئے کہ قضاء ولایت ہے اور کافر کو مسلمان پر معمولی درجہ کی ولایت ہی حاصل نہیں ہو سکتی، چہ جائیکہ ولایت قضاء کہ وہ تو سب سے اعلیٰ درجہ کی ولایت ہے، اس لئے کہ وہ اللہ کی شریعت کو نافذ کرتا ہے اور اس کے احکام کو منطبق کرتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر اختیار نہیں ہے)۔

نیز علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

”..... وبه علم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم يصح قضاءه على

المسلم حال كفره“ (رد المحتار: ۲۳/۸)۔

(..... اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو قاضی مقرر کرنا درست ہے؛ اگرچہ کہ حالت کفر میں

مسلمان کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں؛ البتہ غیر مسلموں پر اس کا فیصلہ نافذ ہو سکتا ہے)۔

یہی نقطہ نظر فقہاء مالکیہ کا ہے؛ کیوں کہ شہادت کا درجہ قضاء سے کم تر ہے اور مالکیہ نے صراحت کی ہے کہ مسلمانوں کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کی شہادت معتبر نہیں:

”ولا تجوز شهادة اليهود ولا النصرانی فیما بین المسلمین حتی یسلموا“ (الدوئیۃ الکبریٰ ۸۱/۳)۔

اسی کے قائل شوافع ہیں:

”فلا یجوز أن یکون کافراً ولا فاسقاً؛ فإن تولى القضاء وهو عدل ثم فسق... بطلت ولايته“ (البیان ۲۰/۱۳، ط: دار المنہاج)۔

(کافر اور فاسق قاضی نہیں ہو سکتا، اگر اسے قضاء کا عہدہ سونپا گیا؛ جب کہ وہ عادل تھا پھر فاسق ہو گیا..... تو اس کی ولایت باطل ہو گئی)۔

فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

”ولا یولی قاضی حتی یکون بالغاً مسلماً حراً عدلاً“ (المغنی ۱۲/۱۳)۔

(بالغ مسلمان آزاد اور عادل شخص کو ہی قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے)۔

غرض کہ قریب قریب فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا ہے، اور قاضی کے لئے مسلمان ہونے کی شرط اس بات کو شامل ہے کہ غیر مسلم قاضی کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں۔

غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمان قاضی:

۲۔ اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے مسائل کے لئے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ --- اس سلسلہ میں فقہاء کی صراحت موجود ہے کہ غیر مسلم حکومت کے مقرر کئے ہوئے مسلمان قاضی کا فیصلہ بھی شرعاً معتبر ہے؛ چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی فرماتے ہیں:

”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافراً“ (الدر المختار)

”... أن يكون أهلاً لولاية القضاء ، وعلى ذلك إتفاق المذاهب الأربعة ، على خلاف فيما بينهما في تحديد عناصر تلك الأهلية “ (الموسوية الفقهيہ ۱۸/۲۳)۔

(... حکم بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ قاضی ہونے کا اہل ہو، اس پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے؛ البتہ خود اہلیت قضاء کے لئے کیا شرطیں ہیں؟ اس کی تحدید میں اختلاف ہے)۔ اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ مسلمان ہی قضاء کا اہل ہو سکتا ہے، غیر مسلم اس کا اہل نہیں ہو سکتا (دیکھئے: الموسویہ الفقہیہ ۳۳/۲۹۱-۹۳، ہدیۃ القضاء)؛ چنانچہ فقہاء نے خود تحکیم کے مسئلہ میں بھی اس کی صراحت کی ہے، فقہاء حنفیہ میں علامہ ظہیر الدین مرغینانی فرماتے ہیں :

”ولا يجوز تحكيم الكافر لانعدام أهلية القضاء اعتباراً بأهلية الشهادة“ (ہدایہ ۱۵۱/۳، نیز دیکھئے: فتح القدیر ۷/۹۶، باب التحکم، رد المحتار ۸/۲۳، کتاب القضاء)۔ (کافر کو حکم بنانا جائز نہیں..... اس لئے کہ وہ قاضی بننے کا اہل نہیں، گواہ بننے کی اہلیت پر قیاس کا تقاضا یہی ہے)۔

..... علامہ داماد آقندی نے بھی اس کی صراحت کی ہے :

”فلو حکما عبداً أو صبيماً أو ذمياً لم يصح“ (مجمع الزہری ۱/۱۷۳)۔
 (اگر دونوں فریق کسی غلام یا نابالغ یا کسی ذمی کو حکم بنا دیں..... تو درست نہیں)۔
 علامہ دسوقی مالکی کا بیان ہے :

”وجاز تحكيم رجل غير خصم وغير جاهل وكافر فإذا حکما خصماً أو جاهلاً أو كافراً لم ينفذ حكمه“ (حاشیۃ الدسوقی ۶/۱۲-۱۳)۔
 (ایسے شخص کو حکم بنانا جائز ہے جو فریق نہ ہو، جاہل اور کافر نہ ہو، اگر کسی فریق کو، جاہل یا کافر شخص کو حکم بنا دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا)۔

گویا کہ حکم کو بھی ان لوگوں پر ولایت حاصل ہوتی ہے، جنہوں نے اس کو حکم بنایا ہو اور

غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی؛ اس لئے فقہاء کا نقطہ نظر ہے کہ غیر مسلم، مسلمانوں کے مسائل میں حکم بھی نہیں بن سکتا۔

طلاق کے لئے غیر مسلم کو وکیل بنانا:

۴- جہاں تک غیر مسلموں کو طلاق کے مسئلہ میں وکیل بنانے کی بات ہے تو فقہاء حنفیہ کے یہاں صراحت ملتی ہے کہ وکیل کے لئے صرف عاقل ہونا ضروری ہے، اور علامہ کاسائی نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی شخص کو وکیل بنایا گیا اور پھر وہ مرتد ہو گیا تو باوجود ارتداد کے وکالت ختم نہیں ہوگی:

”وأما الذى يرجع إلى الوكيل فهو أن يكون عاقلاً فلا تصح وكالة المجنون والصبى الذى لا يعقل وكذا ردة الوكيل لا تمنع صحة الوكالة فتجوز وكالة المرتد“ (بدائع الصنائع ۱۶/۵)۔

(وکیل سے متعلق شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ عاقل ہو؛ لہذا مجنون اور بے شعور بچے کی وکالت صحیح نہیں ہوگی، اس طرح وکیل کا مرتد ہو جانا وکالت کے صحیح ہونے میں مانع نہیں ہے)۔

نیز کن چیزوں میں وکیل بنایا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں:

”ويجوز التوكيل بالصلح والإبراء ، ويجوز بالطلاق والعنق والإجارة والإستئجار الخ“ (بدائع الصنائع ۲۰/۵)۔

(لہذا مرتد کو بھی وکیل بنانا جائز ہے اور صلح کرنے کا، بری کرنے کا، طلاق دینے کا، آزاد کرنے کا، کرایہ پر دینے کا اور کرایہ پر لینے کا وکیل بنایا جاسکتا ہے)۔

کسی غیر مسلم کو مسلمان عورت کو طلاق دینے کے لئے وکیل بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء شوافع کے یہاں اس سلسلہ میں دو اقوال ہیں؛ لیکن راجح یہی ہے کہ وکیل بنایا جاسکتا ہے، امام نووی فرماتے ہیں:

”..... فإن وكله فى طلاق مسلمة ، فوجهان ؛ لأنه لا يملك طلاق

مسلمہ ؛ لکن یملک طلاقاً فی الجملة“ (روضۃ الطاہرین وعمدۃ المستبین، کتاب الوکالت ۳/۳۰۰)۔
 (..... اگر کسی غیر مسلم کو مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کا وکیل بنایا تو اس سلسلے میں دو
 قول ہے، اس لئے کہ اگرچہ وہ مسلمان عورت کو طلاق دینے کا مالک نہیں ہے؛ لیکن فی الجملة طلاق
 دینے کا مالک تو ہے)۔

اسی طرح علامہ شریفی رقمطراز ہیں :

”..... توکیل المسلم کافراً فی طلاق المسلمة ، وقد يتصور وقوع
 طلاق کافر علی مسلمة بأن تسلّم أولاً ويتخلف ثم يطلقها فی العدة ثم یسلم
 قبل انقضائها فإن طلاقه واقع علیها“ (مفتی المحتاج ۲/۲۱۹، کتاب الوکالت)۔

(..... کسی مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کے سلسلے میں مسلمان کافر کو وکیل بنا سکتا
 ہے اور کسی کافر کے مسلمان عورت پر طلاق کا واقع کرنا فی الجملة متصور ہے، اس طور پر کہ عورت پہلے
 مسلمان ہو جائے اور شوہر مسلمان ہونے میں دیر کرے، پھر عدت میں اسے طلاق دیدے، پھر
 عدت کے گزرنے سے پہلے وہ اسلام قبول کر لے تو اب اس کی حالت کفر کی یہ طلاق عورت پر
 واقع ہو جائے گی)۔

یہی رائے فقہاء حنابلہ کی بھی ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنایا جاسکتا ہے :

”صح أن یوکل فیہ رجلاً کان أو امرأة حراً أو عبداً مسلماً أو کافراً“ (الشرح

الکلیہ مع الإيضاح: ۳/۳۳۰)۔

(یہ درست ہے کہ (جن امور میں وہ خود تصرف کر سکتا ہے اور اس میں نیابت کی بھی
 گنجائش ہو، کے سلسلے میں) کسی شخص کو وکیل بنائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام،
 مسلمان ہو یا کافر)۔

البتہ ان کے یہاں ضروری ہے کہ جس چیز کا وکیل بنایا جا رہا ہو، وکیل کا بذات خود بھی اس

قسم کا تصرف صحیح ہو، نیز شرعاً اس میں نیابت درست ہو :

”وكل من صح تصرفه في شئ بنفسه ومما تدخله النيابة صح أن يؤكل فيه رجلاً كان أو امرأة ، حراً كان أو عبداً ، مسلماً كان أو كافراً لا يصح أن يؤكل فيه كالمراة في عقد النكاح وقبوله والكافر في تزويج مسلمة“ (المنحى ۷، ۱۹۷-۱۹۸)۔

(جس چیز میں کوئی شخص خود تصرف کر سکتا ہو، نیز اس میں نیابت کی گنجائش ہے تو اس میں اس کا کسی مرد یا عورت، آزاد یا غلام اور مسلمان یا کافر کو وکیل بنانا درست ہے..... چنانچہ نکاح کے کرنے اور اس کے قبول کرنے میں عورت کو اور کسی مسلمان عورت کا نکاح کرنے میں کافر کو وکیل نہیں بنایا جاسکتا)۔

اب اگر علامہ شریبیؒ کی اس تشریح کو قبول کر لیا جائے۔۔۔ جو اوپر گزری ہے کہ فی الجملہ مسلمان عورتوں پر کافر کی طلاق کا واقع ہونا ممکن ہے۔۔۔ تو پھر حنا بلہ کی رائے بھی یہی قرار پائے گی کہ غیر مسلم کو طلاق کا وکیل بنایا جاسکتا ہے؛ البتہ مالکیہ کے نزدیک غیر مسلم کو طلاق کا وکیل نہیں بنایا جاسکتا ہے :

”ومنع توکیل کافر وهو أعم من الذمی“ (الشرح الصغیر ۱۱/۳)۔

(کافر کو وکیل بنانے کی ممانعت ہے اور کافر کا لفظ ذمی سے عام ہے، یعنی ذمی اور حربی دونوں کو شامل ہے)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک غیر مسلم کو مسلمان عورت پر طلاق واقع کرنے کے لئے وکیل بنایا جاسکتا ہے۔

کن معاملات میں غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر ہے اور کن میں نہیں؟

۵- غیر مسلم ممالک کی عدلیہ کے کون سے فیصلے مسلمانوں کے حق میں معتبر ہوں گے اور

کون سے نہیں؟۔۔۔ اس سلسلہ میں جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر یہ فیصلے دو قسم کے ہو سکتے ہیں :

(الف) وہ معاملات جن کے لئے سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قضاء قاضی ضروری نہیں ہے، ایسے معاملات میں اگر شریعت میں معتبر ثبوت کے بنیاد پر عدالت فیصلہ کر دے تو وہ قابل نفاذ ہوگا؛ جیسے ورثہ کا حق میراث مورث کی موت کی وجہ سے ترکہ میں ثابت ہو چکا ہے، عدالت نے شرعی ہدایت کے مطابق ترکہ تقسیم کر دیا، یا خریدار کی ملکیت بیع پر عقد بیع کی وجہ سے ثابت ہو چکی ہے، بائع قبضہ نہیں دے رہا تھا، عدالت نے فیصلہ دیا کہ بائع خریدار کو وہ ہی حوالہ کر دے تو یہاں ورثہ یا خریدار کے حقوق پہلے سے ثابت تھے، قاضی کے فیصلہ کی وجہ سے ثابت ہوا ہو، ایسا نہیں ہے، ایسے معاملات میں عدالت کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

(ب) دوسرے قسم کے معاملات وہ ہیں جن میں محض سبب کا پایا جانا کافی نہیں؛ بلکہ اس کے لئے قاضی کا فیصلہ ضروری ہے، جیسے فسخ نکاح، ایسے مقدمات میں غیر مسلم حج کا فیصلہ کافی نہیں۔

تطبیقات:

ان توضیحات کی روشنی میں راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے:

۱- اگر کوئی مسلمان مرد عدالت سے رجوع ہو کہ اس پر طلاق واقع کر دی جائے تو یہ اس کی طرف سے طلاق کے لئے عدالت کو وکیل بنانا ہوگا اور غیر مسلم کو وکیل بنایا جاسکتا ہے؛ اس لئے اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲- اگر عورت کی طرف سے طلاق کا مقدمہ دائر ہو، عدالت نے طلاق کا فیصلہ کیا اور شوہر کو طلب کر کے اس کا اس پر دستخط لے لیا گیا تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیوں کہ یہ طلاق نامہ پر دستخط کرانے کے حکم میں ہوگا۔

۳- اگر عورت نے طلاق کا دعویٰ دائر کیا اور شوہر نے اپنے بیان تحریری میں لکھا کہ عدالت اس کے دعویٰ کو قبول کر سکتی ہے تو یہ بھی اس کی طرف سے توکیل طلاق ہوگی اور عدالت کا طلاق کے سلسلہ میں فیصلہ کرنا معتبر ہوگا۔

۴- اگر عورت نے طلاق کا دعویٰ کیا اور شوہر نے جواب میں عدالت سے کہا کہ وہ اس سلسلہ میں جو کچھ بھی کرنا چاہے، کر سکتی ہے، مجھے قبول و منظور ہوگا تو یہ بھی سوال معاد فی الجواب کے تحت طلاق کی توکیل سمجھی جائے گی اور عدالت کا طلاق دینا معتبر ہوگا۔

۵- اگر بیوی نے طلاق کا مقدمہ دائر کیا، شوہر نے جواب نہیں دیا اور رفع الزام سے اعراض کی بناء پر طلاق کا فیصلہ کیا گیا، یا شوہر نے طلاق دینے سے انکار کیا، اس کے باوجود عدالت نے طلاق واقع کر دی تو اس صورت میں عدالت کی طرف سے واقع کی جانے والی طلاق شرعاً معتبر نہیں ہوگی؛ کیوں کہ غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا اور قاضی ہی فسخ نکاح کر سکتا ہے۔

۶- اگر میاں بیوی کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، دونوں مل کر عدالت گئے اور عدالت سے طالب ہوئے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، عدالت نے ان کے معاملات سن کر اپنے طور پر فیصلہ کر دیا تو اس صورت میں بھی طلاق واقع نہیں ہوگی؛ کیوں کہ غیر مسلم کو حکم بنانا درست نہیں؛ البتہ عدالت کے فیصلہ کے بعد اگر شوہر کہتا ہے کہ میں نے اسے قبول کیا تو اب طلاق واقع ہو جائے گی؛ کیوں کہ اگر کوئی فضولی کسی سے کہے کہ میں نے تمہاری طرف سے تمہاری بیوی پر طلاق واقع کر دی ہے اور شوہر نے کہا کہ میں نے اسے جائز قرار دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

چند تجویزیں:

ان حالات میں غیر مسلم ممالک کے مسلمانوں کے لئے بہ طور لائحہ عمل کے تین باتیں اہم

ہیں:

۱- مسلمانوں کو حکومتوں سے مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے لئے الگ مسلمان قاضی یا مسلمان مجسٹریٹ کا تقرر کرے جو آئینی مسائل سے متعلق مقدمات میں فیصلہ کیا کرے؛ تاکہ مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل کر سکیں؛ کیوں کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقرر کیا ہوا مسلمان والی مسلمانوں کے مذہبی امور کو طے کر سکتا ہے:

”وکل مصر فیہ وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیہ إقامة الجمعة“

والأعياد وتقليد القضاء وتزويج الأيامي“ (جامع الفصولین ۱/۴۱)۔

چنانچہ اس وقت مارشس میں یہی نظام قائم ہے اور ہندوستان میں بھی قدیم زمانہ سے بھوپال میں یہی طریقہ مروج رہا ہے، ہندوستان میں آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کئی بار اس کی کوشش کی گئی، مگر نتیجہ خیز نہ ہو سکی۔

۲- جہاں یہ سہولت میسر نہ ہو وہاں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے طور پر کسی امیر کو منتخب کریں، جو اس کے لئے قاضی مقرر کرے اور اگر کسی امیر پر اتفاق نہ ہو سکے تو کم سے کم کسی قاضی پر اتفاق کریں اور وہ ایسے مقدمات کے فیصلے کرے؛ چنانچہ علامہ کمال الدین ابن ہمام (متوفی: ۸۶۸ھ) فرماتے ہیں:

”و إذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كفرطبة في بلاد المغرب الآن يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضياً أو يكون هو الذي يقضى بينهم“ (فتح القدير ۶/۳۶۵)۔

(جب سلطان موجود نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص جس کی طرف سے قاضی مقرر کیا جانا درست ہو؛ جیسا کہ مسلمانوں کے بعض ان شہروں کا حال ہے جن پر کافروں کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے، جیسا کہ اس وقت مغرب کے علاقہ میں قرطبہ ہے..... تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں اور اسے والی منتخب کر لیں، وہ قاضی کا تقرر کرے یا وہ خود لوگوں کے درمیان قضا کا فریضہ انجام دے)۔

یہ بات دوسرے فقہاء کے یہاں نسبتاً کم اور احناف کے یہاں زیادہ وضاحت کے ساتھ ملتی ہے؛ چنانچہ علامہ محمود بن اسماعیل نے جامع الفصولین (۱/۱۳، ط: کراچی) علامہ ابن بزاز کردری نے فتاویٰ بزازیہ (علی ہاشم الہندیہ، کتاب السیر: ۶/۳۱۱) علامہ ابن نجیم مصری نے البحر الرائق (۶/۲۹۸) علامہ طحاوی نے حاشیہ درمختار (باب الجمعہ: ۱/۲۳۹) اور علامہ شامی

نے رد الحکام (کتاب القضاء ۳۰۸/۴) میں پوری وضاحت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے، اس سے نہ صرف مسلمانوں کے مسائل کو شریعت کے مطابق حل کرنے میں مدد ملے گی؛ بلکہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور شیرازہ بندی میں بھی سہولت ہوگی۔

۳- غیر مسلم ممالک میں مسلمان اپنے نکاح نامے مرتب کریں اور کوئی ملی تنظیم اور جہاں امارت کا نظام قائم ہو وہاں امارت اس کا ریکارڈ رکھے، ان نکاح ناموں میں یا تو تفویض طلاق کی دفعہ رکھی جائے، جیسا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”الحلیۃ الناجزۃ“ میں تحریر کیا ہے اور ”اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا“ کے سیمینار منعقدہ علی گڑھ نے بھی مسلمانوں کے سماجی مسائل کے حل کے لئے اس کو تجویز کیا ہے اور اہل علم کے لئے یہ بات محتاج اظہار نہیں کہ حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں نکاح سے پہلے بھی تفویض طلاق ممکن ہے اور نکاح کے بعد تو تقریباً تمام ہی فقہاء کے نزدیک تفویض طلاق ہو سکتی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح نامہ میں ایک دفعہ تحکیم کی رکھی جائے، یعنی عاقدین دارالقضاء یا شرعی پنچایت کو حکم بتائیں کہ ان کے درمیان ازدواجی مسائل سے متعلق جو بھی نزاع پیدا ہوگی، وہ اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا، اس طرح ان کے ازدواجی مسائل کے متعلق مقدمات میں دارالقضاء کو قانونی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔

خاص کر وہ ممالک جہاں رجسٹرڈ نکاح ہی قانون کی نظر میں معتبر ہوتا ہے اور نکاح کے بغیر مرد عورت پر باہمی رضامندی سے ایک ساتھ رہنا ممنوع بھی نہیں ہے، وہاں بہت سے مسلمان کورٹ میں گئے بغیر شرعی طریقہ پر اپنا نکاح کر لیتے ہیں، جو اسلام کی نظر میں تو شوہر و بیوی ہیں؛ لیکن قانون کی نظر میں نہیں، ایسے لوگ تفویض طلاق یا تحکیم کے اس معاہدہ سے خاص طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ

مولانا خورشید انور اعظمی ☆

اسلام نے بقاء نسل انسانی اور خاندانی امور کو مستحکم، منظم اور بہمہ وجوہ قابل اطمینان بنانے کے لئے نکاح جیسے پاکیزہ رشتے کا نظام بنایا اور زوجین میں سے ہر ایک کو منصفانہ حقوق دیکر باہم میل محبت کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کرنے کی تاکید فرمائی، تاہم بعض دفعہ میاں بیوی کے درمیان ذہن و مزاج کی ہم آہنگی نہ ہونے کے سبب اس قدر شدید اختلاف رونما ہو جاتا ہے کہ نباہ کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی، اور چارو ناچار اس پاکیزہ رشتے کو ختم کرنے کی نوبت آ جاتی ہے۔

قرآن کریم نے اس طرح کی نزاعی صورت حال میں زوجین کی جانب سے حکم مقرر کر کے مسئلے کے تھپیے پر زور دیا ہے تاکہ دونوں کے درمیان پیدا شدہ اختلاف کا سدباب ہو سکے، ارشاد خداوندی ہے:

”وإن خفتن شقاق بینہما فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا إن یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینہما إن اللہ کان علیما خبیرا“ (النساء: ۳۵)۔

(اور اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں آپس میں ضد رکھتے ہیں تو کھڑا کرو ایک منصف مرد والوں میں، یہ اور ایک منصف عورت والوں میں سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ موافقت کر دے گا ان دونوں میں، بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے)۔

☆ ص ۱۰۰ مدرس، جامعہ مظہر العلوم، بنارس۔

لیکن اگر حکم صاحبان کی ساری تنگ و دو اور اصلاحی کوششیں ناکام ہو جائیں اور رفع نزاع کی کوئی صورت بظاہر باقی نہ ہو تو شوہر کو حق ہوتا ہے کہ طلاق دیکر اپنی گلو خلاصی کر لے یا عورت خلع کے ذریعہ اپنی علیحدگی کا سامان فراہم کر لے، پھر یہ عمل تطلیق و خلع ذاتی طور پر بھی ہو سکتا ہے اور بذریعہ اسلامی عدالت بھی، البتہ اگر اسلامی عدالت نہ ہو تو غیر مسلم عدالت میں جانے سے حتی الامکان اجتناب کرنا چاہئے اور اپنے عائلی مسائل کے تصفیہ کے لئے باہم رضامندی سے ایک باصلاحیت آدمی کو قاضی مقرر کرنا چاہئے تاکہ اسکے ذریعہ تمام دینی مسائل کا شرعی فیصلہ ہو سکے، البحر الرائق میں ہے:

”أما في بلاد عليها ولاية الكفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم“ (۲۷۳/۲)۔

(باقی رہے وہ ممالک جن پر غیر مسلم والی مقرر ہوں تو وہاں مسلمانوں کے لئے جمعہ و عیدین کا قیام درست ہوگا، اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے قاضی بن جائے گا، نیز مسلمانوں پر ایک مسلم والی کی تلاش واجب ہوگی)۔

اور اگر زوجین کسی غیر مسلم عدالت میں اپنا مسئلہ پیش کرتے ہیں اور وہ عدالت اپنے اعتبار سے فیصلہ کرتی ہے تو اس کی مختلف صورتیں ہیں، اور اسی اعتبار سے ان کے احکام بھی مختلف ہیں:

۱- اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو اپنے عقد سے خارج کرنا چاہتا ہے اور اس غرض سے کسی غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ اس کی بیوی کا رشتہ نکاح اس سے ختم کر دیا جائے اور وہ عدالت اپنی تمام کارروائیوں کے بعد طلاق کا فیصلہ کرتی ہے تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی، اس وجہ سے کہ شوہر نے اپنی درخواست کے ذریعہ غیر مسلم جج کو وکیل بنایا، اور اس نے شوہر کے وکیل کی حیثیت سے اس کی بیوی کو طلاق دی، ہدایہ میں ہے:

”إذا قال لرجل: طلق امرأتی فله أن يطلقها فی المجلس وبعده، وله أن یرجع لأنه توکیل وإنه استعانة فلا یلزم ولا یقتصر علی المجلس“ (۳۶۱/۲)۔

(اگر کسی آدمی نے کسی شخص سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دیدو تو وہ مجلس کے اندر اور اس کے بعد طلاق دینے کا مجاز ہوگا، نیز اس آدمی کو رجوع کا بھی حق ہوگا، اس وجہ سے کہ یہ توکیل ہے جو ایک استعانت ہے، لہذا یہ اختیار نہ تو لازم ہوگا اور نہ مجلس تک محدود رہے گا)۔

اسی طرح در مختار میں ہے:

”قال لرجل: فوضت إلیک أمر امرأتی صار وکیلا بالطلاق وتقیید طلاقه بالمجلس بخلاف قوله: وکلنتک فی أمر امرأتی فلا بتقیید به“ (۲۶۷/۸)۔

(کسی آدمی نے کسی شخص سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کا معاملہ تمہارے سپرد کیا تو وہ طلاق کا وکیل ہو جائے گا اور اس کی طلاق مجلس تک محدود رہے گی اس کے برخلاف اگر کہا کہ میں نے تم کو اپنی بیوی کے معاملہ میں وکیل بنایا تو اس کی طلاق مجلس تک محدود نہیں رہے گی)۔

علامہ ابن القیم نے ”زاد المعاد“ میں توکیل فی الطلاق کو درست قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”فإذا وکل الزوج من یطلق عنه أو یخالع لم یکن فی هذا تغیر لحکم الله ولا مخالفة لدينه فإن الزوج هو الذی یطلق إما بنفسه أو بوکیله وقد یکون اتم نظرا للرجل من نفسه وأعلم بمصلحته فیفوض إلی ما هو أعلم بوجه المصلحة فیہ منه، وإذا جاز التوکیل فی العتق والنکاح والخلع والابراء وسائر الحقوق من المطالبة بها واثباتها واستیفائها والمخاصمة فیها فما الذی حرم التوکیل فی الطلاق“ (۷۳/۴)۔

(اگر شوہر کسی کو طلاق دینے یا خلع کرنے کا وکیل بناتا ہے تو اس میں اللہ کے حکم کی تغیر

لازم آتی ہے اور اس کے دین کی مخالفت اس وجہ سے کہ شوہر ہی طلاق دیتا ہے یا بذات خود یا بذریعہ وکیل، اور کبھی وکیل موکل کے حق میں اس سے زیادہ شفیق اور اس کی مصلحت سے زیادہ واقف ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے مسئلے کو ایسے شخص کے سپرد کرتا ہے جو اس سلسلے کی مصلحت کو اس سے زیادہ جانتا ہے، پھر جب عتق، نکاح، خلع، ابراء اور تمام حقوق مثلاً مطالبہ، اثبات، استیفاء اور خصامت میں توکیل جائز ہے تو توکیل فی الطلاق کیوں کر حرام ہوگی)۔

باقی رہا غیر مسلم کو وکیل بنانا تو شریعت اسلامی میں اس کی اجازت ہے، چنانچہ امام بخاری نے صحیح بخاری (۱/۳۰۸) میں اس سلسلے میں مستقل ایک باب قائم کیا ہے: ”باب إذا وکل المسلم حربیا فی دار الحرب أو دار الإسلام جازاً“ اور اس کے ذیل میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے ایک خط کا تذکرہ کیا ہے جس میں انہوں نے امیہ بن خلف کو لکھا ہے کہ مکہ میں وہ میرے متعلقین کی نگہداشت کریں اور مدینہ میں ہم ان کے متعلقین کی، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے اس عمل سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنانا جائز ہے، اس لئے کہ آپ نے یہ عمل نبی اکرم ﷺ کی اجازت ہی سے کیا ہو گیا جیسا کہ علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں تحریر فرمایا ہے:

”الظاهر أن عبد الرحمن لم يفعل هذا إلا باطلاع النبي صلى الله عليه

وسلم فلم ينكر عليه فدل على صحته“ (عمدۃ القاری ۱/۶۸۵)۔

(ظاہر ہے کہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے یہ عمل حضور ﷺ کو بتا کر ہی کیا ہے، جس پر

آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صحیح ہے)۔

۳- اگر کوئی عورت، غیر مسلم عدالت میں درخواست پیش کرتی ہے کہ اس کا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے اور عدالت شوہر کو طلب کر کے اس سے دستخط لے لیتی ہے کہ جو بھی فیصلہ ہوگا مجھے منظور ہوگا، اور اس کے بعد تمام عدالتی کارروائیاں کر کے طلاق کا فیصلہ کر دیتی ہے تو دیکھا جائے گا

کہ اگر شوہر نے یہ دستخط برضا و رغبت کیا ہے تو یہ تو کیل ہوگی اور طلاق ہو جائیگی، اور اگر اس دستخط پر بدرجہ مجبوری راضی ہوا ہے تب بھی طلاق ہو جائیگی، اس لئے کہ جس طرح طلاق مکروہ واقع ہو جاتی ہے اسی طرح تو کیل بالطلاق بھی اکراہ کے ساتھ درست ہوتی ہے۔

رد المحتار میں ہے: ”فإن طلاقه صحيح أى طلاق المکروه وشمل ما إذا أکره علی التوکیل بالطلاق فوکل فطلق الوکیل فإنه يقع“ (رد المحتار ۴/۳۸۸)۔

(مکروہ کی طلاق صحیح ہے، اور یہ شامل ہے اس صورت کو بھی کہ اگر کسی کو تو کیل بالطلاق پر مجبور کیا گیا، اور اس نے وکیل بنایا پھر اس وکیل نے طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی)۔

اور اگر شوہر نے اپنے قول و فعل سے رضامندی کا اظہار کئے بغیر صرف دباؤ میں آکر دستخط کیا تو یہ تو کیل نہیں ہے اور اس بنیاد پر عدالت کا فیصلہ طلاق صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس طرح اکراہ کی صورت میں تلفظ بالطلاق کے بغیر صرف تحریر طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

”فإن طلاقه صحيح أى طلاق المکروه وشمل ما إذا أکره علی التوکیل بالطلاق فوکل فطلق الوکیل فإنه يقع“ (رد المحتار ۴/۳۸۸)۔

(مکروہ کی طلاق صحیح ہے، اور یہ شامل ہے اس صورت کو بھی کہ اگر کسی کو تو کیل بالطلاق پر مجبور کیا گیا، اور اس نے وکیل بنایا پھر اس وکیل نے طلاق دی تو طلاق واقع ہو جائے گی)۔

اور اگر شوہر نے اپنے قول و فعل سے رضامندی کا اظہار کئے بغیر صرف دباؤ میں آکر دستخط کیا تو یہ تو کیل نہیں ہے اور اس بنیاد پر عدالت کا فیصلہ طلاق صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ جس طرح اکراہ کی صورت میں تلفظ بالطلاق کے بغیر صرف تحریر طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ رد المحتار میں ہے:

”لو أکره علی أن یکتب طلاق إمراته فکتب لا تطلق، لأن الكتابة

أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا، كذا في الخانية“ (رد المحتار ۳۴/۳)۔

(اگر کسی کو مجبور کیا جائے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق لکھے اور وہ لکھ دے تو طلاق نہیں ہوگی، اس وجہ سے کہ کتابت ضرورت کے تحت عبارت کے قائم مقام مانی گئی ہے، اور یہاں ضرورت نہیں ہے، خانیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے)۔

اسی طرح اگر اہل کے ساتھ تو کیل بالطلاق بھی صرف دستخط کر دینے سے معتبر نہیں ہوگی اس وجہ سے کہ وکیل مؤکل کا نائب ہوتا ہے، جب اگر اہل کی صورت میں مؤکل کی تحریر طلاق سے طلاق واقع نہیں ہوتی تو مؤکل کے محض دستخط کرنے سے تو کیل بالطلاق کیسے ہو سکتی ہے، اس لئے کہ وکیل کی نیابت مؤکل کے دائرہ اختیار تک محدود رہتی ہے، علامہ ابن القیم تحریر فرماتے ہیں:

”الوكيل يقوم مقام المؤكل فيما يملكه من الطلاق وما لا يملكه وما يحل له منه وما يحرم عليه ففي الحقيقة لم يطلق إلا الزوج إما بنفسه أو بوكيله“ (زاد المعاد ۳/۳۷)۔

(وکیل، مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے، طلاق کے مالک ہونے نہ ہونے میں اور اس کے حلال و حرام ہونے میں، اس لئے حقیقت میں طلاق شوہر ہی دیتا ہے، خواہ بذات خود یا بذریعہ وکیل)۔

۳۔ اگر کسی عورت نے غیر مسلم عدالت میں درخواست پیش کی کہ اس کا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، اور عدالت نے شوہر کو طلب کیا مگر وہ حاضر نہیں ہوا، یا آیا مگر اس پر راضی نہیں ہوا اور نہ دستخط کیا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر زوجین کے! بین تفریق کا فیصلہ کر دیا تو یہ درست نہیں ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ طلاق دینے کا حق شوہر کو حاصل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً مروی ہے:

”الطلاق بالرجال والعدة بالنساء“ (نصب الرایہ لریلمی ۳/۲۲۵)۔

(طلاق مردوں کے اور عدت عورتوں کے ساتھ خاص ہے)۔

اور غیر مسلم عدالت کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں کہ اس کے فیصلہ تفریق کو درست قرار دیا جائے، فتح القدر میں ہے:

”لا ولاية لكافر على مسلم لقوله تعالى: لن يجعل الله للكافرين على

المؤمنين سييلا“ (۲۱۲/۵)۔

(کافر کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہرگز

ندے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ)۔

اسی لئے ولایت قاضی کی صحت کے لئے منجملہ اور شرائط کے اسلام کی بھی شرط ہے، کہ

اس کے بغیر قضاء قاضی درست ہی نہیں ہوتا، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”اتصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة من

الاسلام والتكليف والحرية“ (۳۰۷/۳)۔

(قاضی کی ولایت صحیح نہیں ہوتی ہے تا آنکہ مقررہ قاضی کے اندر شرائط شہادت،

اسلام، تکلیف، اور حریت وغیرہ مجتمع ہو جائیں)۔

۴۔ اگر غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت میں مسلم حج مقرر ہو اور وہ اس طرح کے عائلی

مسائل کو بھی دیکھتا ہو تو اس کی حیثیت مسلم قاضی کی ہوگی اور اس کا فیصلہ صحیح ہوگا، درمختار میں ہے:

”ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو كافرا“ (۴۳/۸)۔

(عادل اور ظالم بادشاہ۔ اگر چہ وہ کافر ہو۔ کی جانب سے قاضی بننا جائز ہے)۔

اس لئے کہ قاضی مقرر کرنے والے بادشاہ کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ

علامہ شامی نے تاتارخانیہ کے حوالے سے لکھا ہے:

”الإسلام ليس بشرط فيه أى فى السلطان الذى يقلد“ (رد المحتار ۸/۴۳)۔
 (قاضی بنانے والے بادشاہ میں اسلام کی شرط نہیں ہے)۔

نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے دریافت کیا گیا کہ ”جن مسائل میں قضاء اور قاضی کی ضرورت ہے، ان میں انگریزی عدالت کا حکم و فیصلہ وہی حکم رکھتا ہے یا نہیں؟“ تو آپ نے جواب دیا کہ:

”اگر صاحب اجلاس مسلم ہو تو وہ شرعاً قاضی ہے“ (امداد الفتاویٰ ۳/۴۴۴)۔

اسی طرح اگر غیر مسلم بادشاہ نے مسلمانوں پر کسی مسلمان حاکم مقرر کر دیا تو وہ بھی درست ہوگا، شنائی میں ہے:

”إذا ولى الكافر عليهم مسلماً ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة“ (۸/۴۴۴)۔

(اگر غیر مسلم نے مسلمانوں پر کسی مسلم کو حاکم بنا دیا اور مسلمان اس سے راضی ہوں تو اس کا حاکم بنانا بلاشبہ درست ہے)۔

۵- غیر مسلم عدالتیں مسلم مسائل کے تصفیے کے لئے بحیثیت وکیل فیصلہ کر سکتی ہیں، اور وہ فیصلہ معتبر ہوگا، البتہ ان کی حیثیت قضاء و تکلیم کی نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان میں قضاء و تکلیم کی شرطیں مفقود ہیں، لہذا جن مسائل میں توکیل کی صورت نہ پائی جا رہی ہو اور ان کے فیصلے شرعی اصول و ضوابط سے متصادم ہوں، تو اس صورت میں ان فیصلوں کا شرعاً اعتبار نہیں ہوگا۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق دینے کا شرعی حکم

مولانا بدر احمد نجفی عموی ✽

اسلامی شریعت نے بے حیائی اور سفاح کی خرابیوں سے دنیا کو بچانے کے لئے نکاح کی ترغیب دی ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے نکاح کو پسندیدہ اور تجرد کی زندگی سے افضل ظاہر فرمایا۔ زوجین کے مابین رشتہ کو خوشگوار بنانے اور ان کو باہم میل و محبت سے رکھنے کے لئے ان کو ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید فرمائی۔ اس کے ساتھ ہی شریعت نے انسانی فطرت اور مزاج کا لحاظ رکھتے ہوئے زوجین میں شدید نا اتفاقی کی صورت میں طلاق کو بھی مشروع کیا ہے۔ شقاق کے وقت طلاق کی مشروعیت بھی اللہ تعالیٰ کی ایک اہم نعمت ہے۔

شریعت میں طلاق دینے یا نکاح ختم کرنے کا اختیار صرف شوہر کو ہی دیا گیا ہے۔ اس کے سوا کسی کو نکاح ختم کرنے اور طلاق دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے، البتہ شوہر کی تفویض یا توکیل سے بھی دوسرے شخص کو طلاق دینے کا اختیار مل جاتا ہے اور اس کے طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مسلم قاضی یا مسلم حاکم بھی اسباب کے پائے جانے کے وقت نکاح کو ختم کر سکتا ہے۔

وہ ممالک جو مسلمانوں کے زیر اثر ہیں وہاں تو مسلم قاضی کا نظام ہے اور ان کے ذریعہ

المعهد العالي، امارت شریعہ، پھولاری شریف، پٹنہ۔

✽

مسلمانوں کے مسائل حل ہوتے ہیں، لیکن جو مالک مسلمانوں کے اقتدار سے محروم ہیں اور وہاں غیر اسلامی نظام حکومت چل رہا ہے، کیا وہاں کی کورٹ کے جج کا فیصلہ مسلمانوں پر اسی طرح نافذ ہوگا جس طرح مسلم قاضی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے یا ان دونوں میں فرق ہے؟ مغربی ممالک میں اس طرح کے مقدمات جن میں جج (جو غیر مسلم ہوتا ہے) زوجین میں تفریق کر دیتا ہے ان کا کیا حکم ہوگا؟ معلومات کے مطابق اس کی درج ذیل صورتیں پائی جاتی ہیں۔ جن کو ان کے حکم کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے۔ اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟ اور کیا اس درخواست کو تفویض و تحکیم مانا جاسکتا ہے؟ اور اسی بنیاد پر غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟ اس صورت میں شوہر نے جس کو شریعت نے طلاق دینے کا مکمل اختیار دیا ہے تحریری طور سے طلاق دینے کا اختیار عدالت کے جج کو دیدیا ہے اور اپنے رشتہ نکاح کے خاتمہ کا مجاز عدالت کو بنا دیا ہے کہ عدالت اس کے نکاح کو ختم کر دے۔ یہ واضح طور سے طلاق کی توکیل ہے۔ وکالت کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جس جائز اور معلوم کام کرنے کا اختیار رکھتا ہے اس میں کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا دے۔

”وَأَمَّا شَرَعًا فَالتَّوَكُّيلُ إِقَامَةُ الْإِنْسَانِ غَيْرِهِ مَقَامَهُ فِي تَصَرُّفِ مَعْلُومٍ“
(فتح القدیر ۶/۵۵۳)۔

”وَهُوَ إِقَامَةُ الْغَيْرِ مَقَامَ نَفْسِهِ فِي تَصَرُّفِ جَائِزٍ مَعْلُومٍ“ (تویر الالبصار کتاب الوکالت)۔

یہاں اس صورت میں اس نے اپنی تحریر کے ذریعہ عدالت کو طلاق دینے کا وکیل بنایا ہے اور جائز اور معلوم تصرف میں توکیل درست ہوتی ہے، لہذا کسی کو طلاق دینے کا وکیل بنانا

بھی درست ہے۔

”ویجوز التوكيل بالبياعات والأشربة والإجارات والنكاح والطلاق والعناق والصلح والإعارة والاستعارة والهبة والصدقة والإيداع وقبض الحقوق والخصومات وتقاضى الدين والرهن والارتهان كذا فى الذخيرة“ (فتاویٰ ہندیہ ۱/۵۶۳)۔

”أما فى (طلقى ضرتك أو) قوله لأجنبى: (طلق امرأتى) فىصح رجوعه) منه (ولم يتقيد بالمجلس) لأنه توكيل محض وفى طلقى نفسك وضرتك كان تمليكاً فى حقها توكيلاً فى حق ضررتها جوهره. (إلا إذا علقه بالمشينة) فىصير تمليكاً لا توكيلاً“ (الدر المختار ج ۱/۵۱۷)۔

لہذا جب شوہر نے اپنی درخواست کے ذریعہ عدالت کو اپنی طرف سے طلاق دینے کا وکیل بنا دیا تو یہ طلاق کی توكيل ہے۔ جب عدالت کا غیر مسلم جج کارروائی کر کے طلاق کا فیصلہ کرتا ہے تو یہ شوہر کے وکیل کی حیثیت سے طلاق دینا ہے، اس لئے اس کا اعتبار ہوگا اور اس درخواست دہندہ شخص کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ وکیل ہونے کے لئے مسلم ہونا شرط نہیں ہے، غیر مسلم کو بھی وکیل بنایا جاسکتا ہے اور وکالت کی حالت میں اس کا کیا ہوا عمل نافذ ہوتا ہے۔

”ردة الوكيل لا تمنع صحة الوكالة فتجوز وكالة المرتد بأن وكل مسلم مرتداً، لأن وقوف تصرفات المرتد لوقوف ملكه والوكيل يتصرف فى ملك الموكل وإنه نافذ التصرفات“ (بدائع الصنائع، کتاب الوكالات ۱/۱۶۷)۔

”وصح توكيل مسلم ذمياً ببيع خمر أو خنزير وشرائهما“ (الدر المختار ج ۱/۳۳۵)۔

”وتجوز وكالة المرتد بأن وكل مسلم مرتداً“ (فتاویٰ ہندیہ ۱/۵۶۳)۔

شوہر کی اس درخواست کو توكيل مانا جائے گا۔ اس کو تحکیم ماننا درست نہیں ہے، کیونکہ

مسلمانوں کے معاملات میں حکم ہونے کے لئے مسلم ہونا شرط ہے۔ غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات میں حکم نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

”وکل من تقبل شهادته فی امر جاز أن یکون حکماً فیہ ومن لا فلا..... لأن الحكم فی حق المحکمین بمنزلة القاضی وکل من صلح شاهدأ صلح قاضياً ومن لا فلا“ (میں الحکام ص ۲۵)۔

”وشرطه من جهة المحکم بالفتح صلاحیته للقضاء“ (الدر المختار)۔

”وأهله أهل الشهادة..... وحاصله أن شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمی والحد فی القذف شروط لصحة تولیته ولصحة حکمه بعدها ومقتضاه أن تقلید الکافر لا یصح وإن أسلم“ (رد المحتار ۳/۳۴۲)۔

”فصح تحکیم ذمی ذمياً لأنه أهل للشهادة بین أهل الذمة دون المسلمین ویكون تراضیهما علیه فی حقها كتقلید السلطان إیاه وتقلید الذمی لیحکم بین أهل الذمة صحیح لابین المسلمین، وكذلك التحکیم، هندیة عن النهایة“ (رد المحتار ۳/۳۸۶)۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان اپنے معاملات کی جس میں طلاق بھی شامل ہے تو کیل کر سکتا ہے اور اس غیر مسلم کا کیا ہوا عمل نافذ ہوگا۔ لہذا اوپر جو صورت بیان کی گئی ہے اس صورت میں شوہر کی حیثیت موکل کی ہے، اس کا غیر مسلم عدالت میں درخواست دینا تو کیل ہے اور غیر مسلم حج شوہر کا کیل ہے۔ اس لئے اس حج کا فیصلہ معتبر اور نافذ ہوگا۔ فقط

۲- دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی

ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے۔ عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، کارروائی کے بعد علیحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس صورت حال کا کیا حکم

ہوگا؟ اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

بیوی کی طرف سے عدالت میں رشتہ نکاح ختم کرنے کی درخواست کے آنے پر عدالت شوہر کو بلا کر اس تحریر پر دستخط لیتی ہے کہ یہاں جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور شوہر اس پر دستخط کر دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی شوہر کی حیثیت موکل کی ہوگی اور تحریر پر اس کی دستخط اس کی طرف سے عدالت کو طلاق دینے کا وکیل بنانا ہے۔ وکالت کی صحت کے لئے طرفین کے جانب سے ایجاب اور قبول ہونا ضروری ہے۔ ایجاب کے بعد قبول صراحتہ بھی ہو سکتا ہے اور دلالتہ بھی ہو سکتا ہے۔

”رکن التوكيل فهو الإيجاب والقبول، فالإيجاب من الموكل أن يقول: وكلتك كذا أو أفعل كذا أو أذنت كذا أو نحوه، والقبول من الوكيل أن يقول قبلت“ (بدائع الصنائع کتاب الوکالۃ ۱۰/۵)۔

”وأما ركنها الألفاظ الخاصة التي بها تثبت من قوله وكلتك ببيع هذا أو شرائه مع اقتراحه بقبول المخاطب صريحاً أو دلالة فيما إذا سكت فلم يقبل أو يرد ثم عمل فإنه ينفذ ويظهر بالعمل قبوله“ (فتح القدير ۶/۵۵۳)۔

جس طرح کسی وکیل کو زبان کے علاوہ تحریر کے ذریعہ بھی معزول کیا جاسکتا ہے، اسی طرح تحریر کے ذریعہ توکیل بھی صحیح ہوگی۔ اس لئے اگر کسی شخص نے تحریر سے کسی کو وکیل بنایا تو وہ وکیل ہو جائے گا۔

”ويثبت عزله بالمشافهة به أو بكتابة له كتابا بعزله أو بإرساله رسواً عدلاً أو بغير عدل“ (البحر الرائق، باب عزل الوكيل ۷/۳۱۸)۔

لہذا شوہر کا عدالت میں جا کر طلاق کے سلسلے میں عدالت کے فیصلے کو ماننے کی تحریر پر دستخط کرنا بھی توکیل کے حکم میں ہے، اس لئے اگر عدالت کا غیر مسلم جج کارروائی کے بعد طلاق

کا فیصلہ کرتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، البتہ اگر حج کی جانب سے فیصلہ ہونے سے قبل شوہر رجوع کر لے اور عدالت کو اس کی خبر کر دے تو اس کے بعد حج کے طلاق واقع کرنے سے طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ توکیل میں رجوع درست ہے بشرطیکہ مؤکل کو اس کی خبر کر دی جائے اور وکیل کے عمل سے قبل رجوع ہو۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا تو مگر دستخط یا تقویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے وجوہات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو اس کا کیا حکم ہوگا جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے؟۔

جب عورت کی طرف سے علیحدگی کی درخواست عدالت میں آئی لیکن شوہر اس پر رضامند نہیں ہوا۔ یا تو وہ آیا ہی نہیں یا آیا مگر دستخط یا توکیل پر تیار نہیں ہوا تو اس صورت میں عدالت کو اس کا وکیل نہیں مانا جاسکتا ہے۔ اس لئے عدالت کے غیر مسلم حج کی طرف سے عدالتی کارروائی کے بعد تفریق کا فیصلہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ غیر مسلم حج کو شرعی قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے، قاضی کے لئے مسلم ہونا ضروری ہے۔ نیز اس کو شوہر کا وکیل بھی قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ شوہر اس پر رضامند نہیں ہے، اس کے علاوہ اس حج کی طرف سے تفریق کی کوئی صورت نہیں ہے، لہذا شوہر کی وکالت اور رضامندی کے بغیر غیر مسلم کی طرف سے تفریق کا فیصلہ درست نہیں ہوگا۔

۴- کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑسکتا ہے کہ حج اگرچہ غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے تو کیا اس کو مسلم حاکم اور مسلم قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے؟ اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

کسی غیر مسلم حکومت کی عدالت میں اگر جج مسلم ہے جو اپنی عدالتی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں شقاق کے وقت زوجین کے درمیان تفریق کا فیصلہ بھی کرتا ہے تو اس کی حیثیت مسلم قاضی کی ہوگی اور اس کا فیصلہ مسلمانوں پر شرعی اعتبار سے نافذ ہوگا بشرطیکہ اصول شرعیہ کے مطابق اس نے فیصلہ کیا ہے جیسے قاضی کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے۔ فقہاء کرام نے غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قاضی کے تقرر کو درست بتایا ہے۔ جب دارالکفر میں غیر مسلم حکمران کی طرف سے مسلم قاضی کا تقرر صحیح ہے تو اس کے فیصلے بھی معتبر ہوں گے اور مسلمانوں پر نافذ ہوں گے۔

”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کان کافراً
ذکرہ مسکین وغیرہ، إلا إذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم“ (الدر المختار
۳۳۲/۳)۔

”فی التتار خانیة: الإسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی
یقلد، وبلاد الإسلام التي فی أیدی الکفرة لاشک أنها بلاد الإسلام لا بلاد
الحرب لأنهم لم یظہروا فیها حکم الکفر والقضاة مسلمون وکل مصرفیه
وال من جہتہم تجوز فیہ إقامة الجمع والأعیاد وأخذ الخراج وتقلید القضاة
وتزویج الأیامی لاستیلاء المسلم علیہ“ (الدر المختار ۳۳۲/۳)۔

۵- ضرورت اس کی بھی ہے کہ اس بابت کچھ اصولی روشنی ڈالی جائے کہ غیر مسلم
عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں یا کس حد تک ان کے
فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں؟ اس بابت فقہاء کی اصولی و فروعی تصریحات و توضیحات زیر
بحث مسئلہ میں معاون ثابت ہوں گی۔

قاضی کے پاس دو قسم کے معاملات آتے ہیں: (۱) پہلی قسم ایسے معاملات کی ہے جن
میں شرعی اسباب کا وجود کافی ہوتا ہے۔ اس میں حکم حاکم یا قضاء قاضی کی ضرورت نہیں ہوتی،

(۲) دوسرے قسم کے ایسے معاملات ہیں جن میں سبب شرعی کا وجود کافی نہیں ہوتا بلکہ ان کے ثبوت کے لئے حکم حاکم یا قضاء قاضی ضروری ہے۔

جن معاملات میں قضاء قاضی شرط نہیں ہے اور قضاء قاضی کے بغیر بھی سبب شرعی کے پائے جانے سے ان کا ثبوت ہو جاتا ہے، ایسے معاملات میں غیر مسلم عدالتوں اور غیر مسلم ججوں کا فیصلہ معتبر ہوگا اگر وہ شریعت کے مطابق ہو۔ مثلاً میراث کا مسئلہ ہے۔ وارثین میں اختلاف ہو گیا ہے تو اگر غیر مسلم جج شریعت اسلامیہ کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہے تو اس کا فیصلہ معتبر ہوگا اور مسلمان اس کو تسلیم کریں گے۔ اسی طرح ایک مرد اور ایک عورت نے غیر مسلم جج کے سامنے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا ایجاب و قبول کیا اور جج نے اس نکاح کو درست مانا تو یہ فیصلہ نافذ ہوگا۔ اسی طرح محرمات کی حرمت، خلع اور وہ تمام دیگر معاملات ہیں جن کے ثبوت کے لئے قضاء قاضی شرط نہیں ہے۔

البتہ وہ تمام معاملات جن کے ثبوت کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔ محض سبب شرعی کے پائے جانے سے قضاء قاضی کے بغیر ان کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے۔ ان معاملات میں مسلم قاضی کا فیصلہ ضروری ہے۔ غیر مسلم جج کا فیصلہ کافی نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسے معاملات ہیں جن کا نفاذ قضاء قاضی پر موقوف ہے اور مسلمانوں کے معاملات میں صرف مسلم قاضی کا ہی فیصلہ نافذ ہوتا ہے، مثلاً بیوی کی درخواست پر اسباب پائے جانے کے وقت فسخ نکاح کا فیصلہ کرنا۔ اس میں صرف مسلم قاضی کا فیصلہ معتبر ہوگا، غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، وہ اس کی بیوی برقرار رہے گی۔

”القسم الأول لابد فيه من حكم الحاكم وهو ما يحتاج إلى نظر
وتحرير وبذل جهد في تحرير سببه ومقدار مسببه وذلك كالطلاق
بالإعسار، والطلاق بالإضرار، والطلاق على المولى، أنه يفتقر إلى تحقيق

الإعسار، وهل هو ممن يلزمه الطلاق بعدم النفقة أم لا، كما لو تزوجت فقيراً علمت بفقره فإنها لا تطلق عليه بالإعسار بالنفقة، وكذلك تحقيق حاله، وهل هو ممن يرجى له شيء أم لا، وكذلك تحقيق صورة الإضرار وكذلك التطبيق على الغائب القسم الثاني مالا يحتاج إلى حكم حاكم كتحریم المحرمات المتفق عليها كالعصير إذا اشتد والمختلف فيها كتحریم السباع وكذلك وفاء الديون ورد الودائع والمغصوب وأحكام العبادات فالمبادرة متعين ولا يفتقر إلى حكم الحاكم استقلالاً، وأما بطريق العرض فيدخلها حكم الحاكم** (تبررة الأحكام ۱/ ۶۶-۷۹، وكذا في معين الأحكام ص ۲۳، وكذا في الأحكام في تمييز الفتاوى من الأحكام لقرآني ص ۱۵۰-۱۶۱).



غیر مسلم عدالت کا فیصلہ فسخ نکاح

مفتی انور علی اعظمی مدظلہ العالی

۱- غیر مسلم جج کی عدالت میں شوہر کی مذکورہ درخواست کو تحکیم ماننے کی صورت میں رکاوٹ لازم آتی ہے، کیونکہ تحکیم کے لئے فقہاء نے وہی شرطیں لگائی ہیں جو شہادت کے لئے ضروری ہیں، یعنی تحکیم کے لئے شاہد کی طرح مسلمان ہونا ضروری ہے:

”ویشترط فی المحکم أن یکون أهلا للشهادة رجلا کان أو امرأة“

(الفقہ الاسلامی وادلہ ۶/۷۵۷)۔

اور شہادت کے شرائط میں سے اسلام بھی ہے، اس لئے حکم کا مسلمان ہونا ضروری ہے قرآن کریم میں بصراحت مذکور ہے: ”وأشهدوا ذوی عدل منکم“ دوسری جگہ: ”وممن ترضون من الشهداء“ اسی طرح تحکیم میں ایک رکاوٹ یہ بھی ہے کہ ایک شخص جو خود شریعت اسلامی کا التزام نہیں کرتا ہمارے اوپر شرعی فیصلہ کا حق کیسے پاسکتا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا“ (سورہ نساء)، اس لئے مذکورہ درخواست کو ہم تحکیم کے بجائے تفویض مان سکتے ہیں، شامی میں مذکور ہے: ”المراد بالتفويض تمليك الطلاق“ (شامی ۴/۴۱۳)۔ تفویض کے باب میں اتنی گنجائش معلوم ہوتی ہے کہ مفوض الیہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے اور چونکہ درخواست دہندہ شوہر ہے اور وہ صراحتاً طلاق کا معاملہ

مفتی دارالعلوم، ممبئی۔

☆

حاکم کے سپرد کر رہا ہے تو اس صورت میں اگر عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے تو اسے تسلیم کیا جاسکتا ہے، چاہے فیصلہ کرنے والا حج غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو، اس طرح کے مقدمات میں عدالتی چارہ جوئی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شوہر عورت کی جانب سے پیش آنے والی پریشانیوں کا مدد و تلاش کرتا ہے۔ اس وقت اکثر ممالک کی عدالتوں میں ازدواجی معاملات میں عورتوں کو اس قدر مراعات دی گئی ہیں کہ اگر شوہر اپنا دفاع نہ کرے تو وہ بہت ساری پریشانیوں کا شکار ہو سکتا ہے، اس لئے سرکاری عدالت کے ذریعہ شوہر کا طلاق دینا اور حج کے ذریعہ کارروائی کو مکمل کرانا اس کے حق میں بچاؤ کا ایک مضبوط راستہ ہے اور چونکہ شوہر خود طلاق کی کارروائی کر رہا ہے، اس لئے وقوع طلاق میں کوئی شبہ نہیں۔

۲- اس صورت حال میں شریعت کی نگاہ میں فیصلہ معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ حج مسلمان ہو اور اسلامی شریعت کے احکام سے واقف ہو اور تفریق کی جملہ کارروائی شرعی اصولوں کے مطابق انجام دے تو اس کا فیصلہ تفریق و طلاق نافذ ہوگا۔ بصورت دیگر عدالت کا فیصلہ عورت کے لئے ناکافی ہوگا اور عدالتی فیصلہ کے بعد اس عورت کو شرعی پناہ یا امارت شرعیہ جیسے ادارہ میں اپنا مقدمہ دائر کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرانا ہوگا، کیونکہ مذکورہ صورت میں شوہر عدالت کے دباؤ کی وجہ سے دستخط کرنے پر مجبور ہوگا، لہذا اس کی دستخط کو تفویض طلاق پر محمول نہیں کر سکتے اور غیر مسلم حج کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں جیسا کہ فقہ کی کتابوں سے ظاہر ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”الحلیۃ الناجزہ“ میں اس مسئلہ کی بھرپور وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی موجود نہیں ہیں ان میں وہ احکام حج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہو اور شرعی قاعدے کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے کما فی الدر المختار: ”ویجوز تقلید

القضاء من السلطان العادل والجانر ولو كافراً ذكره مسكين“ وغیرہ لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہو سکتا: ”لان الكافر ليس بأهل القضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع الكتب للفقہ“ (الحلیۃ الناجزہ ۴۵)۔

اس مذکورہ مسئلہ کا حل یہ ہے کہ یا تو ایسی عورت اپنے آپ سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے رخلع کرائے یا پھر شرعی پناہ یا امارت شرعیہ وغیرہ کا راستہ ڈھونڈھے۔

۳۔ اسی طرح کے ایک مسئلے کے جواب میں جس میں عورت کی جانب سے فیملی کورٹ میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا گیا ہے اور جج نے مقدمہ کی سماعت کے بعد عورت کے حق میں ڈگری دیدی۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی علیہ الرحمہ اپنی کتاب آپ کے مسائل اور ان کا حل میں تحریر فرماتے ہیں: فیملی کورٹ کا فیصلہ اگر شرعی قواعد کے مطابق ہو تو وہ فیصلہ بھی شرعاً نافذ ہوگا، اور اگر مقدمہ کی سماعت یا فیصلہ میں شرعی قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو شرعی نقطہ نظر سے وہ فیصلہ کا اہم ہے شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی۔

شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کی شکایت پر عدالت شوہر کو طلب کرے اور اس سے عورت کے الزامات کا جواب طلب کرے، اگر شوہر ان الزامات سے انکار کرے تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں۔ یا اگر عورت گواہ نہیں پیش کر سکتی تو شوہر سے حلف لیا جائے اگر شوہر حلفیہ طور پر اس کے دعویٰ کو غلط قرار دے تو عورت کا دعویٰ خارج کر دیا جائے گا اور اگر عورت گواہ پیش کر دے تو عدالت شوہر کو بیوی کے حقوق شرعیہ ادا کرنے کی تاکید کرے۔ اور اگر عدالت اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ ان دونوں کا یکجا رہنا ممکن نہیں ہے تو شوہر کو طلاق دینے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ طلاق دینے پر بھی آمادہ نہ ہو (جبکہ وہ عورت کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کرتا) تو عدالت از خود فسخ نکاح کا فیصلہ کر سکتی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ فیصلہ

کرنے والا حج مسلمان ہو ورنہ اگر حج غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا (۲۵/۱۵ آپ کے مسائل اور ان کا حل)۔ مذکورہ فیصلہ کے نافذ ہونے کے لئے کئی ایک رکاوٹ محسوس ہوتی ہے:

(۱) حج غیر مسلم ہے (۲) عدالت نے شوہر کی حاضری کے بغیر فتح نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ضابطہ کی کارروائی نامکمل ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں محض عدالتی فیصلہ کافی نہیں ہوگا اور اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ خلع کے ذریعہ طلاق حاصل کرے یا شرعی پنچایت، امارت شرعیہ جیسے ادارے سے رجوع کرے۔

۴- حج اگر غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے مگر وہ مسلمان ہے اور احکام شرعیہ سے واقف ہے اور اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو وہ مسلمان حج مسلم حاکم یا قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت تھانویؒ نے ”الحلیۃ الناجزہ“ میں تحریر فرمایا ہے: ”گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام حج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔“

”لما فی الدر المختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کافراً ذکوره مسکین وغیرہ“ لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فتح وغیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا (الحلیۃ الناجزہ: ۴۵)۔

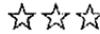
۵- جس ملک میں ہم رہتے ہیں وہاں کی عدالت کا بائیکاٹ ہم نہیں کر سکتے۔ کوشش تو یہ ہونی چاہئے کہ مسلمان اپنے ہر قسم کے معاملات مل بیٹھ کر طے کریں اور ہندوستان جیسے ملک میں علماء، اہل دانش اور بارسوخ حضرات، مسلمانوں کے آپسی مسائل حل کرائیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ”وإن طانفتان من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینہما“ (سورہ حجرات)۔ اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے اصلاح بین الناس کو انتہائی اہم کام بتایا ہے اور اس کے لئے

جھوٹ جیسی ناپسندیدہ چیز کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے، عدالت میں معاملہ لے جانے میں وکیلوں کے مشورہ پر چلنے پر موکل مجبور ہوتا ہے۔ وکیل اگر کہتا ہے کہ تمہارے کیس کی مضبوطی کے لئے جھوٹی شہادت کی ضرورت ہے، تو کرایہ کے گواہ خریدے جاتے ہیں، اگر وکیل کہتا ہے کہ تم کو جج کے سامنے یہ بات کہنی ہوگی تو موکل قصداً جھوٹ بولنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ہندوستان کی عدالتوں میں جانے کے بعد اس طرح کی چیزوں سے بچنا اگر ناممکن نہیں ہے تو دشوار بہت ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی مسلمان یا غیر مسلم نے ہمارے خلاف کوئی دعویٰ دائر کر دیا تو اپنے دفاع کے لئے عدالت میں جانا مجبوری ہے یا اسی طرح اگر ہمارے ساتھ کوئی ناانصافی ہو رہی ہے اور ظالم طاقتور ہے، سماج کے لوگ اس کے مقابلہ میں کھڑے ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں تو ایسی پوزیشن میں بھی عدالت میں جانا لازمی اور ضروری ہو جاتا ہے۔ بالخصوص ہندوستان کے موجودہ ماحول میں بہت سارے بھولے بھالے لوگوں کو بے بنیاد الزامات کی بنا پر گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا جاتا ہے بلکہ انکا وٹنر تک کر دیا جاتا ہے، ایسی صورت حال میں عدالت ہی ہمارے لئے فریادرسی کا ایک مضبوط ذریعہ ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات میں یہ دیکھا جا رہا ہے کہ اگرچہ عدالت کی کارروائی سست رفتار ہوتی ہے، لیکن اگر صحیح ڈھنگ سے مقدمہ کی پیروی کی جائے تو اس کا مثبت نتیجہ زیادہ تر جگہوں پر برآمد ہوتا ہے، گجرات کے فساد کے بعد وہاں مظلوم مسلمانوں نے بعض ہندو تنظیموں کے تعاون سے متعدد معاملات میں کامیابی حاصل کی۔

فوجداری (جرائم)، دیوانی (یعنی مالیات) کے معاملات میں اگر آپسی صلح مصالحت سے حقدار کو حق نہ ملے تو وہ اپنے جائز حق کی وصولیابی کے لئے غیر مسلم عدالت میں بھی جاسکتا ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اگر مسلمان، غیر مسلم عدالت میں جاتا ہے تو مسلمان کے لئے عدالت کا فیصلہ، اسی صورت میں قابل قبول ہوگا جب وہ اللہ ورسول کے قانون سے متصادم نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”من لم يحکم بما أنزل اللہ فأولئک ہم الکافرون“

”ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الظالمون“ (۳۵/مائدہ)
 ”وليحكم أهل الانجيل بما أنزل الله فيه ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك
 هم الفاسقون“ (۳۷/مائدہ)۔

عالمی مسائل میں عدالتیں بھی ہندوستان میں مسلم پرسنل لا کے مطابق فیصلہ کرنے کی
 پابند ہیں، لیکن شاہ بانو کیس کو نظیر بنا کر بہت ساری عدالت میں جج دفعہ B۱۲۵ کے مطابق فیصلہ
 کرتے ہیں اور بہت سی مسلمان عورتیں یا ان کے اولیاء اس فیصلہ کے مطابق طلاق دینے والے
 شوہروں سے کافی لمبی رقم نفقہ کے نام پر وصول کرتے ہیں، جبکہ شریعت میں شوہر عدت طلاق کے
 بعد اس کے نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہے، اس لئے عدالت کا یہ فیصلہ بھی غلط ہے اور مطلقہ عورت یا اس
 کے اولیاء کا ایسے فیصلوں کو بنیاد بنا کر شوہر کو تنگ کرنا بھی ظلم اور تعدی ہے۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و غرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے تو اس صورت کا شرعی حکم یہ ہے کہ عدالت کا یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی۔

اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے جیسا کہ ہمارے ملک ہندوستان میں علماء مخلصین حفظہ اللہ نے جگہ جگہ دارالقضاء قائم کیا جس کے ذریعہ اس طرح کے مقدمات کے فیصلے کیے جاتے ہیں، اور جہاں شرعی قاضی نہ ہوں اور مسلمان حج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، یا پھر دیندار مسلمانوں کی شرعی پنچایت (جماعت مسلمین) جس میں کم از کم ایک دو مستند عالم بھی ہوں یہ پنچایت شرعی تحقیق کے بعد فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوتا ہے۔ غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہوتا، لہذا صورت مسئولہ میں شوہر بجائے عدالت سے رجوع کرنے کے شریعت نے جو اس

☆ جامعہ عربیہ مفتاح العلوم، یو پی۔

کو حق دیا ہے یعنی طلاق دینے کا مالک بنایا ہے وہ اپنا حق استعمال کرے اور طلاق دیکر اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کر دے، بڑا حق ہے یہ شوہر شریعت کی آسان صورت کو مشکل بنانا چاہتا ہے، اور شریعت کی صاف و شفاف تعلیم کو گندہ کر کے بدنام کرنا چاہتا ہے العیاذ باللہ، ایسے شخص کو بایکاٹ کیا جاسکتا ہے کہ یہ اسلام و مسلمانوں کا دشمن ہے، پس یہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ایسے شخص کو ڈرا دھمکا کر طلاق دینے پر مجبور کریں، کہ اس کو عدالت جانے کی کوئی مجبوری نہیں ہے یہ محض شرارت نفسی ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ طلاق و تفریق معتبر نہیں شرعاً، اس صورت مسئلہ میں ڈرا دھمکا کر اس شخص کو مجبور کیا جائے کہ شریعت نے جو مرد کو طلاق دینے کا مالک بنایا ہے وہ اپنا یہ حق خود ہی استعمال کرے اور طلاق دے کر اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کر دے، ایسا نہ کرنا اس شخص کی جانب سے شرارت نفسی ہے جو اس نے عدالت کی طرف رجوع کیا ہے۔

۲- عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اس صورت حال کا حکم یہ ہے کہ یہ عورت بجائے اس کے کہ عدالت کی طرف رجوع کرے، کیونکہ غیر مسلم بیچ کا فیصلہ شرعاً غیر معتبر ہے، لان الاسلام یعلو ولا یعلیٰ علیہ یہ عورت خلع کر لیتی ہے جس کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت اپنے شوہر کو مال دینے کی لالچ دلا کر طلاق لے لیتی ہے، اور دوسری صورت یہ ہے کہ عورت جو اس کا حق واجب ہے شوہر کے ذمہ مثلاً مہر اور عدت کا نان و نفقہ اسے معاف کر دیتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ تمہارے ذمہ جو مہر و نان و نفقہ ہے وہ بھی معاف کرتی ہوں مجھ سے خلع کر لو جدائی کر لو، اور شوہر خلع کر لے تو دونوں صورتوں میں تفریق ہو جائے گی اور عورت کا رشتہ نکاح شوہر سے ختم ہو جائے گا، یہ سب سے بہتر

و آسان صورت ہے، اس کو چھوڑ کر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا غایت درجہ کی حماقت ہے اور اگر عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور ہوگا، اس کا ردوائی کے بعد غلاحدگی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے تو عدالت کا یہ دستخط لینا اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے، اگر شوہر اپنی حماقت سے یہ دستخط بھی کر دے تب بھی غیر مسلم حج کا فیصلہ تفریق شرعاً معتبر نہیں ہوگا، کیونکہ غالب تو اسلام اور اس کا حکم ہی رہے گا۔ یہ اٹل فیصلہ ہے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ اس صورت مسئولہ میں عورت اپنا نکاح ختم کرنے کے لئے اپنے شوہر سے خلع کر لے اور عدالت کی طرف ہرگز رجوع نہ کرے، اور شوہر کی دستخط غیر معتبر ہوگی شرعاً۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائز لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا۔

اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ شریعت نے جب عورت کو یہ سہولت دی ہے کہ اپنے شوہر سے رشہ نکاح ختم کرنے کے لئے کچھ مال کی لالچ دے کر خلع کرے، اس سے تفریق ہو جائے گی تو اس سہولت کے ہوتے ہوئے عورت کا عدالت کی طرف رجوع کرنا حماقت پر مبنی ہے، اس خلع کی صورت کے علاوہ عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں چنانچہ الحلیۃ النازہ (ص ۲۳-۲۴) میں ہے: اگر کسی جگہ فیصلہ کنندگان حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا، ”لان الکافر لیس باهل للقضاء علی المسلم کما هو مصرح فی جمیع کتب الفقہ“۔ حتیٰ کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

لہذا صورت مسئولہ میں عورت کی درخواست پر غیر مسلم حج نے فسخ نکاح کا جو فیصلہ کیا ہے وہ معتبر نہیں، اس فیصلہ سے شرعاً تفریق نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ صورتِ مسئلہ میں عدالت کے غیر مسلم جج کا حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کرنا شرعاً معتبر نہیں، لہذا اس فیصلہ سے تفریق نہ ہوگی اور نہ رشتہ نکاح ختم ہوگا۔

۴- جج اگر غیر مسلم حکومت و غیر مسلم عدالت کا ہے مگر وہ مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

دیکھئے الحیلۃ الناجزۃ میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: شرعی قاضی نہ ہو تو مسلم جج کی عدالت میں مقدمہ دائر کرے جس کو شرعی قانون کے مطابق ڈگری کا اختیار ہو اور فیصلہ کرتا ہو (قادی رجیہ ۱۳۲/۱۳۳)۔

پس اس مسلم جج کا فیصلہ تفریق معتبر ہوگا اور غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ معتبر نہیں، جب تک مسلمان پنچایت یا مسلم جج فیصلہ نہ کرے کورٹ کے فیصلہ پر ہرگز عمل نہ کیا جائے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ غیر مسلم حکومت و غیر مسلم عدالت میں مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہے جس کو شرعی قانون کے مطابق ڈگری کا اختیار ہو اور فیصلہ کرتا ہو۔

۵- غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام مذہبی و شرعی فیصلے نہیں کر سکتے، مثلاً نکاح اور طلاق اور میراث اور تقسیم وراثت وغیرہ صرف ملکی قانونی حد تک فیصلے کر سکتے ہیں، مسلمان اسی حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار کر سکتے ہیں جن میں کتاب و سنت اور اقوال صحابہ سلف و خلف رضی اللہ عنہم کی روشنی میں اور اقوال ائمہ فقہاء، محدثین رضی اللہ عنہم کی روشنی میں فیصلے کیے گئے ہوں اور باضابطہ ان کا حوالہ بھی دیا جائے۔

اس صورتِ مسئلہ کے اندر اس طرح کے ملک کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسلمانوں کی رضامندی سے اپنا کوئی قاضی بنا لیں جس کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے اپنا مذہبی مسئلہ حل کرائیں اور ملکی عدالت کی طرف رجوع نہ کریں اور اپنے مسلم قاضی کے فیصلہ پر اللہ اور رسول

اللہ ﷺ کا فیصلہ مان کر عمل کریں، ہاں ملکی مسائل میں مثلاً زمین و جائیداد کی خریداری کے سلسلہ میں لکھا پڑھی، رجسٹری وغیرہ، اور مذہبی مسائل میں غیر مسلم عدالتوں اور حکام کے پاس ہرگز نہ جائیں اور اگر جائیں گے تو اس میں بڑی خرابی یہ ہوگی کہ وہ غیر مسلم عدالتیں و حکام اسلامی امور میں مداخلت کریں گے اور مسلمانوں کے مذہبی امور کو اپنے ہی اعتبار سے دیکھیں گے جس سے زبردست فساد پھوٹ پڑے گا جس کا سدباب مشکل ہو جائے گا۔

دیکھئے: در مختار و شامی (۳۴۲/۳۵) میں ہے: ”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر، ولو كان كافرا ذكره مسكين وغيره إلا اذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم ولو فقد وال فغلبته الكفار وجب على المسلمين تعيين وال وإمام للجمعة“۔

فتح شامی میں ہے: ”(قوله ولو كافر) في التاتار خانية: الاسلام ليس بشرط فيه إلا في السلطان الذي يقلد و بلاد الاسلام التي في أيدي الكفرة لاشك أنها بلاد الاسلام لا بلاد الحرب، لأنهم لم يظهر فيها حكم الكفر والقضاء مسلمون والمملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة منهم ففساق، وكل مصرفيه وال من جهتهم تجوز فيه إقامة الجمعة والأعياد وأخذ الخراج وتقليد القضاء وترويج الأيامى لاستيلاء المسلم عليه، وأما إطاعة الكفر فذاك مخادعة وأما بلاد عليها ولاية كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد ويصير القاضي قاضياً بتراضى المسلمين فيجب عليهم ان يلتمسوا والياً مسلماً منهم اهـ۔

وفى الفتوح: وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو فى بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين

آن یتفقوا علی واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضياً ويكون هو الذى يقضى بينهم وكذا ينصبوا إماماً يصلى بهم الجمعة اه وهذا هو الذى تطمئن النفس إليه فليعتمد۔“

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ غیر مسلم عدالتیں و حکام مسلمانوں کے معاملات میں صرف اسلامی قانون کتاب و سنت و اجماع امت اور قیاس شرعی کے مطابق ہی فیصلہ کر سکتے ہیں اور مسلمان اسی حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار کر سکتے ہیں جیسے کہ ہندوستانی عدالتوں میں ”مسلم پرسنل لاء“ بھی ہے، اس طرح کے ملکوں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی رضامندی سے اپنا قاضی بنا لیں جو مسلمانوں کے مذہبی نزاعی مسائل میں اسلامی حل پیش کریں، پھر یہاں کے مسلمانوں کو غیر مسلم عدالتوں کا رخ کرنا جائز نہ رہے گا کیوں کہ رخ کرنے کی صورت میں وہ غیر مسلم عدالتیں اسلامی امور میں مداخلت کریں گی جو جائز نہیں، جیسا کہ ان کا مداخلت کرنا ایک امر واقعہ بنا ہوا ہے، لہذا مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا لازم ہے۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کی شرعی حیثیت

مفتی محمد ابو بکر قاسمی ☆

اللہ تعالیٰ نے مردوں کی تسکین کے لئے عورتوں کو پیدا کیا ہے، لیکن مرد عورتوں سے تسکین کیسے حاصل کرے اس کے لئے مذہب اسلام نے نکاح کا پاکیزہ طریقہ رکھا ہے کہ گواہوں کی موجودگی میں دو اجنبی مرد و عورت کا ایجاب و قبول کے ذریعہ باہمی رضامندی سے نکاح عمل میں آئے، نکاح کا انعقاد اگرچہ مرد و عورت اور ان دونوں کے اولیا کی رضامندی و خوشی سے گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے، لیکن انعقاد نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں کا قوام و محافظ اور نگران بنایا ہے جیسا کہ خداوند قدوس کا فرمان ہے: ”الرجال قوامون على النساء“ (سورۃ النساء آیت ۳۴)۔

مردوں کی عورتوں پر فضیلت و قوامیت کا تقاضا ہے کہ رشتہ نکاح کو توڑنے اور باقی رکھنے کا اختیار مردوں ہی کے ہاتھوں میں ہو چنانچہ سورۃ بقرہ کی (آیت ۲۳۷) ”الذی بیدہ عقدۃ النکاح“ (وہ شخص جس کے ہاتھ میں گرہ نکاح کی ہے)، یعنی نکاح کو توڑنے یا باقی رکھنے کا اختیار جس شخص کو ہے، کی تفسیر میں حضور اکرم ﷺ نے ”ولی عقدۃ النکاح الزوج“ فرما کر شوہر کو عقد نکاح کا مالک قرار دیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمر و بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے امام دارقطنی نے نقل کی ہے

☆ مفتی مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھراوارہ، درجنگہ دہتم مدرسہ رحیمیہ فیض العلوم برہم پور۔

نیز یہ حدیث حضرت علیؓ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی منقول ہے (معارف القرآن ۵۳۳/۱)۔

مندرجہ آیت و روایت سے معلوم ہوا کہ نکاح مکمل ہو جانے کے بعد نکاح کو قائم رکھنے یا ختم کرنے کا مالک شوہر ہے، عورت کو طلاق اس کا مرد ہی دے سکتا ہے، عورت کا طلاق کے مسئلہ میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

شوہر کے سوا کسی کو یہ حق شوہر کی اجازت یا نیابت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، چنانچہ یہ اجازت و نیابت کبھی تو وکیل کو ہوتی ہے اور کبھی حاکم و حکم کو، چنانچہ بعض حالات میں شوہر کی غیر موجودگی میں بھی وکیل یا حاکم و حکم رشتہ نکاح کو توڑ دیتا ہے، البتہ وکیل کے ذریعہ نکاح کے توڑنے کا عمل شوہر کی رضاء سے ہوتا ہے لیکن حاکم کی طرف سے علیحدگی کا فیصلہ شوہر کی عدم رضاء کے باوجود کبھی حاکم مجبور ہو کر کرتا ہے۔

کیونکہ شوہر کے لئے کسی عورت سے نکاح کرنے کے بعد دو شرعی حکموں میں سے ایک پر عمل لازم ہے، پہلا حکم شرعی یہ ہے کہ امساک بالمعروف پر عمل کرے، یعنی عورت کو اچھی طرح رکھے، اس کے کھانے، پینے، رہنے کا بندوبست کرے، اس کی جنسی خواہش کی تکمیل کرے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو شوہر کے لئے دوسرا حکم شرعی یہ ہے کہ ترویج بالا احسان کرے، عورت کو باعزت طریقے سے طلاق دے کر اس کا مہر وغیرہ ادا کر کے باعزت طریقے سے آبرو مندانه زندگی گزارے، لیکن اگر کوئی نالائق و ظالم شوہر ایسا نہیں کرتا تو چونکہ حاکم کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے اس لئے حاکم دفع ظلم کرتے ہوئے شوہر کے قائم مقام ہو کر نکاح کو توڑ دے گا، بشرطیکہ عورت عدالت شرعیہ میں پہنچ کر استغاثہ کرے تو حاکم اس کی فریاد سن کر داد رسی کرتے ہوئے اگر مناسب سمجھے گا تو نکاح کو توڑ دے گا اور عورت کو عدت گزار کر دوسری جگہ شادی کرنے کی اجازت دے دیگا، چنانچہ جن اسباب و وجوہ سے قاضی یا حاکم نکاح کے فسخ و تفریق کا فیصلہ کرتا ہے، ان

اسباب کی مکمل تفصیل حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے الحیلۃ الناجزہ میں اور حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمہ نے کتاب الفسخ والتفریق میں بیان کر دی ہے۔

اب یہاں زیر بحث مسئلہ یہ ہے کہ حاکم اگر مسلمان ہے خواہ شرعی قاضی ہو یا کوئی مسلم امیر ہو تو اس کے فیصلہ کا بالاتفاق اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ مذہب اسلام نے اس کو عامۃ المسلمین کے مفادات کو ملحوظ رکھ کر اس کی ولایت عامہ کا اعلان کیا ہے، چنانچہ حدیث نبوی ہے:

”السلطان ولی من لا ولی له“ (ترمذی ۲۰۸۱) (بادشاہ ہر اس شخص کا ولی ہے، جس کا کوئی ولی نہ ہو)۔

لہذا شوہر کے ظلم کے ثبوت کی صورت میں قاضی شوہر کے قائم مقام ہو کر تفریق کا فیصلہ کر سکتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا قمر الدین صاحب نے چند آیات قرآنی نقل کرنے کے بعد ”قضایا امارت شرعیہ میں“ لکھا ہے:

”فإذا ثبت من هذه الآيات أن على الزوج أحد الأمرين إما أن يوفى حقوقها من النفقة والوطء وإما أن يسرحها باحسان فإن لم يفعل أحدهما وجب على القاضى ووالى المسلمين ان يفرق بينهما ان طلبته - إذا لم يكن بد من التفريق اه“ (قضایا امارت شرعیہ جلد اول ص ۱۸۰)۔

اسی طرح در مختار باب العین میں ہے: (فان وطى) مرة فيها (وإلا بانث بالتفريق) من القاضى إن أبى طلاقها (بطلبها) (قوله من القاضى إن أبى طلاقها) أى إن أبى الزوج لأنه وجب عليه التسريح بالاحسان حين عجز عن الامساك بالمعروف فإذا امتنع كان ظالماً فتاب عنه واضيف فعله إليه، اه (الدر المختار مع رد المحتار باب العین ۲، ۵۹۵)۔

مندرجہ تصریحات کی روشنی میں قاضی عورت کے مطالبہ پر شوہر کے طلاق دینے سے

انکار کی صورت میں۔ مجبور ہو کر شوہر کے قائم مقام ہو کر تفریق کا فیصلہ کر سکتا ہے، اور شرعاً قاضی کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا۔

البتہ حاکم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں۔ تفریق کا فیصلہ حجتیر ہوگا یا نہیں تو اس سلسلہ میں ہندوستان میں حضرات علماء و فقہاء کی آراء عموماً عدم اعتبار کی ہے، لیکن مغربی ممالک میں جہاں برصغیر کے باشندے بڑی تعداد میں رہتے ہیں، وہاں کے حالات میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ حاکم غیر مسلم بھی تو حاکم ہے، لہذا ان کے فیصلوں کا بھی اعتبار کیا جانا چاہئے، ایسی صورت میں قابل غور پہلو یہ ہے کہ بعض حضرات کی مذکورہ رائے اور ان کا رجحان شرعاً معتبر ہے یا نہیں اور اس سلسلہ میں اسلامی شریعت نے مسلمانوں کو کیا ہدایت دی ہے، لہذا مندرجہ مسئلہ کی تحقیق کے لئے سب سے پہلے ان مسائل و معاملات کا شرعی حکم لکھا جاتا ہے، جن کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے تعلق رکھنے نہ رکھنے کے سلسلہ میں جواز و عدم جواز کا دائرہ اپنے اندر کتنی وسعت رکھتا ہے۔

سورہ مائدہ کی (آیت ۷۷) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ہزواً ولعباً من الذین اتوا الكتاب من قبلکم و الکفار اولیاء۔“

(اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کا ٹھٹھا کیا ہے اور تمہارے دین کو کھیل کو دیکھا ہے خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو اور کافروں میں سے ہو)۔

مندرجہ آیت اور اس کے علاوہ اور بہت سی آیات کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کافروں سے مواصلات خواہ وہ کسی قسم کے کافر ہوں ہرگز جائز نہیں ہے، مواصلات و ولایت سے ماخوذ ہے، ولایت کے معنی نصرت و مدد، قربت اور دلی دوستی کے ہیں، ان آیات کے ذریعہ مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی کافر کو اپنا رازدار بنا سکیں، ان سے دلی دوستی

رکھیں، اسی طرح کافروں سے اپنے دینی معاملات کا فیصلہ کرانا بھی شرعاً درست نہیں ہے، کیونکہ فیصلہ وہ ہوتا ہے جو ہمدرد ہو، جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو مانتا ہو اور جب کافر اسلامی قانون کو نہ جانتا ہے اور نہ ہی مانتا ہے، تو پھر وہ مسلمانوں کے دینی معاملات کا کیونکر فیصلہ کرے گا۔ اسی لئے تمام علماء نے کسی بھی کافر کو مسلمانوں کا قاضی، دینی معاملات کا متولی اسی طرح مسلمانوں کے دینی معاملات میں کسی کافر کو حاکم و حکم بنانے سے سخت منع کیا ہے، لہذا مندرجہ آیات کی عبارت انص سے یہ مسئلہ بالکل طے ہے کہ مسلمانوں کے دینی معاملات کا فیصلہ اگر کسی کافر نے کیا تو وہ شرعاً نہ معتبر ہوگا اور نہ ہی نافذ العمل ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے جدید فقہی مسائل طبع ہفتم کے ۴۵۲ پر ”غیر مسلم جج کے ذریعہ تنبیح نکاح“ کے زیر عنوان لکھا ہے۔

اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا، فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں صراحتیں موجود ہیں، اس لئے غیر مسلم جج کی طرف سے نکاح فسخ کر دیا جائے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں، اصل یہ ہے کہ ایک بار نکاح کے وجود میں آجانے کے بعد پھر شوہر ہی اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ اس رشتہ کو ختم کرے، لیکن چونکہ قاضی کو مسلمان پر عمومی ولایت حاصل ہے، اس لئے وہ بہ حیثیت ولی عورت سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کر دیتا ہے، اب اس بات پر اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ باپ خدانخواستہ مرتد ہو جائے تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی، خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”لا يتخذ المومنون الكافرين اولياء من دون المومنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء إلا أن تتقوا منهم تقية“۔

(اہل ایمان مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اولیاء نہ بنائیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے یہاں کسی شمار میں نہیں مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ اندیشہ رکھتے ہو) (سورہ آل عمران آیت: ۲۸)۔

لہذا کسی غیر مسلم حج کا نکاح فسخ کر دینا غیر معتبر ہے، اور اگر عدالت اس کا فیصلہ بھی کر دے تو اپنے علاقہ کے قاضی شریعت سے رجوع ہو کر دوبارہ اپنے معاملہ کی تنقیح کرانی چاہئے (جدید فقہی مسائل جلد اول ۵۲، ۵۳)۔

مندرجہ بالا تفصیلات کے پڑھنے سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ غیر مسلم حاکم و حج سے کسی مسلمان کا اپنے دینی معاملات کا فیصلہ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم حج کا فیصلہ مسلمانوں کے دینی معاملات کی بابت شرعاً معتبر نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کرا بھی لیا تو اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرنے سے پہلے کسی مسلمان قاضی یا مسلمانوں کی شرعی پنچایت سے رجوع ہو کر از سر نو فیصلہ کرا کر اس پر عمل درآمد کرے۔

یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کس قسم کے مسائل و معاملات کے فیصلہ کے لئے کسی مسلم قاضی کی ضرورت پڑتی ہے تو اس سلسلہ کی قدرے تفصیل حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمہ کے فتاویٰ کے مجموعہ کفایت المفتی جلد دوم میں مرقوم ہے جس کا ضروری حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے، تاکہ اس طرح کے مسائل کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ مولانا لکھتے ہیں:

۱- آج کل بسا اوقات کسی عورت کا خاوند مفقود ہو جاتا ہے اور عورت بھی نو عمر اور محتاج ہوتی ہے متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے بموجب اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنی طبعی اور مالی مشکلات سے گلو خلاصی کی سبیل بہم پہنچائے لیکن اس کی تکمیل بغیر قاضی مسلم کے فیضہ اور حکم کے نہیں ہو سکتی، ہزاروں عورتیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور موجودہ حکومت کا قانون ان کی مصیبت رفع کرنے کے لئے ناکافی اور قاضی مسلم کا نہ ہونا ان تمام مصائب کا ذمہ دار ہے۔

۲- بہت سی نابالذ لڑکیوں کا نکاح ان کے ولی کر دیتے ہیں نکاح شرعاً درست ہو جاتا ہے، مگر لڑکی کو بلوغ کے وقت اختیار ہوتا ہے، کہ وہ نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کر دے مگر فسخ کے لئے قاضی کا حکم ضروری ہے اور بغیر قاضی شرعی کے حکم کے نکاح منفسخ نہیں ہوتا موجودہ عدالتوں

کے غیر مسلم حاکم اگر فسخ بھی کر دیں تو شرعاً ایسے فسخ کا اعتبار نہیں۔

۳- بہت سے جاہل مسلمان اپنی بیوی پر بیچازنا کی تہمت لگا کر اسے کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ دیتے ہیں، شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ایسی صورت میں اس کا علاج لعان مقرر کیا ہے، لیکن لعان کے لئے قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور بغیر قاضی مسلمان کے لعان کرائے ہوئے اس مشکل کا کوئی حل نہیں۔

۴- اسی طرح کوئی شریف اپنی بیوی کو بدچلتی میں مبتلا پائے اس کی سبیل بھی لعان ہے جس کے لئے قاضی مسلم ضروری ہے۔

۵- اگر کوئی جاہل اپنی ساس کے ساتھ بے حرکت کرے، تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے لیکن ان دونوں میں تفریق قاضی شرعی کر سکتا ہے اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات عورتیں سخت گناہ میں مبتلا رہتی ہیں اور کوئی چارہ کار نہیں پاتیں۔

۶- بہت سی عورتوں کو ان کے خاوند معلقہ کر کے چھوڑ دیتے ہیں نان و نفقہ نہیں دیتے اور کسی طرح راہ راست پر نہیں آتے، ایسے وقت میں شرعاً بعض ائمہ کے مذہب کے موافق قاضی تفریق کر سکتا ہے، لیکن قاضی شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہزاروں عورتیں مبتلائے عذاب ہیں اگر غیر مسلم تفریق کا حکم بھی کر دے تاہم نکاح منفسخ نہیں ہوگا۔

۷- اگر عورت کو مرد نے طلاق نہیں دی ہے مگر عورت نے طلاق دیدینے کا دعویٰ کر دیا اور گواہ پیش کر دئے اور موجودہ عدالت نے طلاق تسلیم کر کے تفریق کا حکم کر دیا، تو یہ حکم شرعی عدالت نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے، البتہ شرعی عدالت ہوتی اور قاضی مسلم یہ حکم کرتا تو درست ہو جاتا اور عورت بعد عدت دوسرا نکاح کر لیتی تو زنا کے گناہ میں گرفتار نہ ہوتی۔

۸- عینین کے معاملہ میں اور مجنون کے معاملہ میں قاضی شرعی کا فیصلہ ضروری ہے، غیر مسلم حاکم اگر نکاح کو فسخ بھی کر دیں جب بھی وہ منفسخ نہیں ہوتا، اور زوجین یا دونوں میں سے ایک

گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۹- رمضان شریف کے چاند دیکھنے اور عید کے چاند دیکھنے کی شہادت قبول کرنا اور صوم یا فطر کا حکم دینا قاضی مسلم کا کام ہے جس کے نہ ہونے سے بہت سے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے مسائل ہیں جن کا شرعی فیصلہ مسلمان قاضی پر موقوف ہے، واللہ اعلم۔ (کفایۃ المفتی جلد دوم کتاب القضاء والافتاء مطبوعہ کراچی ۲۶ ص ۲۶۸)۔

اب تک جو کچھ تحریر کیا گیا اسکے پڑھنے سے جہاں ان مسائل کا اجمالی علم ہو جن کے فیصلہ کے لئے مسلمان قاضی کی ضرورت ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مسائل میں غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً نہ معتبر ہے اور نہ ہی وہ نافذ العمل ہوگا۔

مذکورہ تمہیدی باتوں کے بعد فقہ اکیڈمی کے مسلسل سوالوں کا جواب لکھا جاتا ہے:

شوہر کا غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دینا:

۱- شوہر کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا اختیار دیا ہے، ایسی صورت میں شوہر کا غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دیکر نکاح کو ختم کرانا اور وہ بھی غیر مسلم جج سے ایک لایعنی عمل ہے، البتہ اگر از خود طلاق دینے کی صورت میں خطرہ ہو کہ عورت کے مقدمہ کر دینے کی صورت میں غیر مسلم حکومت کا غیر مسلم جج پریشان کر سکتا ہے تو اپنے بچاؤ کی خاطر بیوی کو طلاق دیکر تفریق تو خود کر دے، البتہ بر بنائے احتیاط اپنے تحفظ کی خاطر غیر مسلم جج کے ذریعہ بھی اپنے فیصلہ کی تائید و توثیق کرائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۲۸ میں وارد الفاظ الا ان تنقوا منهم نفقة میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

عورت کا غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دینا اور مرد کا پیشگی دستخط کر کے عدالت کے فیصلہ کو منظور کرنا:

۲- اگر عورت نے غیر مسلم عدالت میں غیر مسلم جج کے پاس رشتہ نکاح کو ختم کر دینے کی

درخواست دی اور شوہر نے بخوشی عدالت کے فیصلہ کو منظور کرنے کے ثبوت کے لئے دستخط کر دیا اور پھر غیر مسلم جج نے علیحدگی کا فیصلہ کر دیا تو شوہر کے اس دستخط کی حیثیت تحریری طلاق کی ہوگی اگر شوہر اس فیصلہ سے رضامند ہے اور اپنی رضامندی کا اس نے اپنے دستخط کے ذریعہ اظہار کر دیا ہے تو ایسی صورت میں عورت پر ایک طلاق واقع ہوگی، کما قال الفقهاء: الكتاب كالخطاب في حق الغائب والحاضر (ہدایہ جلد چہارم، مسائل شتی) قال فی رد المحتار: ولو قال: اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب (رد المحتار ۲/۲۶۵)۔

عورت کا فسخ نکاح کی درخواست غیر مسلم جج کے پاس دینا اور مرد کا عدالت کے فیصلہ پر رضامند نہ ہونا:

۳- اگر عورت نے غیر مسلم جج کے پاس فسخ نکاح کی درخواست دی اور مرد عدالت میں نہیں آیا یا آیا مگر اس کو عدالت کا فیصلہ منظور نہیں ہے اور نہ ہی اس نے کوئی دستخط کیا ہے تو ایسی صورت میں غیر مسلم جج کا نکاح کو فسخ کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے، اگر عورت مرد سے علیحدہ رہنا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ اگر وہاں کوئی شرعی قاضی ہے تو اس کے پاس درخواست دیکر اپنا نکاح فسخ کرائے اور اگر شرعی قاضی نہیں ہے تو شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے مسلم پنچوں کے ذریعہ اپنا نکاح فسخ کرائے (ملاحظہ ہو جدید فقہی مسائل ۱/۵۳، الخلیفۃ الناجزہ للتھانوی)۔

غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت میں مسلم جج کا فیصلہ فرقت:

غیر مسلم حکومت کی غیر مسلم عدالت میں اگر کوئی جج مسلمان ہے اور اس کو مسلمانوں کے مسائل کا شریعت اسلامی کے مطابق فیصلہ کرنے کا اختیار ملا ہوا ہے، اور وہ کسی عورت کے فسخ نکاح کی درخواست کو سن کر اسلامی شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح کو فسخ کر دیتا ہے تو شرعاً اس کا

فیصلہ فرقت معتبر ہوگا، چنانچہ شامی میں ہے: ”إذا ولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلا شبہة“ (رد المحتار مطلب فی تولیۃ القضاۃ فی بلاد الخ)۔

(جب کسی غیر مسلم حاکم نے کسی مسلمان حج کو مسلمانوں کا قاضی مقرر کیا اور مسلمانوں کو وہ پسند ہو تو بلاشبہ اس کا قاضی بنایا جانا صحیح ہے)۔

جن مسائل و معاملات میں قاضی یا مسلم حاکم کے فیصلہ کی ضرورت پڑتی ہے وہاں تو غیر مسلم حج کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہے، البتہ عام دنیاوی معاملات میں جہاں قضائے قاضی کی ضرورت نہ ہو، غیر مسلم حج کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا محمد جعفر علی رحمانی ☆

۱- اگر شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، اور اس کے بعد عدالت باضابطہ کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے، تو یہ صورت حکیم کی ہے، جو شرعاً درست نہیں، کیوں کہ شرعاً غیر مسلم حج مسلمانوں کا حکم نہیں بن سکتا، لہذا غیر مسلم حج کا فیصلہ بھی غیر معتبر ہوگا۔

ما فی ”القرآن الکریم“ ﴿الم تر إلى الذین یزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إلیک وما أنزل من قبلک یریدون أن یتحاکموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن یکفروا به، ویرید الشیطن أن یضلهم ضلالاً بعيداً﴾ (کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کیا جو دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں، جو آپ پر نازل کی گئی ہے، اور آپ سے ما قبل نازل ہو چکی ہے، (لیکن) چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں (بجائے اس کے کہ اسے شریعت کی عدالت میں لائیں، ماجدی)، حالانکہ انہیں حکم مل چکا ہے کہ اس کے مقابلہ میں کفر اختیار کریں، اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں بھٹکا کر بہت دور دراز لے جائے) (سورۃ النساء: ۶۰)۔

☆ جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا۔

وقوله تعالى أيضا: "فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم" (سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہوں گے جب تک یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہو، آپ کو حکم نہ بنالیں) (سورۃ النساء: ۶۵)۔

ما فی "التفسیر المنیر": كانت الآيات السابقة تنديداً بموقف المنافقين الذين أعرضوا عن التحاكم إلى الرسول وآثروا عليه التحاكم إلى الطاغوت، وهنا أراد الله تعالى تقرير مبدأ عام وهو فرضية طاعة الرسول بل وكل رسول مرسل (شیخ وہبہ زحیلی تفسیر منیر میں فرماتے ہیں کہ آیات سابقہ میں ان منافقین کے موقف کی برائی ظاہر کی گئی ہے جنہوں نے حضور ﷺ کو حکم بنانے سے اعراض کیا اور آپ کے مقابلہ میں طاغوت کو حکم بنانے کا فیصلہ کیا) (۱۳۳/۳)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریابادی فرماتے ہیں: "بعد وفات آپ کی شریعت حکم بننے کے لیے کافی ہے، فقہاء نے اس آیت سے یہ استنباط کیا ہے کہ جو کوئی اللہ یا اس کے رسول کے کسی حکم میں شک و شبہ کرے یا ماننے سے انکار کرے، وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہے"۔ وفي هذه الآية دلالة على أن من رد شيئا من أوامر الله تعالى أو أمر رسول ﷺ فهو خارج من الإسلام، سواء رده من جهة الشك فيه أو من جهة ترك القبول والامتثال من التسليم. "جصاص" (تفسیر ماجدی مع ترجمہ)۔

ما فی "الموسوعة الفقهية الكويتية": شروط المحكم: أن يكون أهلاً لولاية القضاء، وعلى ذلك اتفاق المذاهب الأربعة ومن ذلك: أنه يشترط في المحكم الإسلام إن كان حكماً بين مسلمين، أو كان أحدهما مسلماً (۲۳۷/۱۰)۔

ما فی "تبيين الحقائق للزيلعي" فيشترط فيه (أى في الحكم) ما

يشترط فى القاضى۔ اھ۔ زىلعى۔ (۱۱۸/۵، كتاب القضاء، باب التحكيم، دار الكتب العلمية بيروت)۔
 وما فى ”حاشية الشلبى على التبيين“: (أهله أهل الشهادة)..... قال
 الشلبى: وإنما شرط شرائط الشهادة من الحرية والعقل والبلوغ والعدالة فى
 القضاء لأن القضاء ولاية كالشهادة بل القضاء ولاية عامة، فلما اشترط فى
 الشهادة من الصفات كان اشتراطها فى القضاء أولى اھ۔ (۸۱/۵، كتاب القضاء، الدر
 المختار ج ۸، ۲۳، كتاب القضاء، الفتاوى الهندية: ۳۰۷/۳، كتاب أدب القاضى، الباب الأول..... الخ،
 مكتبة زكريا)۔

وما فى ”الحيلة الناجزة“ ولأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم
 كما هو مصرح فى جميع كتب الفقه..... يعنى کافر مسلمان کے فیصلے کرنے کا مجاز نہیں
 ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں وضاحت ہے۔ (ص ۶۰، مکتبہ رضی دیوبند)۔

وما فى ”نوادير الفقه“: فى الأحكام السلطانية للإمام الماوردى: فلا
 يجوز تقليد القضاء إلا لمن كملت فيه سبع شرائط: الذكورة والبلوغ والعقل
 والحرية والإسلام والعدالة والسلامة فى السمع والبصر والعلم، وأما الإسلام
 فلأن الفاسق المسلم لا يجوز أن يلي فأولى أن لا يلي الكافر..... وفى حاشية
 الأحكام السلطانية: قال الله تعالى: ” ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين
 سبيلاً“ (۲۹۲/۲، کراچی، فتاوى محمودیہ: ۱۳۰/۱۳، باب الفسخ والفرق، فتاوى رحمہ: ۳۷۷/۸، کفایت المفتی:
 ۱۶۶/۶، فتاوى عثمانی: ۳۵۹/۲)۔

۲- اگر عورت غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتی ہے کہ میرا رشتہ ازدواج ختم کر دیا
 جائے، اور عدالت شوہر کو بلا کر اسے دستخط لیتی ہے، کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور
 کارروائی کے بعد علاج کی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، تو یہ صورت بھی تحکیم کی ہے، جو شرعاً درست نہیں

ہے (حوالہ سابق)، کیوں کہ صورتِ اولیٰ میں جب زوجین کی آپسی رضامندی کے باوجود حکیم غیر مسلم حج درست نہیں، تو اس صورت میں جس میں جبراً شوہر سے دستخط لی جاتی ہے، بدرجہ اولیٰ حکیم غیر مسلم درست نہیں۔

ما فی ”الفتاویٰ الہندیۃ“ رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة فكتب امرأته فلانة بنت فلان طالق لا تطلق، كذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ (۱/۳۷۹، کتاب الطلاق، الفصل السادس فی الطلاق بالکتبۃ)۔

ما فی ”رد المحتار مع الدر المختار“ وفي البحر أن المراد الإكراه على التلطف بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق، لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا (۴/۴۰۰، کتاب الطلاق، مطلب فی الإكراه على التوكيل بالطلاق) (فتاویٰ رحمیہ: ۳۰۹/۸، فتاویٰ مفتی محمود ۸۲/۶)۔

۳- عورت نے عدالت میں درخواست دی، مگر شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو شرعاً فرقت واقع نہیں ہوگی، کیونکہ شرعاً طلاق کا حق مرد کو حاصل ہے نہ کہ عورت کو، جیسا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ”طلاق کا مالک وہ شخص ہے جس نے ساق یعنی پنڈلی کو لازم پکڑا“۔

(۴) ما فی القرآن الکریم: ”لا جناح علیکم ان تطلقتم النساء مالم تمشوهن أو تفرضوا لهن فريضة“ (تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا اور نہ ان کے لیے مہر مقرر کیا طلاق دے دو) (سورۃ البقرہ ۲۳۶)۔

ما فی ”أصول الشاشی“: قال صاحب أصول الشاشی: وظاهر فی استبداد الزوج بالطلاق۔ (ص: ۲۲، فصل فی الاستجابات، مکتبہ بلال بکڑ پورہ دہلی)۔

ما فی ”السنن لابن ماجہ“ عن عكرمة عن ابن عباس قال: ”أتى النبی

عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! سِيدِي زَوْجِنِي أُمَّتَهُ وَهُوَ يَرِيدُ أَنْ يَفْرُقَ بَيْنِي وَبَيْنَهَا، قَالَ: فَصَعِدَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ الْمَنْبِرَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ مَا بَالُ أَحَدِكُمْ يَزُوجُ عَبْدَهُ مِنْ أُمَّتِهِ ثُمَّ يَرِيدُ أَنْ يَفْرُقَ بَيْنَهُمَا، إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ“ (۱۵۱/۱)، باب طلاق العبد، مکتبہ بلال دیوبند، فتح القدر ۳/۶۲۳، کتاب الطلاق، فصل یتفق طلاق کل زوج اهدار (الکتب العلمیۃ بیروت)۔

ما فی ”إنجاح الحاجة علی هامش ابن ماجه“ قوله: ”إنما الطلاق لمن أخذ بالساق“ كناية عن الجماع أى إنما يملك الطلاق من يملك الجماع، فليس للسيد جبر علی عبده إذا أنکح أُمَّتَهُ۔ (۱۵۱/۱)۔

ما فی ”فقه السنة لسيد سابق“: جعل الإسلام الطلاق من حق الرجل وحده۔ (۲۸۲/۲)، کتاب الطلاق، الطلاق من حق الرجل وحده، الفتح للإعلام العربی القاہرہ)۔

وما فی ”الدر المنثور للسيوطی“ وأخرج عبد بن حميد وابن أبي حاتم عن أبي مالك: ”وللرجال عليهن درجة“ قال: يطلقها وليس لها من الأمر شيء۔ (۳۹۳/۱)، سورة البقرة / الآية: ۲۲۸، دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

وما فی ”التفسير الكبير للرازی“: والسابع: أن الزوج قادر علی تطليقها، وإذا طلقها فهو قادر علی مراجعتها، شاءت المرأة أم أبت، أما المرأة فلا تقدر علی تطليق الزوج، وبعد الطلاق لا تقدر علی مراجعة الزوج، ولا تقدر أيضا علی أن تمنع الزوج من المراجعة۔ (۳۳۱/۲)، مکتبہ علوم اسلامیہ لاہور، امتحانات نظام الفتاویٰ ۲۳۵/۲، فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۱۷۰)۔

۴۔ اگر غیر مسلم حکومت و غیر مسلم عدالت نے کسی مسلمان کو حج پناہ، اور اسے عمومی فرائض منصبی کے تحت فتح و تفریق کا کام بھی سونپا ہو، تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جائے گی۔

فناوی رجیمہ میں ہے: ”جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم حج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو، اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے، تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے“ (۳۸۳/۸، کفایت المفتی ۱۳۰۶/۶، الخلیفۃ الناجزۃ ص ۶، مکتبہ رضی دیوبند)

”وما فی الدر المختار“ ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کافراً“ (ص ۳۶۵، کتاب القضاء، دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

نیز اس صورت میں اس کا فیصلہ فرقت بھی معتبر ہوگا، بشرطیکہ وہ شرعی بنیادوں پر مبنی ہو، کیوں کہ ایسا قاضی و حاکم جس کو مسلم حکومت عہدہ قضاء پر فائز کرے، اور وہ غیر شرعی فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ و معتبر نہیں ہوتا، تو جس قاضی و حاکم کو غیر مسلم حکومت و عدالت نسخ و تفریق کا کام سونپے اور وہ غیر شرعی بنیادوں پر فیصلہ کرے، تو اس کا فیصلہ بھی بدرجہ اولیٰ نافذ و معتبر نہیں ہوگا، جیسا کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ جب مخالف اجماع کسی شئی کا فیصلہ کیا جائے تو وہ نافذ نہیں ہوتا ہے۔

”ما فی قواعد الفقہ“ إذ قضی بشئ مخالف للإجماع لا ینفذ“ (ص ۵۷، قاعدہ نمبر: ۲۳)۔

اجماع دلائل شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے، اور اس کے خلاف فیصلہ نافذ و معتبر نہیں ہوتا، اور اس عدم اعتبار و عدم نفاذ کی علت ”اس فیصلہ کا غیر شرعی اصولوں پر مبنی ہونا ہے“، تو ہر ایسا فیصلہ جو غیر شرعی بنیادوں پر مبنی ہو وہ بھی نافذ و معتبر نہیں ہوگا، نیز فقہ کا یہ قاعدہ ہے: کہ جو چیز فاسد پر مبنی ہو وہ خود بھی فاسد ہوتی ہے، اور جس چیز کی اساس و بنیاد صحیح ہو وہ خود بھی صحیح ہوتی ہے۔

”ما فی موسوعۃ قواعد الفقہیۃ“: المبنی علی الفاسد فاسد ما بنی علی فاسد أو باطل فهو فاسد و باطل و ذلک فی التصرفات القویۃ والعقود، وما کان أساسه صحیحاً کان صحیحاً“ (۳۳۹/۹)۔

غیر مسلم ممالک میں عدالتوں کی طلاق

☆ مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

اسلامی شریعت کا مرجع و اساس کتاب اللہ اور سنت رسول ہیں، اور کسی بھی امر میں تنازع کے وقت ان ہی کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

”يا ايها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم فإن تنازعتم في شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر، ذلك خير وأحسن تأويلاً“ (النساء: ۵۹)۔

(اے لوگو! جو ایمان لے آئے، اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اور حاکموں کی جو تم میں سے ہیں ان کی اطاعت کرو، اور اگر تم کسی چیز میں اختلاف کر بیٹھو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹو، اگر تم اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے اور اچھا ہے انجام کے اعتبار سے)۔

کیونکہ کتاب و سنت کے ذریعہ اللہ کا حکم معلوم ہوتا ہے، اور اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنا (یا نہ چاہنا) فسق و ظلم اور کفر کا کام بتایا گیا ہے، ”ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الفاسقون“ نیز ایک آیت کریمہ میں یہ ارشاد ہے:

”فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في أنفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليماً“ (نساء: ۶۵)۔

☆ محلہ رگھوناتھ پورہ، بنوں۔

(تو قسم ہے آپ کے رب کی وہ مومن نہیں ہوں گے یہاں تک کہ آپ کو حکم اور منصف بنائیں اس جھگڑے میں جو ان کے درمیان پیدا ہو، پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور تسلیم کر لیں اس کو پورے طور پر)۔

اللہ اور رسول یعنی کتاب و سنت کے ذریعہ کسی امر میں فیصلہ ہو جائے تو پھر کسی مومن مرد یا عورت کو اب اس میں اپنا کوئی اختیار نہیں رہتا، نیز اللہ اور رسول کے فیصلہ کو نظر انداز کر کے اپنا اختیار چلانا معصیت و گناہ ہے، اور گمراہی و ضلالت ہے جیسا کہ سورہ احزاب آیت ۳۶ کے مضمون سے پتہ چلتا ہے۔

لہذا اہل ایمان کے مابین جب بھی کسی امر میں نزاع اور مشاجرت پیدا ہو، اور اس کے لئے کسی حکم یا حج کی ضرورت پیش آئے تو انہیں اپنا معاملہ غیر مسلم عدالت میں لے جانے سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ فیصلہ کرنا یہ بھی ایک طرح کی ولایت ہے اور کسی غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں، قاضی یا حکم ہونے کے لئے اسلامی شریعت میں کچھ قیود و شرائط ہیں جن کا پایا جانا ضروری ہے:

”ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة“
(ہدایہ ۱۱۳/۳)۔

(اور قاضی کی ولایت درست نہیں ہوگی یہاں تک کہ قاضی مقرر کئے گئے شخص کے اندر شہادت کی شرائط جمع پائی جائیں)۔

”وحاصله: أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل، والبلوغ، والحرية، وعدم العمى والحد في القذف شروط لصحة توليته، ولصحة حكمه بعدها ومقتضاه أن تقليدا لكافر لا يصح“ (شای ۲۳/۸)۔

(اور اس کا حاصل یہ ہے کہ شہادت کی شرائط یعنی مسلمان ہونا، عاقل ہونا، بالغ ہونا، آزاد ہونا، اور اندھانہ ہونا، محدود فی القذف نہ ہونا قاضی کی تقرری کے صحیح ہونے کے لئے شرط

ہیں، نیز اس کے بعد اس کے فیصلہ کے صحیح ہونے کے لئے بھی، اور اس کا مقتضایہ ہے کہ کافر کو یہ منصب دینا صحیح نہیں ہوگا۔

اسی طرح غیر مسلم کو حکم بنانا بھی درست نہیں، اس کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو قاضی کے لئے ہیں:

”ولا يجوز تحكيم الكافر والعبد والذمي والمحدود في القذف والفسق والصبى لانعدام اهلية القضاء“ (ہدایہ ۱۴۷/۳)۔

(اور حکم بنانا جائز نہیں کافر کو، غلام کو، ذمی کو، محدود فی القذف کو اور فاسق کو، اور نابالغ کو، قضا کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے)۔

لہذا رشتہ نکاح سے متعلق امور میں زوجین کو اپنے نزاع غیر مسلم ممالک میں عدالتوں تک لے جانے سے اجتناب کرنا چاہئے، اور ان ممالک میں جن میں کفار و مشرکین کا غلبہ ہو، مسلمانوں کو اپنی ایک پنچایت بنا لینی چاہئے، اور باہمی اتفاق سے اپنا کوئی سربراہ اور امیر مقرر کر لینا چاہئے جو ان سب امور میں ان کے درمیان فیصلہ کر سکے، علامہ ابن الہمام فتح القدر میں لکھتے ہیں:

”يجب عليهم أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضياً أو يكون هو الذى يقضى بينهم وكذا ينصبوا لهم إماماً يصلى بهم الجمعة“ (۳۶۵/۶)۔

(مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے میں سے کسی ایک پر اتفاق کر لیں اور اسے والی بنا لیں، جو قاضی کو مقرر کرے یا وہ خود ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے، ایسے ہی کسی کو امام بنا لیں جو انہیں جمعہ کی نماز پڑھائے)۔

فتح القدر کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ نہر کے حوالہ سے لکھتے ہیں: (شامی ۳۳/۸)۔

”و هذا هو الذى تطمنن النفس إليه فليعتمد، نهر“۔

(اور یہی وہ رائے ہے جس پر نفس مطمئن ہوتا ہے لہذا اس پر اعتماد کیا جائے)، اس تمہید کے بعد یہ عرض ہے کہ:

۱- اگر شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، اور اس کے بعد عدالت، ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے تو محض عدالت کے فیصلہ کی وجہ سے عورت مطلقہ نہیں ہوگی جب تک شوہر خود طلاق نہ دے، اور عدالت میں اسکی یہ درخواست تفویض نہیں مانی جائے گی۔

۲- عورت عدالت میں درخواست دے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے اور عدالت کی طلب پر شوہر بھی دستخط کر دیتا ہے کہ جو فیصلہ ہوگا منظور ہوگا، یہ تحکیم کی صورت ہوگی، اور غیر مسلم کو حکم بنانا درست نہیں ہے، کیونکہ حکم کے اندر وہ اہلیت پائی جانی چاہئے، جو گواہی کے لئے ہے اور غیر مسلم اسی اہلیت سے محروم ہے، اس لئے اس کا فیصلہ اثر انداز نہیں ہوگا، اس کے فیصلہ سے دونوں میں فرقت اور طلاق نہیں ہوگی، شوہر اسے طلاق دینے پر راضی ہے تو خود اپنے الفاظ سے طلاق دے۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا مگر وہ دستخط پر تیار نہیں ہوا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو معتبر نہیں ہوگا، اور طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ غیر مسلم کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں۔

ایسے ہی ایک مسئلہ میں کہ عورت نے کنیڈا میں کورٹ میں درخواست دی کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی، مگر شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، اسی لئے اس نے کورٹ میں دستخط نہیں کئے اس کے جواب میں مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لکھتے ہیں:

”کورٹ نے عورت کی درخواست پر فسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس سے نہ نکاح فسخ ہوگا، اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی، اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے۔ اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم حج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے یا پھر دیندار مسلمانوں کی شرعی پنچایت (جماعت مسلمین) جس میں کم از کم ایک دو مستند عالم بھی ہوں یہ پنچایت شرعی تحقیق کے بعد فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوتا ہے، غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہوتا۔

لہذا صورت مسؤلہ میں عورت یا تو شوہر سے طلاق حاصل کرے، اگر وہ انکار کرے تو خلع کرے، یا پھر شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کرے“ (فتاویٰ رحمیہ ۲۰۱۸/۴)۔

عورت کے مطلقہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر خود زبانی طلاق دے یا خود کوئی تحریر لکھے، یا پھر کسی کو وکیل بنائے، یا شرعی قاضی یا حکم اس کے طلاق کا فیصلہ کرے، غیر مسلم عدالت میں غیر مسلم قاضی پر شرعی قاضی کا اطلاق نہیں ہوگا۔

۴- غیر مسلم عدالت میں کوئی مسلمان حج ہے، اور وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے، تو اس کے فیصلہ فرقت سے دونوں کے درمیان تفریق ہو جائے گی، کیونکہ غیر مسلم حاکم کا مسلمان شخص کو حج اور قاضی بنانا درست اور جائز ہے۔

”وبجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافراً“ (در مختار

- ۲۳/۸)

(اور عادل حاکم و ظالم حکمراں اگرچہ وہ کافر ہو اس کی طرف سے قاضی مقرر ہونا جائز

ہے)۔

”ولکن إذا ولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیته بلاشبہ، تأمل، ثم إن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حکم سلطان، بل لهم امیر منهم مستقل بالحکم علیہم بالتغلب أو باتفاقہم علیہ یكون ذلك الأمیر فی حکم السلطان فیصح منه تولیة القاضی علیہم“ (شامی ۸/۳۳)۔

(لیکن جب کافر حکمران ان پر کسی کو قاضی مقرر کر دے اور مسلمان اس سے راضی ہو تو تقرری کرنا، بلاشبہ درست ہوگا، پھر ظاہر یہ ہے کہ وہ ممالک جو کسی سلطان کے ماتحت نہیں ہیں، بلکہ ان پر انکا اپنا کوئی مستقل حاکم ہے، غلبہ پا کر یا ان کے اس اتفاق کر لینے کی وجہ سے تو یہ امیر سلطان کے حکم میں ہوگا، اور اس کا ان پر قاضی مقرر کرنا درست ہوگا)۔

۵- وہ امور جو مسلمانوں کے مابین خاص ہیں، اور وہ معاملات غیر مسلم کے ساتھ درست نہیں مثلاً نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ امور ان میں غیر مسلم حجج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔



غیر مسلم ممالک میں آباد ہونے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور ان کے حق میں غیر مسلم حکام کے فیصلے

مفتی محمد اقبال ٹیکاروی ☆

اسلام ایک جامع اور آفاقی دین ہے۔ اس میں انسان کی رہنمائی ہر اعتبار سے ہے، اس کی افادیت روز روشن کی طرح عیاں ہے، اس دین میں اجتماعی نظام کی بڑی اہمیت ہے، جہاں ”واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا“ کا حکم الہی ہے وہیں حضرت عمرؓ کا قول ”لا اسلام الا بجماعة، ولا امارة الا بطاعة“ ہے، اسی اجتماعیت کے لئے ”اولوالامر“ کی اطاعت کو فرض کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں فریقین کے نزاعات کو حل کرنے کے لئے عدل و انصاف قائم کر کے حقوق کی حفاظت اور اسلامی شریعت کے احکام کی تنفیذ کا حکم دیا گیا ہے؛ کیوں کہ قانون کو زندگی میں نافذ کر کے ہی ہم قیام عدل کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں، اور ”مشینری“ جو اللہ کی شریعت کو انسانوں پر نافذ کرتی ہے اور ان کے باہمی تنازعات کو خدا کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ کرتی ہے، شریعت کی اصطلاح میں اسے ”قضاء“ کہتے ہیں اور جو شخص اس منصب پر فائز ہو اسے ”قاضی، کہتے ہیں۔

چوں کہ سوال نامہ کا یہ شق ”غیر مسلم حاکم اور منج کے اختیارات مسلمانوں کے حق میں“ جیسے مضامین سے متعلق ہے، اس مناسبت سے یہاں ”اولوالامر“ سے مراد شرعی حاکموں کی

☆ مہتمم دارالعلوم اسلامیہ عربیہ ماہی والا، بھروچ، گجرات، الہند۔

صفات، حاکم شرعی، قاضی شرعی کی صفات، مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں، تفویض طلاق، خلع کی تعریف اور شکلیں اور غیر مسلم حاکم کے اختیارات مسلمانوں کے حق میں، جیسے عنادین پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اولوالامر:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور ”اولوالامر“ کی اطاعت امت پر فرض اور ضروری قرار دیا ہے ”اولوالامر“ سے امیر المؤمنین اور اس کے نائبین قضاة شرعی مراد ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”يا أيها الذين آمنوا اطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم“

(اے ایمان والو! اللہ اور رسول اور اولوالامر کی اطاعت کرو) (نساء: ۵۹)۔

صاحب موسوعہ ”اولوالامر“ کی مراد کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وأصح القول الواردة في المراد بأولى الأمر قولان: الأول أصل القرآن والعلم وهو اختيار مالك ونحوه قالوا: هم الفقهاء والعلماء في الدين۔

الثاني: هو أولى الأقوال بالصواب هم الامراء والولاة ويشتمل أمراء المسلمين في عهد الرسول وبعده، ويندرج فيهم الخلفاء والسلاطين والأمراء والقضاة وغيره ممن له ولاية عامة“ (موسوعہ: ۱۸۹/۶)۔

”اولوالامر“ کے سلسلہ میں دو صحیح اقوال منقول ہیں: (۱) اس سے اہل قرآن اور اہل علم مراد ہیں، اسی کو حضرت امام مالکؒ نے پسند کیا ہے، بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس سے فقہاء اور علماء مراد ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے امراء، ولاة مراد ہیں، اور اس میں خلفاء، سلاطین،

امراء، قضاة اور وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہیں ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔
مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں: ”اولو الامر“ سے مراد خلفاء اسلام (یعنی مسلمان حکام
مراد) ہیں ”ومنکم“ اس کی کھلی دلیل ہے (اسلامی حکومت و دستور مملکت: ۱۰۲)۔
حکمین شرعی کی صفات:

اگر میاں بیوی میں اختلاف اور کشیدگی بڑھ جائے اور بظاہر میل و ملاپ کی کوئی صورت
نظر نہ آئے تو ایسے نازک موڑ پر دونوں کی طرف سے دوائیے (حکمین) مقرر کرنے کی ترغیب
ہے جو تصفیہ کی لیاقت رکھتے ہوں۔

”وإن خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكماً من أهله و حكماً من أهلها، إن
يريدا إصلاحاً يوفق الله بينهما“ (نساء: ۳۵)۔

(اگر تم دونوں (میاں بیوی میں) کشیدگی کا اندیشہ ہو تو تم لوگ میاں بیوی دونوں کے
اہل سے ایک حکم کو بھیجو؛ اگر وہ مصالحت چاہیں گے، اللہ تعالیٰ ان دونوں کے مابین موافقت
پیدا کر دے گا)۔

حکمین کے سلسلہ میں صاحب قرطبی رقمطراز ہیں:

”والحكمان لا يكونان إلا من أهل الرجل والمرأة ويكونان
من أهل العدالة وحسن النظر والبصيرة في الفقه“ (۱۵۳/۳)۔

(دونوں حکم میاں بیوی کے اہل سے ہوں، اور دونوں عادل اور فقہ میں گہری نظر اور
بصیرت رکھتے ہوں)۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صاحب قرطبی نے حکمین کے لئے جن تین صفات کا
حامل ہونا ضروری قرار دیا ہے مسلمان کے علاوہ غیر مسلم حاکم میں ہونا ناممکن ہی نہیں بلکہ محال
ہے؛ لہذا غیر مسلم کو حاکم بنانا اور قاضی شریعت کا اختیار دینا اور انکے فیصلے کو مسلمانوں کے حق میں

معتبر مانا درجہ ذیل وجوہ سے صحیح نہیں ہے:

۱- غیر مسلم حاکم دینی علوم، اصول قضاء، اور مسلم پرسنل لا (یعنی مسلمانوں کے عائلی مسائل) سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں۔

۲- اس کے دل میں نہ خوف خدا ہوتا ہے، نہ منصب قضاء کی اہمیت ہوتی ہے؛ اس لئے وہ فریقین کے نزاعات کو حل کرنے میں عدل و انصاف کا معاملہ کرنے کے بجائے عام طور پر اتباع نفس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔

مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں: یورپ کے ممالک میں انگریزی کا غلبہ ہے وہاں نہ ادب ہے، نہ خلوص و مروت، نہ سادگی، ہر شخص فرعون بے سامان نظر آتا ہے (اسلامی حکومت دستور مملکت ر ۸۳)۔

اس لئے غیر مسلم حاکم کو مسلمانوں کے عائلی مسائل میں خاص طور پر فیصلہ کا اختیار نہیں ہوگا؛ اگر کوئی غیر مسلم عدالت دو مسلمان میاں بیوی کے معاملہ میں تفریق کا حکم جاری کرے، یا کسی کا نکاح فسخ کر دے، یا کسی کو طلاق دلوادے، تو ان میں سے کوئی بھی شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔ چنانچہ ڈاکٹر وہب زہیلی لکھتے ہیں:

”لأن القضاء ولاية ولا ولاية لغير المسلم على المسلم فلا تقبل شهادته عليه لقوله تعالى: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً﴾ وأجاز أبو حنيفة تقليد غير المسلم القضاء بين أهل دينه“۔

(یقیناً قضاء ایک ولایت ہے، غیر مسلم کو مسلمانوں کے خلاف ولایت درست نہیں، اسی وجہ سے اس کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جاتی۔ اللہ تعالیٰ کا قول: ”اللہ تعالیٰ نے کافر کو مؤمنین کے خلاف کوئی حق نہیں دیا ہے“) (الفقه الاسلامی وادلہ ۶/۷۴۳)۔

اور قرآن وحدیث میں جہاں بھی فریقین کے نزاعات کو حل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ہر جگہ اس کے مخاطب انبیاء کرام، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، دین کے فقہاء اور علماء ہیں جنہیں

— ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے، حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین کا خلیفہ بنایا، اور لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد الہی ہے:

”یاد اؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الأرض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الہوی فیضلک عن سبیل اللہ“ (سورہ ص: ۲۶)۔

(اے داؤد ہم نے بنایا تجھے نائب ملک میں، فیصلہ کر لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ اور نہ چل خواہش نفس پر کہ وہ تجھ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے)۔

دوسری جگہ پر رسول اللہ ﷺ کو حق کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

”وأنزلنا إلیک الکتاب بالحق فاحکم بینہم بما أنزل اللہ ولا تتبع أهواءہم“ (مائدہ: ۴۸)۔

(اور تجھ پر ہم نے سچی کتاب اتاری ہے تو ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کر جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خوشی پر مت کر)۔

”وإذا حکمتہم بین الناس أن تحکموا بالعدل“ (نساء: ۵۹)۔

(اور جب آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے مطابق فیصلہ کریں)۔

حاکم شرعی اور قاضی کی صفات:

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: حاکم شرعی اور قاضی کے لئے جن صفات کا ہونا ضروری ہیں ان میں ایک مسلمان بھی ہے۔

”الصلاحیۃ للقضاء لها شرائط، منها العقل، ومنها الاسلام، ومنها الحریۃ“ (بدائع: ۳۰۷۹/۹)۔

(اہل قضاء کے لئے چند شرطیں ہیں ان میں سے صاحب عقل، مسلمان اور آزاد ہونا

ہے)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

”إعلم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم يصح قضاءه على المسلم حال

كفره“ (رد المحتار ۳/۳۱۳)۔

(جان لو! کافر کو قاضی بنانا درست ہے؛ لیکن ان کا مسلمانوں کے خلاف قاضی بنانا صحیح

نہیں ہے)۔

صاحب موسوعہ قلمبند کرتے ہیں:

”الإسلام هو أحد الشروط التي يشترطها الفقهاء فيمن تقلد القضاء

فلا يجوز تولية الكافر لقوله تعالى: ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين

سبيلاً“ (سورہ نساء، ۱۲، موسوعہ ۲۵۹/۳۳)۔

(جس شخص کو منصب قضاء پر فائز کیا جائے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے، فقہاء کے مقرر

کردہ شرطوں میں سے ایک یہ بھی شرط ہے؛ لہذا کافر کو حاکم (قاضی) بنانا مسلمان کے حق میں

درست نہیں)۔

دوسری جگہ پر صاحب موسوعہ لکھتے ہیں:

”شرط الفقهاء لصحة تولية القاضى شرطاً معيناً ويتفقون فيما بينهم

على اشتراط كون القاضى مسلماً، عاقلاً، بالغاً، حراً“ (موسوعہ ۲۹۱/۳۳)۔

ڈاکٹر وہب زحلی رقمطراز ہیں:

”القضاء ولاية عامة أما الشروط المتفق عليها بين أئمة

المذاهب فهي أن يكون القاضى عاقلاً، بالغاً، حراً، مسلماً، سميماً، بصيراً،

عالماً بالأحكام الشرعية“ (الفقه الإسلامي وأدولتہ: ۷۳/۶)۔

(قضاء ایک ولایت عام ہے..... جن شرطوں پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے وہ یہ ہیں: قاضی

کے لئے عاقل، بالغ، آزاد، مسلمان، سامع، بصیر اور احکام شرعی کو جاننے والا ہونا ضروری ہے)۔

غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی ذمہ داریاں:

قرآن وحدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی پیروی اور باہمی نزاعات میں قانون الہی کو فیصل قرار دینے کا مطالبہ صرف ان مسلمانوں سے نہیں ہے جو مسلم اکثریتی ممالک میں آباد ہوں؛ بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں سے ہے، خواہ وہ کسی بھی ملک اور خطہ ارض میں رہتے ہوں، خواہ وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، اس لئے ہر ملک کے مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے نزاعات کا فیصلہ اور تصفیہ کرانے کے لئے نظام قضاء قائم کریں، اور قاضی کے فیصلوں کو بسر و چشم تسلیم کریں، سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے مکتوب میں سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کو تحریر فرمایا کہ قضاء محکم فریضہ اور قابل تقلید سنت ہے۔

”إن القضاء فریضة محكمة وسنة متبعة“ (سنن کبریٰ ۱۰/۱۸۲)۔

(قضاء محکم فریضہ اور قابل تقلید سنت ہے) (بدائع ۷/۹)۔

وأما بلاد عليه ولاية كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد
وبصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا
مسلمًا منهم“ (رد المحتار ۸/۴۳)۔

مسلمانوں کی زندگی میں بالخصوص ان کے معاشرتی مسائل میں بہت سے ایسے ایسے امور ہیں جن کا فیصلہ قاضی ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، مثلاً اگر حرمت مصاہرت کی صورت پیدا ہو جائے یا نکاح کے بعد رضاعت کا علم ہو اور ان دونوں صورتوں میں شوہر ازدواجی تعلقات ختم کرنے پر تیار نہ ہو یا عورت خیار بلوغ کا حق استعمال کرنا چاہے یا مفقود الخیر شخص کی بیوی اپنا نکاح ختم کرنا چاہے، ان تمام شکلوں میں قضاء قاضی کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ورنہ معاشرہ بدترین گناہوں کا گھر بن جائے گا۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی کم از کم ایک تہائی تعداد ان ملکوں میں آباد ہے جہاں زمام

حکومت دوسروں کے ہاتھ میں ہے، جیسے برطانیہ وغیرہ وہاں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے رہ رہے ہیں، پھر بھی ان میں اس بات کی کیسے گنجائش ہوگی کہ وہ لوگ اسلام کے عدالتی نظام کی خوبیوں اور برکتوں سے محروم رہیں، اور اپنے نزاعات کا تصفیہ غیر مسلم عدالت سے کرائیں؟ جس شخص کی بھی کتاب و سنت، مقاصد شریعت اور فقہاء کی تصریحات پر نظر ہوتی ہے وہ بلا تامل یہی جواب دے گا کہ اسلام کے نظام عدل سے محرومی اور نظام قضاء سے روگردانی کسی ملک کے مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ایسے ممالک کے مسلمانوں پر قیام قضا شرعاً واجب ہے؛ تاکہ وہ اپنی جماعت میں سے ایک شخص کو ولی بنا لے، ولی ان کے لئے قاضی مقرر کرے یا خود ہی عہدہ قضاء کی خدمت انجام دے اور مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلہ کرے جیسا کہ طحاوی میں ہے:

”قال فی مجمع الفتاوی: غلب علی المسلمین ولایة الکفار یجوز للمسلمین إقامة الجمعة والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین، ویجب علیهم أن یلتمسوا وایا مسلما (حاویہ الطحاوی، الدر المختار باب الجمعة ۳۹۱)۔“

(مجمع الفتاوی میں ہے (کہ ایسی صورت میں کہ) مسلمانوں پر کفار کے حکام غالب ہو گئے ہوں (یعنی حکومت کافرہ قائم ہو گئی ہو) تو مسلمانوں کو (ایسے مقام) پر جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے (اور اس وقت مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوگا اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ ولی کی جستجو کریں)۔

بہر حال محکمہ قضاء ہی وہ محکمہ ہے جس کے ذریعہ خالق کی شریعت مخلوق پر نافذ ہوتی ہے، اس لئے ”یہ مصالح المسلمین“ کا وہ اہم شعبہ ہے جس سے مسلم آبادی کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

صاحب مبسوط لکھتے ہیں:

إعلم بأن القضاء بالحق من أقوى الفرائض بعد الإيمان بالله تعالى؛

و هو من أشرف العبادات لأجله أثبت الله تعالى آدم عليه السلام إسم الخلافة وأثبت ذلك لداود عليه السلام (المسوط ۱۶/۶۰، ۶۱)۔

غیر مسلم عدالتوں اور حکام کے فیصلے کا اعتبار مسلمانوں کے حق میں:

اوپر حاکم شرعی اور حاکم غیر شرعی دونوں کی صفات، دونوں میں فرق، مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داریاں جیسے مضامین کی قرآن و حدیث اور فقہاء کے اصول کی روشنی میں مختصر اوضاحت کی گئی ہے، اس کی روشنی میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ہر جگہ حاکم، حکمین اور امیر اور قاضی سے مراد امیر شرعی اور قاضی شرعی ہیں، ”جنہیں امامت کبریٰ اور ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے“ اور ان ہی کا اختیار اور فیصلے مسلمانوں کے حق میں معتبر ہیں، اور غیر مسلم حاکم کے فیصلے مسلمانوں کے حق میں شرعاً معتبر نہیں، البتہ وہ ممالک جہاں غیر مسلم حاکم ہیں، حکومت کا باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں ہے، مسلمان وہاں اقلیت میں ہیں اور حکومتی اعتبار سے مسلمانوں کا کوئی وزن نہیں نہ اقلیت کے مذہبی قوانین کا کوئی پاس و لحاظ ہے، ایسے حالات میں مسلمانوں کے پرسنل لا (یعنی عائلی مسائل نکاح، طلاق، خلع، وقف، ہبہ، وراثت، وصیت وغیرہ) جیسے مسائل میں (جہاں قضائے قاضی ضروری ہے) مسلمان اپنے شرعی حاکم کے فیصلے کے مطابق ہی عمل کریں گے، البتہ اس کے علاوہ (Dreminal Code) میں اسے حکومت کے فیصلے کے مطابق عمل کی گنجائش ہوگی۔

تفویض کی تعریف:

جس طرح مرد کو طلاق کا اختیار ہے، اسی طرح وہ اپنا اختیار دوسروں کو سونپ سکتا ہے اگر اس نے یہ اختیار اپنی بیوی کو دیا کہ وہ اپنی طرف سے اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا کسی اور شخص کو اس بات کا اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اس کی بیوی کو طلاق دیدے تو یہ تفویض ہے۔

لیکن اگر کسی دوسرے عاقل بالغ کو طلاق دینے کا حکم دے اور اس کے اختیار پر نہ

چھوڑے تو یہ توکیل ہے؛ یہ سپردگی اگر طلاق کے لفظ کے ساتھ ہے تو تفویض و توکیل صریح ہوگی اور اگر ایسے لفظ کے ساتھ ہے جو طلاق کے لئے صریح نہیں ہے تو اس میں شوہر کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

”فالتفویض مما یوقعه غیرہ باذنه و أنواع ما یوقعه الغیر ثلاثۃ“ (النفق الجہنی ثوبہ اجدید ۱۷۳/۲)۔

اگر دوسرا شخص کسی مرد کی اجازت سے اس کی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو یہ تفویض ہے اس کی تین قسمیں ہیں: تفویض، توکیل اور رسالہ۔
علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

”أن یکون ذلک بمباشرة الزوج بنفسه بطریق الإصالة أو بغیره باذنه أو أمره وذلک نوعان: توکیل و تفویض، أما التفویض فنحو قول الرجل لامرأته: أمرک بیدک، إختاری، أنت طالق إن شئت (بدائع الصنائع ۱۱۲/۳-۱۱۳)۔

(قال لها: إختاری أو أمرک بیدک ینوی) تفویض (الطلاق) لأنهما کنایة فلا یعملان بلانیة (درمختار ۲/۶۵۳ علی ہاشم رد المحتار تفویض الطلاق)۔
تفویض اور توکیل میں فرق:

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو ہمیشہ کے لئے اختیار نہیں دیا اور کوئی مدت متعین نہیں کی تو ایسی صورت میں اسی مجلس تک عورت کو رد اور قبول کا اختیار رہے گا۔
لیکن اگر اس نے کسی کو توکیل بنایا تو جب تک اسے وکالت سے معزول نہیں کرے گا، اس وقت تک طلاق دینے کا اختیار وکیل کو رہے گا۔

تفویض طلاق مجلس تفویض تک محدود رہتی ہے، اگر عورت اس مجلس سے کھڑی ہوگئی یا کسی کام میں مشغول ہوگئی تو یہ اعمال تفویض کے رد پر دلالت کریں گے؛ مگر توکیل مجلس کے بعد

بھی باقی رہتی ہے، اسی طرح تفویض میں رجوع جائز نہیں؛ لیکن توکیل میں جائز ہے۔

”ومثل التفویض فی الحکم، قوله لها: امرک بیدک فتشترط له النية ويتقيد بمجلس التفویض ولا یملک الزوج الرجوع عنه ویبطل تفویضها بقیامها عن المجلس أو فعلها۔ بتفویض الطلاق“ (الفقہ الحنفی فی تہجد ۱/۲۷۴)۔
تملیک اور توکیل میں فرق:

مرد اپنی عورت کو حق طلاق سپرد کرتا ہے وہ شرعاً تفویض طلاق ہے، اسی طرح شوہر کو اس بات کا بھی اختیار ہے کہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی صورت ”تملیک طلاق“ کی ہے اور دوسری صورت توکیل طلاق کی، پہلی صورت میں شوہر رجوع نہیں کر سکتا مگر دوسری صورت میں رجوع کر سکتا ہے۔
عدالت کو تفویض طلاق کا حکم:

جس طرح مرد کو اختیار ہے کہ عورت کو حق طلاق سپرد کرے یا کسی اور شخص سے کہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے اسی طرح دارالقضاء یا محکمہ شرعیہ کو طلاق سپرد کرنا بہتر ہے، بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا ”توکیل“ ہے اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے، لیکن اگر کسی تیسرے شخص کی چاہت و مشیت پر طلاق کے استعمال کو موقوف کر دیا جائے تو ”توکیل“ کے بجائے ”تفویض“ ہوگی اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا۔
فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

”لو قال لأجینی: طلاقها بیدک أو طلقها إن شئت کقولہ امرک بها بیدک یقتصر ولا یملک الرجعة“ (بدائع ۳/۲۳۴)۔

(اگر کسی شخص سے کہا کہ عورت کا حق طلاق تمہارے ہاتھ میں ہے یا یہ کہے کہ اگر تم چاہو تو طلاق دے دو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں“ کہنے کی طرح ہے کہ اس میں اختیار مجلس

میں محدود رہے گا اور شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔
 مذکورہ بالا بحث اور تفصیلات کی روشنی میں خلاصہ کلام درج ذیل ہے:
 خلاصہ کلام:

- ۱- اگر شوہر نے غیر مسلم عدالت میں درخواست دی کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں؛ لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، اور عدالت ضروری کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے تو اس درخواست کو تفویض و تحکیم مانا جاسکتا ہے، کیوں کہ اس میں قضاء قاضی ضروری نہیں ہے، اس لئے غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر ہوگا۔
- ۲- اس صورت میں عورت نے اگر کسی مال کے عوض اپنے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کی درخواست دی، اور عدالت کے سامنے شوہر نے اس مال کے عوض خود طلاق یا خلع کا لفظ استعمال کرنے کے بعد دستخط کر دیا تو اس کی حیثیت خلع کی ہوگی۔
- ۳- عورت کی درخواست آنے کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آگرا دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا تو ایسی صورت میں اگر عدالت کا قاضی تحقیق کے ذریعہ اس نتیجے پر پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہیں کر سکیں گے تو عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کر سکتی ہے۔
- ۴- اگر غیر مسلم حکومت یا غیر مسلم عدالت کا حج مسلمان ہے تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت اس وقت دی جائے گی جبکہ اس کے فیصلے قرآن و حدیث اور اصول قضاء کے مطابق ہوں۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا شتیاق احمد اعظمی ☆

۱- غیر مسلم بیچ کی عدالت میں شوہر کی طرف سے مذکورہ بالا درخواست کو تفویض مانا جاسکتا ہے، کیونکہ تفویض کے اندر، مفوض الیہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں، اس لئے کہ تفویض سے مراد، تملیک طلاق ہوا کرتی ہے، یعنی کسی کو طلاق دینے کا مالک بنانا (والمراد بالتفویض تملیک الطلاق) (شامی ۴/۱۳۳)، شوہر جیسے اپنی بیوی کو طلاق کا مالک بنا سکتا ہے، ایسے ہی بیوی کے علاوہ کسی اور کو بھی طلاق دینے کا مالک بنا سکتا ہے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، صورت مسئلہ میں شوہر، غیر مسلم عدالت میں صراحتہ طلاق دینے کا اختیار، غیر مسلم بیچ کے سپرد کر رہا ہے، ایسی صورت میں اگر عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ صادر کر دیتی ہے تو اسے شوہر کی طرف سے تفویض مان کر تسلیم کیا جاسکتا ہے، کیونکہ شوہر بسا اوقات، بیوی کی طرف سے طلاق کے بعد آنے والی کسی پریشانی سے بچنے کے لئے عدالتی چارہ جوئی پر مجبور ہوتا ہے، ورنہ وہ خود ہی طلاق کی کارروائی مکمل کر دیتا۔

مذکورہ بالا صورت مسئلہ کو تحکیم ماننا درست اس لئے نہیں کہ کافر کی تحکیم جائز نہیں، ہدایہ

میں مذکور ہے:

”ولا يجوز تحکیم الکافر و العبد و الذمی و المحدود فی القذف و

الفاسق و الصبی لانعدام اہلیة القضاء اعتباراً بأہلیة الشہادة“ (۳/۱۳۳)۔

کافر کی تکمیل اس لئے بھی درست نہیں کہ جب وہ خود شریعت کا پابند نہیں تو دوسرے کے اوپر شرعی فیصلہ کرنے کا کیسے مجاز ہو سکتا ہے، جبکہ یہ فرمان الہی موجود ہے: "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً" (نساء: ۱۳۱)۔

موسوعہ فقہیہ میں مذکور ہے کہ: "محلّم" کی شرائط میں سے ولایت قضاء کی اہلیت کا ہونا بھی ہے: "ومن شروط المحكم: أن يكون أهلاً لولاية القضاء" (۱۰/۲۳) اور اسی میں ہے: "ومن اهلية القضاء: الاسلام۔"

اس لئے مسئلہ بالا صورت میں تفویض ماننا تو صحیح ہو سکتا ہے، لیکن تکمیل پر محمول کرنا درست نہیں ہو سکتا۔

۲- مذکورہ بالا مسئلہ صورت میں فیصلہ کے شرعی طور پر معتبر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ حج نہ صرف یہ کہ مسلمان ہو، بلکہ اسلامی شریعت کے احکام سے بھی واقف ہو، اور تفریق کی جملہ کارروائی شرعی اصول و ضوابط کے مطابق انجام دے، تو ایسی صورت میں مسلمان حج کا فیصلہ تفریق و طلاق نافذ ہوگا، ورنہ عدالت کا فیصلہ تفریق عورت کے لئے ناکافی ہوگا، بالخصوص جبکہ غیر مسلم عدالت کا حج بھی غیر مسلم ہو تو اسکے فیصلہ تفریق کا تو بالکل اعتبار نہیں ہوگا۔ ایسی صورت میں عورت کو عدالتی فیصلہ کے بعد پھر کسی شرعی پنچایت یا امارت شرعیہ یا ادارہ القضاء میں اپنے کیس کو لے جا کر فرخ نکاح کرا لینا چاہئے۔ جہاں تک شوہر کے دستخط کر دینے کا مسئلہ ہے تو اسے تفویض طلاق پر محمول کیا جانا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس قسم کا دستخط عموماً عدالتی دباؤ کے سبب، شوہر کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، دوسرا امر یہ کہ غیر مسلم حج کا کیا ہوا فیصلہ شرعی لحاظ سے معتبر بھی نہیں، حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں، وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی موجود نہیں، ان میں وہ حکام، حج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام

ہوجاتا ہے، لما فی الدر المختار: ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو كان كافراً ذكراً مسکین وغیره، لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہو سکتا، لان الکافر لیس بأهل القضاء علی المسلم كما هو مصرح فی جمیع کتب الفقہ“ (الحیلة النازہ ص ۳۵)۔

درج بالا عبارات سے مذکورہ بالا مسئلہ صورت میں کافر فسخ کے فیصلہ کا غیر معتبر ہونا بالکل واضح ہو گیا۔ ایسے مقامات پر عورت کو یا تو خلع کا سہارا لینا چاہئے یا پھر اسے شرعی پنچایت، دارالقضاء اور امارت شرعیہ جیسے اداروں سے رابطہ کر کے اپنے قضیہ کا تصفیہ کرانا چاہئے۔

۳۔ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نے اپنی کتب ”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں مذکورہ مسئلہ جیسی صورت میں، جس کے اندر ایک عورت، فیملی کورٹ میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرتی ہے اور جج صاحب مقدمہ کی سماعت کے بعد عورت کے حق میں فیصلہ دیدیتے ہیں، کے بارے میں رقم طراز ہیں: ”فیملی کورٹ کا فیصلہ اگر شرعی قواعد کے مطابق ہو تو وہ فیصلہ بھی شرعاً نافذ ہوگا اور اگر مقدمہ کی سماعت یا فیصلہ میں شرعی قواعد کو ملحوظ نہیں رکھا گیا تو شرعی نقطہ نظر سے وہ فیصلہ کالعدم ہے، شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوگا اور عورت کو نکاح ثانی کی اجازت نہ ہوگی۔“

شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کی صورت یہ ہے کہ عورت کی شکایت پر عدالت شوہر کو طلب کرے اور اس سے عورت کے الزامات کا جواب طلب کرے، اگر شوہر ان الزامات سے انکار کرے تو عورت سے گواہ طلب کئے جائیں، یا عورت گواہ نہیں پیش کر سکتی تو شوہر سے حلف لیا جائے، اگر شوہر حلفیہ طور پر اس کے دعویٰ کو غلط قرار دے تو عورت کا دعویٰ خارج کر دیا جائیگا اور اگر عورت گواہ پیش کر دے تو عدالت شوہر کو بیوی کے حقوق شرعیہ ادا کرنے کی تاکید کرے اور اگر عدالت اس نتیجہ پر پہنچتی ہے کہ ان دونوں کا یکجا رہنا ممکن نہیں تو شوہر کو طلاق دینے کا حکم دیا جائے اور اگر وہ طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو جبکہ وہ عورت کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کرتا تو عدالت از خود

فتح نکاح کا فیصلہ کر سکتی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ فیصلہ کرنے والا حج مسلمان ہو، ورنہ اگر حج غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/۲۵۲)۔

مولانا لدھیانویؒ کی مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں صورت مسئولہ کا جواب واضح ہو گیا کہ غیر مسلم حج کا فیصلہ کا عدم ہوگا، اور اگر غیر مسلم عدالت میں فیصلہ دینے والا حج مسلمان بھی ہو تب بھی اس کا نفاذ نہ ہوتا، کیونکہ مذکورہ بالا مقدمہ کے تصفیہ میں ضابطہ کی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی ہے، کیونکہ ضابطہ کی کارروائی میں یہ بھی ہے کہ عورت کے الزامات کا جواب شوہر سے طلب کیا جائے، اور یہاں اس کی نوبت ہی نہیں آئی۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تھا:

”لا تَقْضِ لِأَحَدِ الْخَصْمَيْنِ مَا لَمْ تَسْمَعْ كَلَامَ الْآخَرِ“ (بدائع ۵/۳۳۳)۔

مذکورہ بالا صورت میں عورت کو چاہئے کہ شوہر سے علاحدگی اختیار کرنے کے لئے خلع کرائے یا امارت شرعیہ، شرعی پنچایت یا دارالقضاء کا سہارا لے کر اپنا معاملہ حل کرائے۔

۴۔ حج اگر مسلمان ہے، خواہ وہ غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت میں فیصلہ کرنے پر مامور ہے اور وہ احکام شرعیہ سے واقف بھی ہے اور وہ فیصلے شریعت کے مطابق کیا کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ مسلمان حج، مسلم حاکم یا قاضی کے قائم مقام ہو سکتا ہے، اسی مسئلہ کی وضاحت حضرت تھانوی علیہ الرحمہ یوں فرماتے ہیں: ”اگر گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں، ان میں وہ حکام، حج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے، اس قسم کے معاملات میں فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قواعد کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لما فی الدر المختار: ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كان كافراً ذكراً مسكيناً وغيره، لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فتح وغیرہ بالکل نہیں ہو سکتا“ (ص ۵۳۵ الحیلة الناجزہ)۔

معلوم ہوا کہ مسلمان حج اگر شرعی اصول و ضوابط کے مطابق فیصلہ کیا کرتا ہے تو اس کا

فیصلہ شرعاً معتبر ہوگا خواہ اسکا تقرر مسلم عدالت میں ہو یا غیر مسلم عدالت میں۔

۵- کسی بھی غیر مسلم ملک میں جہاں مسلمان بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں، وہاں عدلیہ کا مکمل بائیکاٹ نہیں کر سکتے۔ ایسے ممالک میں حتی الوسع مسلمانوں کو اپنے معاملات و تنازعات اور ہر قسم کے مسائل میں مل جل کے بیٹھ کر حل کئے جانے کی کوشش ہونی چاہئے، ایسے ممالک میں علماء و فقہاء اور دانشوران ملت کو آپسی تنازعات کے حل کے لئے شرعی پنچایت قائم کرنی چاہئے اور اس جیسی پنچایتوں کے توسط سے آپسی تنازعات کا حل نکالنے کی سعی پیہم ہونی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ و الرسول (نساء: ۵۹) رد الی اللہ و الرسول کا مطلب یہ ہے کہ اپنے معاملات کا تصفیہ، قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرنا چاہئے، غیر مسلم ممالک میں یہ چیز وہاں کی عدالتوں میں چونکہ مفقود ہوا کرتی ہے، اس لئے ایسی جگہوں میں مسلمان امارت شرعیہ، دارالقضاء اور شرعی پنچایتوں کے توسط سے اپنے مسائل کا حل ڈھونڈیں گے۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: فاتقوا اللہ و اصلحوا ذات بینکم (انفال: ۱) ایک اور جگہ ارشاد ہے: فاصلحوا بینہما بالعدل و أقسطوا (حجرات: ۹) اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فلا جناح علیہما أن یصلحا بینہما صلحا (نساء: ۱۲۸) ایک دوسری آیت میں اخوت ایمانیہ کو ہمبیز لگاتے ہوئے اصلاح بین المسلمین کا حکم ہوتا ہے: انما المؤمنون أخوة فاصلحوا بین أخویکم (حجرات: ۱۰) ان تمام آیات میں خطاب کا رخ امت مسلمہ کی طرف ہے کہ جب بھی ان میں آپسی تنازعہ قائم ہو تو مسلم امہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ ایسے معاملات کو صلح و مصالحت اور آپسی افہام و تفہیم سے اس کا حل نکالیں۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب و سنت کی پیروی کو امت مسلمہ پر لازمی قرار دیا ہے اور ان تمام راستوں سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے، جو منکح عنہ ہیں، ارشاد باری ہے: وما آتاکم الرسول فخذوه وما نہاکم عنہ فانتهوا (حشر: ۷) اور اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ سے فیصلہ لینے جانے والوں کو تتحکم الی الطاغوت (الشیطان) قرار دیا ہے، جیسا کہ فرمان باری ہے: ألم تر الی

الذین يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به (نساء: ۶۰)۔

شریعت اسلامیہ نے معاملات کے تصفیہ کے لئے بہت سے اصول و ضوابط مقرر فرمائے ہیں، ظاہر ہے ان ضوابط پر چل کر ہی ہم اللہ اور اس کے رسول کے منشاء کو پورا کر سکتے ہیں، غیر مسلم عدالتوں میں ان اصولوں پر نہ تو عمل ہوتا ہے اور اگر کچھ ہو بھی تو غیر مسلم کے ذریعہ، ایک مسلمان پر کوئی حکم نہیں چل سکتا: و لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً (نساء: ۱۳۱)۔

فوجداری (جرائم سے متعلق معاملات) دیوانی (مالیاتی معاملات) میں اگر مسلمان آدمی آپسی صلح و مصالحت سے حق کو حاصل نہ کر سکے، کیونکہ شرعی پچایتوں اور امارت شرعیہ وغیرہ جو غیر مسلم ممالک میں مسلمان قائم کرتے ہیں، ان کے پاس قوت نافذہ کا فقدان ہوا کرتا ہے، اس لئے وہ اپنے جائز حقوق کی وصولیابی کے لئے غیر مسلم عدالت میں بھی جاسکتا ہے، کیونکہ حکومت کے پاس قوت نافذہ ہوا کرتی ہے، وہ اپنے پاس سے اس قسم کے مسائل میں فیصلہ کا نفاذ کیا کرتی ہے، اس طرح کے معاملات میں اگر مسلمان، غیر مسلم عدالت میں جاتا ہے تو اس کے لئے عدالت کا فیصلہ، اسی صورت میں قابل قبول ہوگا جب کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بیان کردہ اصول و قوانین کے مطابق ہوگا، بصورت دیگر ایسے فیصلے مسلمان کے لئے ہرگز قابل قبول نہ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے ما انزل اللہ کے بغیر فیصلہ لینے والوں کو ایک آیت میں کافروں، دوسری میں ظالموں اور تیسری آیت میں فاسقوں قرار دیا ہے:

ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكافرون (مائدہ: ۴۴) ومن لم

يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الظالمون (مائدہ: ۴۵) ومن لم يحكم بما أنزل

الله فأولئك هم الفاسقون (مائدہ: ۴۷)۔

شیخ عبدالقادر عودہ نے مخالف شریعت و ضعی قوانین کے بطلان پر نصوص شرعیہ سے

استدلال کیا ہے، جو مختصر اور ج ذیل ہے:

۱- اللہ اور رسول کی بیان کردہ شریعت پر نہ چلنے والا درحقیقت قبیح ہوئی ہے بھس القرآن:
فإن لم يستجیبوا لک فاعلم إنمآ یتبعون أهواءهم ومن أضل ممن اتبع هواه
بغیر هدی من اللہ (التقصص: ۵۰)۔

۲- اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی ایمان والے کے لئے اس کی گنجائش نہیں کہ وہ غیر اللہ
کے حکم پر راضی ہو یا ما انزل اللہ کے علاوہ کہیں اور حکم کے لئے جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے
ہیں: ألم تر إلی الذین یزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إلیک وما أنزل من قبلک
یریدون أن یتحاكموا إلی الطاغوت وقد امروا أن یکفروا به (نساء: ۶۰)۔

۳- اللہ ورسول کے فیصلہ اور حکم آ جانے کے بعد کسی بھی مؤمن اور مومنہ کے لئے انحراف کی
کوئی گنجائش نہیں، فرمان باری ہے: وما کان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضی اللہ ورسوله
أمراً أن یکون لهم الخیرة من أمرهم (آزاب: ۳۶) نیز اللہ ورسول کے فیصلے سے اگر کسی
کے دل میں ذرہ برابر تنگی آتی ہے تو یہ عدم ایمان کی علامت قرار دی گئی ہے: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یتحاکموا فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی
أنفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً“ (نساء: ۶۵)۔

سنت نبویہ میں بھی اولوالامر کی اطاعت کی حدود متعین کر دی گئی ہیں، صحیح حدیث رسول
میں ہے: ”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ اور فرمایا: ”انما الطاعة فی
المعروف“، یہ اور اس جیسی اور کئی نصوص شرعیہ سے مخالف شریعت قوانین کو غیر معمول بہا
ہونے کو ثابت کیا ہے (دیکھئے: التشریح الجنائی الاسلامی ص ۲۲۵ تا ۲۳۷)۔

غیر مسلم دیوانی عدالت میں مالی معاملات کے تصفیہ کے لئے اگر مسلمان جاتا ہے اور
معاملہ وکیل کے حوالہ ہوتا ہے اور وکیل دباؤ بنا کر موکل سے جھوٹی گواہی پیش کر کے اس کے حق
میں فیصلہ دلا دیتا ہے تو وکیل کی چرب زبانی اور جھوٹی گواہی کے نتیجے میں ملنے والی ڈگری اور فیصلہ

شرعاً بالکل غیر معتبر ہوگا، کیونکہ اس طرح کی جھوٹی گواہی اور مدعی یا اس کے وکیل کی چرب زبانی سے ناجائز چیز کو اگر اسلامی عدالت میں بھی جائز اور حق ثابت کر دیا جائے، تب بھی وہ چیز مدعی کے لئے حلال اور جائز نہیں ہو سکتی، کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ”قال: إنما أنا بشر وإنكم تختصمون إليّ ولعل بعضكم أن يكون ألحن بحجته من بعض فأقضي له على نحو ما أسمع منه فمن قضيت له بشئ من حق أخيه فلا يأخذه فإنما أقطع له قطعة من النار“ (مشق علیہ/مشکاۃ ص ۳۲۷ ج ۲)۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے بھی اگر مقدمہ کی سماعت کی اور مدعی کے زور بیان اور قوت دلائل کو سن کر کسی کے حق میں فیصلہ فرما دیا کہ یہ چیز فلاں کی ہے، حالانکہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے تو حضور ﷺ کے فیصلہ کے باوجود بھی وہ اگر اس کا صحیح معنوں میں سامان نہیں ہے تو اس کے لئے اس کا لینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ حضور ﷺ عالم الغیب نہیں تھے، ظاہر کو دیکھ کر فیصلہ فرمایا کرتے تھے، تو اس قسم کا غلط فیصلہ غیر مسلم عدالتوں سے جرائم یا مالی معاملات میں صادر ہو اور حقیقت اس کے بالکل برعکس ہو تو اس فیصلہ پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ حفظ دماء اور حفظ اموال ہی کے پیش نظر شریعت نے مقدمہ کے فیصلہ کے لئے متعدد اصول و ضوابط بنائے ہیں، حضور ﷺ کا فرمان ہے: ”لو يعطى الناس بدعويهم لادعى ناس دماء رجال و أموالهم ولكن اليمين على المدعى عليه (رواه مسلم) و فى رواية: عن ابن عباس مرفوعاً: لكن البينة على المدعى واليمين على من انكر“ (مشکاۃ ص ۳۲۶ ج ۲)۔

علامہ طیبیؒ اس حدیث کی تشریح کے ضمن میں فرماتے ہیں: هذه قاعدة شريفة كلية من قواعد أحكام الشرع ففيه أنه لا يقبل قول الانسان فيما يدعيه بمجرد دعواه بل يحتاج إلى بينة أو تصديق المدعى عليه فله ذلك وقد بين ﷺ الحكمة فى كونه لا يعطى بمجرد دعواه ، لأنه لو أعطى بمجرد ادعوى قوم دماء قوم

و أموالهم واستبيح ولا يتمكن المدعى عليه من صون ماله ودمه (ص ۲۶۰۹ ج ۸ شرح الطیسی)۔

مالیاتی اور جرائم سے متعلق معاملات میں غیر مسلم کی قسم اور حلف معتبر ہوا کرتی ہے جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے: عن الأشعث بن قیس ، قال : كان بيني وبين رجل من اليهود أرض فجددني ، فقدمته إلى النبي ﷺ فقال : الك بينة ؟ قلت : لا ، قال لليهودي : احلف ، قلت : يا رسول الله إذن يحلف ويذهب بمالي ، فأنزل الله تعالى : إن الذين يشترون بعهد الله و أيمانهم ثمناً قليلاً... الآية (رواه البودادوي وابن ماجه) قال الطیسی : وفيه دليل على ان الكافر يحلف في الخصومات كما يحلف المسلم (ص ۲۶۱۷ ج ۸) نیز جرائم کے معاملات میں بھی غیر مسلم کی حلف کا اعتبار ہوا کرتا ہے، جیسا کہ قسامت کے باب میں نصوص سے ثابت ہے۔



غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا عطاء اللہ قاسمی ☆

نکاح مرد و عورت کے درمیان انجام پانے والا ایک فطری عمل اور پاکیزہ معاہدہ ہے، پاسدار فطرت اسلامی شریعت نے اسے انتہائی مقدس معاہدہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت باہم مودت و محبت کے ماحول میں اور باہمی اعتماد کی فضا میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس سے انسانی سماج میں عفت و پاکدامنی کا ماحول پیدا ہوتا ہے، اسلام رشتہ نکاح کو مستحکم اور پاسدار دیکھنا چاہتا ہے، اس لئے مقاصد نکاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے نکاح کے لئے مناسب اور ضروری شرطیں عائد کی ہیں، دونوں کی فطرت و صلاحیت کو مد نظر رکھ کر دونوں کے حقوق و فرائض خالق کائنات نے خود متعین فرمادی ہیں، ان بنیادی حقوق و فرائض کی تعیین اس لئے بھی ضروری تھی تاکہ مضبوط فریق، کمزور فریق کا استحصال نہ کر سکے، اور ایک فریق دوسرے فریق کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر راہ فرار نہ اختیار کر سکے۔

البتہ خدا نخواستہ حالات ایسے پیدا ہو جائیں کہ آپسی نباہ مشکل ہو جائے، خوشگوار زندگی ناممکن بن جائے، رشتہ نکاح کو ختم کر دینا ہی بہتر ہو تو ایسی صورت میں شریعت نے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کے لئے موقعہ محل کی مناسبت سے تین متبادل رکھا ہے:

(۳) فسخ و تفریق

(۲) خلع

(۱) طلاق

☆ صدر مدرس مدرسہ کوپانگ، منو، یوپی

طلاق:

یہ نکاح کو ختم کرنے کا ایک ذریعہ ہے، طلاق کا اختیار صرف اور صرف مرد کو حاصل ہے۔ اس کے لئے عورت کی رضا مندی اور مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے، شریعت نے طلاق کو بغض المباحات قرار دیا ہے، حق طلاق استعمال کرنے کے لئے مرد کو واضح احکامات عطاء کیا ہے، ان احکامات کا لحاظ تو اس کے لئے ضروری ہے لیکن عدالت (اگرچہ اسلامی ہو) سے اجازت لینے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ شیخ الاسلام ابو بکر بن علی بن محمد حدادیثی متوفی ۸۰۰ھ نے اس سلسلہ میں ایک حدیث شریف نقل کی ہے۔

”الطلاق بید من ملک الساق“ (الجوہرۃ البیرونی ج ۲/۱۰۲، مکتبہ حقانیہ پاکستان)۔

(طلاق اس شخص کے قبضے میں ہے جو بیعت کا مالک ہے)۔

۱۔ سوالنامہ میں جو صورت مسئلہ ذکر کی گئی ہے وہ سراسر غیر شرعی ہے، عدالت کے فیصلہ سے طلاق واقع نہیں ہوگی؟ طلاق واقع ہونے کے لئے مرد کا اپنی زبان سے طلاق دینا لازمی ہے۔ شوہر کا عدالت میں رشتہ نکاح کے انقطاع کی درخواست دینا فقہی نقطہ نظر سے ”تفویض“ یا ”تکلیف“ ہرگز نہیں مانا جاسکتا۔

تفویض:

شوہر طلاق کا مالک ہے وہ اگر اپنی بیوی کو حق طلاق کا مالک بنا دے تو اسے ایسا کرنے کی شرعاً اجازت ہے، فقہی اصطلاح میں اس کو تفویض طلاق کہتے ہیں:

”وتفویض وهو تمليک الزوجة الطلاق“ (حاشیہ شرح وقایہ ۷۹/۲)۔

(شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق کا مالک بنا دینا، تفویض ہے)۔

معلوم ہوا کہ تفویض طلاق ایک حق ہے جو صرف اپنی منکوحہ کے لئے استعمال کر سکتا ہے۔ عدالت کے لئے نہیں۔

تحکیم:

جب دو شخص آپسی اختلاف کے وقت کسی تیسرے کو اپنا حاکم، ثالث اور فیصل تسلیم کر لیں اور اس کے فیصلہ پر رضامندی کا متفقہ اظہار کر دیں تو اسے تحکیم کہتے ہیں، اس ثالث کی حیثیت قاضی کی ہو جائے گی اور اس کا فیصلہ فریقین کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ صاحب ہدایہ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”وهذا إذا كان المحكم بصفة الحاكم، لأنه بمنزلة القاضي فيما بينهما فيشترط اهلية القضاء ولا يجوز تحكيم الكافر“ (ہدایہ ۱۲۷/۳)۔

(اس ثالث اور فیصل میں حاکم کی صفت لازمی ہے، کیونکہ اس کی حیثیت قاضی کی ہے لہذا قضاء کی اہلیت شرط ہوگی، کسی کافر کو حکم اور ثالث بنانا جائز نہیں ہے)۔

حاصل یہ ہے کہ حکم اور ثالث کا مسلمان ہونا شرط اولین ہے، اس کو نظر انداز کر کے تحکیم کا عمل باطل ہوگا، لہذا غیر مسلم عدالت کے غیر مسلم جج کو حکم کی حیثیت حاصل نہ ہوگی اور نہ ہی اس کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۲۔ اگر عورت اپنے شوہر کو اتنا ناپسند کرتی ہو کہ کسی قیمت پر اس کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ وہ شوہر کو سمجھا بچھا کر طلاق کے لئے آمادہ کرے اور ایسی صورت میں شوہر کو بھی چاہئے کہ جب رشتہ نکاح کی مٹھاس اور خوشگوار ختم ہو چکی ہے اور یہ رشتہ ناقابل برداشت ہو جھ بن چکا ہے تو شرافت کے ساتھ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے۔ لیکن اگر شوہر اس بات پر راضی نہ ہو تو عورت کو ”خلع“ کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ شوہر کو کچھ مالی معاوضہ پیش کر کے اسے طلاق پر آمادہ کر سکتی ہے، دوسرے تمام شرعی معاملات کی طرح خلع بھی ایجاد و قبول کے ذریعہ انجام پاتا ہے۔ یہ معاملہ زوجین از خود باہمی رضامندی سے کر سکتے ہیں، عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں۔

لہذا: عورت کی طرف سے رشتہ نکاح ختم کرنے کی عدالت میں درخواست دینا اور اس پر کارروائی کرتے ہوئے علاحدگی کا فیصلہ شرعی نقطہ نظر سے باطل ہے۔ اس سے رشتہ نکاح ختم نہ ہوگا بلکہ باقی رہے گا۔ عورت اگر شوہر سے علاحدگی چاہتی ہے تو اسے خلع کا راستہ اپنانا ہوگا۔

۳- عورت کی طرف سے عدالت میں علاحدگی کی درخواست آئی، اور شوہر نہ تو عدالت میں حاضر ہوا اور نہ ہی علاحدگی کی بابت آمادگی کا اظہار کیا، اس لئے عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ باطل اور معدوم ہے، کیونکہ یہ معاملہ ”تفریق بین الزوجین“ کا بنتا ہے، اور یہ معاملہ غیر مسلم عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا، فقہاء کے یہاں اس کی صراحتیں موجود ہیں۔ علامہ ابن رشد القرطبی (م ۵۹۵ھ) تحریر فرماتے ہیں:

”فاما الصفات المشترطة فى الجواز فان يكون حراً مسلماً بالغاً ذكراً عاقلاً عدلاً“ (بداية المجتهد ۲/۳۵۴ (باب من يجوز قضاء))۔

(فیصلہ جائز ہونے کے لئے قاضی میں جن صفتوں کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں کہ قاضی آزاد ہو مسلمان ہو، بالغ مرد ہو اور عاقل و عادل ہو)۔

اس بات پر علماء و فقہاء کا اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ باپ اگر (نعوذ باللہ) مرتد ہو جائے تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت ختم ہو جائے گی۔ لہذا کسی غیر مسلم حج کا نکاح فسخ کر دینا غیر معتبر ہے، اور اگر عدالت اس کا فیصلہ کر دے تو اپنے علاقہ کی شرعی پنچایت سے رجوع کر کے اپنا نکاح فسخ کرایا جائے۔

۴- ”حج“ اگرچہ غیر مسلم حکومت و غیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت مسلمانوں کے نکاح کے فسخ و تفریق کا کام بھی کرتا ہے تو اسے مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت حاصل ہوگی اور اس کا فیصلہ فرقت معتبر ہوگا۔

غیر مسلم حکومت کے ذریعہ مقرر کردہ مسلمان جج کو قاضی و مسلم حاکم کی حیثیت اس لئے حاصل ہوگی کہ (الف) اس کی پشت پر قوت نافذہ و قاہرہ موجود ہے۔

(ب) اس کی تقرری پر مسلمان راضی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جمہوری حکومتوں میں مسلمان بھی اقتدار اعلیٰ میں شریک ہیں۔

(الف) قضاء اور قوت نافذہ:

حکومت و امارت کا مقصد اصلی عدل و انصاف کا قیام ہے، حکومتیں منجانب اللہ عدل و انصاف کی ہی بناء پر بنائی اور بگاڑی جاتی ہیں، کفر و ایمان کی بنیاد پر نہیں، مطلب یہ ہے کہ عدل و انصاف کا تقاضہ جس حکومت سے پورا ہوتا ہے وہ برقرار رکھی جاتی ہے، اگرچہ غیر مسلم ہی ہو۔ اور جس حکومت سے یہ مقصد پورا نہ ہوتا ہو اسے ختم کر دیا جاتا ہے اگرچہ وہ حکومت مسلمانوں کی ہو۔

”دار القضاء“ اور عدالتیں یہ حکومت و امارت کا کلیدی شعبہ ہیں جس کے ذریعہ حکومتیں عدل و انصاف قائم کرتی ہیں۔ یہ عدالتیں حکومت کے ماتحت کام کرتی ہیں اور ثبوت و شواہد کی بنیاد پر حق و باطل کا تعین کرتی ہیں، عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتی ہیں۔ حکومت قیام عدل و انصاف میں عدالت اور دار القضاء کی محتاج ہیں، جب کہ عدالت اور دار القضاء اپنے فیصلے کو سماج میں نافذ کرانے کے لئے قوت قاہرہ و نافذہ (حکومت) کی محتاج ہے۔

دار القضاء کی پشت پر قوت نافذہ (حکومت) کا ہونا از حد ضروری ہے اگرچہ غیر مسلم ہی ہو۔ فقہاء کرام بغیر قوت نافذہ کے قضاء کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے۔

”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كان كافراً“

(در مختار ۳/۳۴۲، مطبوعہ دیوبند)۔

(سلطان کے لئے قاضی کا تقرر کرنا جائز ہے، اگرچہ وہ انصاف پرور ہو یا ظالم یا کافر

ہو)۔

علامہ شامی اس کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

”وهذا ظاهر في اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة“

(شامی ۳۳۲/۳)

(مصنف کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی کی تقرری سلطان یا خلیفہ کے لئے مخصوص

ہے۔)

آگے مزید تاکید کے لئے تحریر فرماتے ہیں:

”حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح“ (شامی

۳۳۲/۳)

(اگر کسی شہر کے لوگ متفق ہو کر کسی کو قاضی بنا دیں تو یہ صحیح نہیں ہوگا، (وہ قاضی شرعی

قاضی نہیں ہوگا)۔

عدالت اور دارالقضاء کی پشت پر اگر قوت نافذہ نہیں ہوگی تو مظلوموں کو انصاف ملنا

مشکل ہو جائے گا، عدل و انصاف کا قیام ناممکن بات ہوگی۔ ہر فرد اپنے سے کمتر کو دبائے گا، اس

کی کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اپنے فریضہ سے پہلو تہی کرے گا۔ اس طرح سماج میں بد امنی، انتشار

اور نزاجیت پھیلنے اور پھولنے لگے گی۔

امن و امان اور نظم و نسق کی بحالی کتنی ضروری ہے؟ فقہاء نے اسکا بھرپور احساس کیا

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر اس موقع پر جہاں اجتماع ہوتی کہ اجتماعی عبادتوں کی ادائیگی کے موقع پر

بھی قوت نافذہ کے نمائندہ کی موجودگی شرط قرار دیئے ہیں:

”ولايجوز إقامتها إلا للسلطان ولمن أمره السلطان لإنها تقام بمجمع

عظيم وقد تقع المنازعة في التقديم والتقديم وقد تقع في غيره فلا بد منه“ (ہدایہ

۱۶۸/۱)

(جمعہ قائم ہونے کے لئے سلطان یا اس کے نائب کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جمعہ میں مجمع زیادہ ہوتا ہے، ایسے موقعہ پر امام بننے اور امام بنانے پر جھگڑا ہو جاتا ہے، اس لئے امام کا ہونا ضروری ہے۔)

ظاہر ہے فقہاء کرام جمعہ اور اسی طرح صلوٰۃ کسوف کے موقعہ پر سلطان کا ہونا ضروری قرار دیتے ہیں تو یہ صرف اس لئے کہ اجتماع کے موقعہ پر نقص امن و امان اور فتنہ کا خطرہ بہر حال ہوتا ہے۔ اور اس کو ختم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے قوت نافذہ کی موجودگی، معلوم ہوا کہ قوت نافذہ کی موجودگی امن و امان کے لئے لازمی، نظم و نسق کی پاسبان اور عدل گستری و انصاف پروری کی ضامن ہے۔ چنانچہ فقہاء قوت نافذہ کے لئے اسلام کی شرط بھی ضروری نہیں مانتے۔

”وفى التارخانية: الإسلام ليس بشرط فيه أى فى السلطان الذى يقلد“ (شامی ۲/۳۴۲)۔

(جو سلطان قاضی مقرر کر سکتا ہے اس کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں)۔

(ب) قضا اور تراضی مسلمین:

ان تصریحات سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور اقتدار اعلیٰ تنہا مسلمانوں کے پاس نہ ہو تو اقتدار اعلیٰ کی طرف سے ایک مسلمان قاضی و حاکم کی تقرری کا مطالبہ کرنا لازمی ہوگا۔ اگر غیر مسلم اقتدار اعلیٰ نے کسی مسلمان قاضی کی تقرری کر دی اور مسلم رائے عامہ اس پر راضی ہو تو وہ بھی قاضی اور حاکم شرعی مانا جائے گا۔ اور اسے فسخ و تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

وأما بلاد عليها ولاية كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد
ويصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا والياً
مسلماً منهم (شامی ۲/۳۴۲)۔

(وہ ممالک جہاں کفار حاکم ہیں تو وہاں مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین کا قیام جائز ہے اور) (کافر حاکم، کا مقرر کردہ قاضی) قاضی شرعی مانا جائے گا جبکہ مسلمان اس پر راضی ہوں، تو واجب ہے مسلمانوں پر کہ کافر حکومت سے مسلمان حاکم و قاضی کا مطالبہ کریں)۔
آگے تحریر فرماتے ہیں:

”ولکن إذا ولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلا شبہة“ (۳۴۲/۳)۔

(اور کافر حکومت جب مسلمانوں پر کسی قاضی کو مقرر کر دے اور مسلمان اس پر راضی ہوں تو اس کا قاضی بنا صحیح ہے)۔

مذکورہ بالا فقہی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ تراضی مسلمین سے ”قاضی شرعی“ وجود میں نہیں آئے گا، لیکن امیر اور والی کا نصب و تعیین تراضی مسلمین سے جائز بلکہ بعض حالات میں واجب ہوتا ہے، وجہ صاف ہے کہ نصب امیر کے ساتھ ساتھ قوت نافذہ لازماً ثابت ہو جائے گی جبکہ نصب قاضی سے قوت نافذہ ممکن نہیں کہ حاصل ہو۔

چنانچہ کافر حکومت کا مقرر کردہ قاضی چونکہ اپنی پشت پر قوت نافذہ رکھتا ہے اور پھر مسلمانوں کی رضامندی نے اس کو اور زیادہ قوت عطا کر دی ہے اس لئے فقہاء اسے قاضی شرعی تسلیم کرتے ہیں، فقہاء کرامؒ کے یہاں اس کی صراحت ملتی ہے کہ اگر کسی صوبہ یا کسی شہر میں کوئی حاکم ہو اور وہ کسی اقتدار اعلیٰ کے ماتحت نہ ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنا امیر اور والی منتخب کر لیں ظاہر ہے کہ جب مسلمان کسی کی ولایت و امارت پر متفق ہو جائیں گے تو اس امیر کو قوت نافذہ حاصل ہو جائے گی اور وہ قضاة کا تقرر کر سکتا ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

”ثم إن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب أو باتفاقهم عليه يكون ذلك الأمير في

حکم السلطان فیصح منه تولیة القاضی علیہم“ (ردالمحتار ۳/۳۳-۳۲، طبع دیوبند)۔
 (وہ بلا دوا مزار جو کسی سلطان کے ماتحت نہیں ہے بلکہ انکا مستقل امیر ہے (خواہ) قہر و
 غلبہ کے ذریعہ (امیر بنا ہو) یا ان لوگوں کی اتفاق رائے سے (امیر بنا ہو) بہر صورت وہ امیر
 سلطان کے حکم میں ہے اور اسکی طرف سے قاضی کی تقرری صحیح ہوگی) (شامی مکتبہ فیض القرآن
 دیوبند)۔

معلوم ہوا کہ وہ بلا دوا مزار جو کسی اقتدار اعلیٰ کے ماتحت نہ ہو وہاں مسلمانوں کے لئے
 نصب امیر واجب اور ضروری ہے، کیونکہ وہاں پر امیر کو قوت نافذہ حاصل ہو جائے گی برخلاف
 ان بلا دوا مزار کے جو اقتدار اعلیٰ کے ماتحت ہیں، جمہوری پارلیمنٹ کے ماتحت ہیں جیسے
 ہندوستان کے وہاں پر انتخاب امیر جائز نہیں ہے کیونکہ قوت نافذہ کا حصول ناممکن ہے۔ لہذا ان
 جگہوں پر تقرر قاضی بدرجہ اولیٰ درست نہیں معلوم ہوتا۔ ایسی جگہوں پر صرف دو متبادل موجود ہیں:
 (۱) جمہوری حکومت سے مسلم قاضی کی تقرری کرائی جائے یا پھر (۲) امام مالکؒ کے مذہب کے
 مطابق شرعی پنچایت قائم کر کے اپنے مسائل حل کئے جائیں۔

غیر مسلم عدالتیں و حکام اور مسلمان:

مسلمان جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور مسلمان حاکم و امیر کی
 اطاعت و فرمانبرداری انکا دینی و مذہبی فریضہ ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:
 ”یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم“
 (سورہ نساء)۔

(اے ایمان والو! اللہ کی پیروی کرو اور رسولؐ کی پیروی کرو، اور اپنے میں سے اہل
 اختیار (حاکم) کی پیروی کرو)۔

قرآن کریم کے نزدیک انسانی زندگی کے مسائل میں فیصل اور حاکمیت کی حیثیت نہ

فرد کو حاصل ہے نہ جماعت کو بلکہ اللہ کو حاصل ہے: **إِن الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ** (حکم دینا صرف اللہ کا حق ہے) اس کے بعد اللہ کے بھیجے ہوئے اس رسول کو حاصل ہے جن کی اطاعت اور پیروی خود اللہ کی اطاعت ہے۔ وما أُرسلنک إلا ليطاع یا ذن اللہ۔

اس کے بعد ان لوگوں کی اطاعت فرض ہے جو خدا اور اس کے رسول کے قانون، اور امر و نواہی کو نافذ کرنے کی غرض سے حکومت الہیہ کے سربراہ مقرر کئے گئے ہوں۔ جن کو قرآن نے اپنی اصطلاح میں ”أولوالأمر“ کہا ہے۔

اولوالا امر کی تنصیب، خلافت و امارت کا قیام ہے یہ مسلمانوں کا شرعی فریضہ اور مذہبی ذمہ داری ہے، قرآن کریم نے اسی کو اقامت دین سے تعبیر کیا ہے: ”أَقِمْوَا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا“ (شوری)۔ اسی لئے فقہائے کرام نے امارت و خلافت کے قیام کو مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ قرار دیا ہے۔

روئے زمین کا وہ خطہ جہاں مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے حکومت الہیہ قائم ہے وہ بہت خوش نصیب خطہ ہے، اسے ”دارالاسلام“ کہتے ہیں اور وہ خطہ جہاں مسلمان حاکم نہیں محکوم ہیں، غالب نہیں بلکہ مغلوب اور مجبور ہیں۔ ایسا خطہ دو طرح کا ہے یا تو وہاں غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ ہو گیا ہو جس کے تحت انہیں مذہبی آزادی حاصل ہوئی ہے تو اسے ”دارالامان“ (موجودہ دور کی سیکولر جمہوری حکومتیں بہر حال دارالامان نہیں، کیوں کہ اس طرح کی حکومتوں میں تمام اقلیتوں بشمول مسلم اقلیت کو مذہبی آزادی حاصل ہوتی ہے، اپنے ملی تشخصات، دینی روایات، اور مذہب و ثقافت پر عمل کرنے نیز ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کی اجازت ہوتی ہے) کہتے ہیں (قاموس الفقہ ۱/۳۸۶)، اور اگر معاہدہ نہ ہو سکے، مذہبی آزادی نہ مل سکے تو اسے ”دارالحرہ“ کہتے ہیں۔ ایسی جگہوں سے ہجرت فرض ہو جاتی ہے۔

دارالاسلام میں چونکہ مسلمانوں کو اقتدار حاصل ہے، حکومت الہیہ قائم ہے، اس لئے

اطاعت الہی، اطاعت رسول اور اطاعت اولوالامر تینوں پر بخوبی قدرت حاصل ہے۔ دارالامان میں جہاں مسلمان تہا اقتدار کے مالک نہیں ہیں بلکہ معاہدہ کے تحت اقتدار میں شریک ہیں وہاں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں کوئی دشواری نہیں ہوگی، کیونکہ ان کو مذہبی آزادی حاصل ہے، لیکن اطاعت اولوالامر کے فریضہ پر عمل ممکن نہیں ہوگا کیونکہ وہاں حکام غیر مسلم ہوں گے، عدالتیں غیر مسلم ہوں گی تو وہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عدالتیں و حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں یا مسلمان کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار کر سکتے ہیں۔

اس طرح کی صورتحال صرف اور صرف دارالامان میں پیش آئے گی، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ دارالامان سے متعلق تمام ضروری مباحث اور بنیادی اصولوں پر روشنی ڈالی جائے اور اس سے متعلق جزئیات و فروعات کو سامنے لایا جائے تاکہ جمہوری ممالک کی مسلم اقلیت کو درپیش حالات میں رہنمائی حاصل ہو سکے۔

دارالامان اور قرآن کریم:

ان ممالک میں جہاں مسلمان اقتدار اعلیٰ سے محروم ہیں اسلامی شریعت حکم دیتی ہے کہ ”بر“ اور ”قسط“ کی بنیاد پر غیروں کے ساتھ معاہدہ کریں اور جمہوری اداروں کے ساتھ اشتراک و تعاون کریں، اور پوری ایمانداری کے ساتھ اس کے تقاضوں پر عمل کریں، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

”لاینهاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروہم وتقسطوا إلیہم، إن اللہ یحب المقسطین، إنما ینهاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین وأخرجوکم من دیارکم وظاہروا علی إخراجکم أن تولوہم ومن یتولہم فاولئک ہم الظلمون“ (سورہ متحدہ آیت ۹-۸، پارہ ۲۸)۔

(اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کا برتاؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑتے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو، اور نکالا بھی نہ ہو لیکن تم کو نکالنے میں نکالنے والوں کی مدد کی ہو، اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ ظالم ہیں)۔

یہ آیتیں صرف ان غیر مسلموں کے ساتھ صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھانے سے روک رہی

ہیں جو:

(الف) مسلمانوں سے دین کی بنیاد پر جنگ کریں۔

(ب) مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالیں۔

(ج) مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالنے میں امداد کریں۔

ان تین قسموں کے علاوہ تمام غیر مسلموں کے ساتھ اجازت دے رہی ہیں کہ ”بر“ اور ”قسط“ کے اصولوں پر ان سے معاہدہ کریں، ان کے ساتھ ملکی نظم و نسق میں تعان اور نظام زندگی میں اشتراک اور امداد باہمی عمل میں لائیں۔

اسلامی حکومت اور سیکولر حکومت:

اس موقع پر یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ وہ حکومت جس کا دستور اساسی کتاب اللہ ہے، آپ اس کو خلافت راشدہ کہیں یا اسلامی حکومت کہیں وہ عملی طور پر سیکولر اور غیر فرقہ وارانہ حکومت ہوگی کیونکہ اسلامی حکومت میں:

(۱) غیر مسلموں کی جان، مال، عزت و آبرو اسی طرح محفوظ ہوگی جس طرح مسلمانوں کی۔

- (۲) غیر مسلموں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، وہ اپنے ضمیر، اپنی رائے اور مذہب پر عمل کریں گے اور اپنی عبادت گاہوں کی حفاظت بھی کریں گے۔
- (۳) ملک اور اہل ملک کی حفاظت مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہوگا، غیر مسلموں کو جبراً فوج اور پولس میں بھرتی نہیں کر سکیں گے۔
- (۴) کاروبار میں غیر مسلموں کو مسلمانوں سے زیادہ آزادی حاصل ہوگی، مثلاً شراب، خون، مردار وغیرہ کی تجارت مسلمان ہرگز نہیں کر سکتے جبکہ غیر مسلموں کو اس کی اجازت ہوگی، اسی طرح یہ لوگ بیرونی تجارت میں بھی آزاد ہوں گے البتہ ”سود“ عام طور پر قانوناً حرام ہوگا۔
- (۵) جس طرح کسی مسلمان کو ستانا نقصان پہنچانا حرام ہے، اسی طرح غیر مسلموں پر بھی کسی طرح کا ظلم حرام ہوگا۔ فقہاء کرام کا فیصلہ ہے:
- ”ظلم الذمی اشد من المسلم“ (شامی ۲۹۶/۵)۔
- (ذمی پر ظلم کرنا مسلمان پر ظلم کرنے کی بہ نسبت بہت سخت برا ہے)۔
- خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:
- ”لا تظلموا الذمیین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغير علم“۔
- (برامت کہو ان لوگوں کو جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو پوجتے ہیں۔ ورنہ دشمنی میں وہ لوگ بغير علم کے اللہ کو برا کہنے لگیں گے)۔
- بلاشبہ غیر مسلموں کو دعوت حق دیں گے مگر نہایت خوش اسلوبی اور نرمی کے ساتھ جبر و اکراہ، اور دل خراشی ہرگز جائز نہیں۔
- دارالآمان اور مسلمان:
- مسائل شرعیہ تین طرح کے ہیں: (۱) وہ مسائل جو اسلامی حکومت اقتدار سے متعلق

ہیں (۲) وہ مسائل جو دارالامان سے متعلق ہیں (۳) وہ مسائل جو دارالحرب میں جاری ہوتے ہیں۔

(۱) دارالامان میں مسلمانوں کو صرف مذہبی آزادی حاصل ہوگی، حکومت و اقتدار اعلیٰ کلی طور پر حاصل نہیں ہوگا، لہذا دارالاسلام سے متعلق احکامات نافذ کرنے کے لئے مسلمان مکلف نہیں ہوں گے۔ ”لا یكلف الله نفسا الا وسعها“۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو طاقت کے مطابق ہی مکلف بناتے ہیں، وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے اسلامی حکومت و اقتدار شرط ہے۔ مثلاً اسلامی حدود، تعزیرات یعنی قتل عمد، قتل خطا، زنا، تہمت، چوری و کینتی شراب نوشی کی وہ مخصوص سزائیں جو اسلام نے مقرر کی ہیں اسلامی نظام حکومت کے بغیر انکا نفاذ شرعاً واجب نہیں ہے۔

اسلام ان جرائم کو انسانیت کے لئے بر قاتل اور لعنت قرار دیتا ہے، وہ ایک لمحہ بھی مہذب سماج میں ان جرائم کا ادنیٰ سا شائبہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، اس لئے ان جرائم کی سزائیں اتنی سخت اور عبرتناک مقرر کی ہیں کہ اگر صحیح طور پر اس کا نفاذ ہو جائے تو دل و دماغ ان جرائم کے تصور سے مدتوں لرزتے رہیں گے۔ دوسری قوموں کے نافذ العمل قوانین میں ان کی سزائیں اتنی سخت نہیں ہیں لیکن ان جرائم کی قباحت کو ہر مذہب اور ہر قانون تسلیم کرتا ہے اور صالح معاشرہ کے لئے ان کا انسداد ضروری سمجھتا ہے، لہذا اگر کوئی غیر مسلم حکومت ان جرائم کے انسداد کے لئے قانون بنائے تو باوجودے کہ ہمارے عقیدہ کے لحاظ سے وہ قانون عدل و انصاف کے اعلیٰ معیار سے کمتر ہوگا مگر چونکہ مقصد بہتر ہوگا لہذا تعاون و اشتراک میں مضائقہ نہیں ارشاد ہے:

”وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الائم والعدوان“ (آئہ: ۲)۔

(ایک دوسرے کی مدد نیکی اور تقویٰ میں کرتے رہو اور گناہ اور زیادتی میں ایک

دوسرے کی مدد نہ کرو)۔

اگر ان جرائم کا ارتکاب کسی مسلمان سے ہو تو غیر مسلم عدالتیں و حکام کا فیصلہ مسلمان کے لئے قابل تسلیم ہوگا۔

۲- معاملات یعنی خرید و فروخت، لین دین، اجرت، شرکت، ملازمت چونکہ افراد سے متعلق ہیں ان کے لئے حکومت و شوکت کی ضرورت نہیں، لہذا ان کے احکام میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا۔ مثلاً شراب، خنزیر، مردار وغیرہ کی خرید و فروخت جس طرح دارالاسلام میں مسلمان کے لئے حرام ہے اسی طرح دارالامان بلکہ دارالحرب میں بھی حرام رہے گی۔ قمار، جوا، سٹہ وغیرہ کی حرمت بدستور رہے گی۔ یہ شیطانی اعمال ہیں ان کی خباثت اور شیطنت کسی ملک یا کسی دار کے ساتھ مخصوص نہیں؛ ارشاد الہی ہے:

”إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان

فاجتنبوه“۔

(شراب، جوا، بت اور تیروں سے فال نکالنا گناہ ہے شیطان کا کام ہے لہذا تم اس سے پرہیز کرو)۔

دھوکا، فریب، بلیک مارکیٹنگ صرف معاملات کے لحاظ سے ہی جرم نہیں بلکہ اخلاقی جرم بھی ہیں وہ ہر حالت میں اور ہر جگہ ممنوع رہیں گے۔

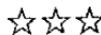
اسی طرح ان امور سے اجتناب لازم ہوگا جن کا ارتکاب معصیت اور گناہ ہے مثلاً عصمت فروشی، رقص، سرود، سحر، کہانت، نجوم، جیوش وغیرہ یہ تمام کام ہر جگہ اور ہر حال میں حرام ہے، با معاوضہ ہوں یا بلا معاوضہ، اسی طرح وہ سارے معاملات بھی ممنوع اور حرام ہوں گے جن سے جرائم کی پرورش ہوتی ہے اور معصیت پروان چڑھتی ہے، مثلاً مورتیوں اور تصاویر کی خرید و فروخت، آلات لہو و لعب وغیرہ۔

یہ تمام وہ امور ہیں جن کی شریعت مطہرہ نے شدت کے ساتھ ممانعت کی ہے، ان کی

حرمت اسلامی اقتدار و حکومت پر موقوف نہیں ہے اور نہ ہی دارالاسلام کی حدود میں محدود ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دارالاسلام میں ان کی ممانعت اور حرمت کے لئے قانون ہوگا، دارالحرب یا دارالامان میں مسلمانوں کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہوگی کہ قانوناً ممنوع کر سکیں اور ان جرائم کو اسلامی حدود و تعزیرات کے دائرہ میں لاسکیں مگر مذہبی نقطہ نظر سے ان کی حرمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

اگر دارالامان میں ان امور کو جرم قرار دے کر قانوناً ممانعت کر دی جائے ان کے ارتکاب کرنے والے کو قابل سزا قرار دیا جائے تو مسلمان ان معاملات میں غیر مسلم عدالتوں اور غیر مسلم حکام کے بہر حال پابند ہوں گے۔

۳- رہ گئے وہ تمام مسائل جو عبادات اور اخلاقیات سے متعلق ہیں چونکہ ہر مسلمان بحیثیت مسلمان ان احکامات کا مکلف ہے، لہذا ملک اور سیاسی حالات کی تبدیلیوں کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، بہر حال اور ہر جگہ مسلمان ان احکامات کے مکلف ہوں گے۔ سچائی، دیانت داری، رحم، انصاف، سخاوت و مروت جیسے اخلاق جمیلہ مسلمانوں پر ایسے ہی فرض ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ۔ جھوٹ، فریب، ظلم، بخل، خیانت وغیرہ ایسے ہی ممنوع ہوں گے جیسے کفر و شرک، احصام پرستی، بدعات وغیرہ، لہذا ان کے احکامات میں اختلاف دار سے کوئی تفاوت نہیں ہوگا۔ اخلاق و عبادات سے متعلق احکامات مذہبی احکام ہیں جو مذہبی آزادی کے تحت ہیں۔ لہذا غیر مسلم عدالتیں اور حکام کو اس سلسلہ میں مداخلت کا دستوری اعتبار سے کوئی حق نہیں، بصورت دیگر مذہب میں مداخلت متصور ہوگا، مسلمان بہر صورت معاملے میں غیر مسلم عدالتوں و حکام کے پابند نہیں ہو سکتے۔



غیر مسلم ملکوں میں عدالت کے ذریعہ حاصل کئے گئے طلاق کا شرعی حکم

مولانا محمد شاہ جہاں ندوی ☆

بلاشبہ اصل یہ ہے کہ مسلمان اپنے فیصلہ طلب امور میں صرف مسلم قاضی یا اس کے قائم مقام کی طرف رجوع کریں، کیونکہ غیر مسلم مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی اہلیت نہ قاضی کی حیثیت سے رکھتا ہے، اور نہ ہی حکم کی حیثیت سے، ارشاد الہی ہے:

”وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا“ (النساء: ۱۳۱)۔

(اور اللہ کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہ دے گا)۔

شاطبی تحریر کرتے ہیں: ”إن حمل علی أنه إخبار، لم يستمر مخبره، لوقوع سبيل الكافر علی المؤمن كثيرا، بأسره وإذلاله، فلا يمكن أن يكون المعنى إلا علی ما يصدقه الواقع، ويطرده عليه، وهو تقرير الحكم الشرعي؛ فعليه يجب أن يحمل“ (الموافقات للشاطبی: إبراہیم بن موسیٰ (۷۹۰ھ)، المقدمة الثالثة عشرة ۱۵۶/۱، ط: دار ابن عفاان، السعودیة، الطبعة الأولى ۱۳۱۷ھ - ۱۹۹۷م)۔

(اگر اس کلام الہی کو خبر پر محمول کیا جائے، تو جس چیز کی خبر دی گئی ہے اس میں استمرار نہیں رہے گا، کیونکہ کافر کو مومن پر قید اور ذلیل کرنے کے ذریعہ بہت دفعہ راہ مل جاتی ہے، لہذا

☆ جامعہ اسلامیہ، شانٹاپورم، مالاپورم، کیرالا۔

وہی معنی مراد ہوں گے، جس کی حقیقت حال تصدیق کرتی ہو، اور اس میں تسلسل ہو، اور وہ حکم شرعی کو ثابت کرنا ہے، لہذا اسی پر محمول کیا جانا چاہئے۔

یعنی آیت خبر کی صورت میں وارد ہے، اور اس سے مراد امر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے یہ درست نہیں کہ کافر کو مسلمانوں پر قانونی تسلط حاصل ہو، لہذا کافر میں مسلمانوں کے تعلق سے شہادت اور فیصلہ کی اہلیت نہیں ہے، چنانچہ اس پر اتفاق ہے کہ غیر مسلم سے مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی اہلیت مملوب ہے۔

لیکن اس وقت دنیا کے بہت سے ممالک میں مسلمان اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہیں، جہاں ان کو اسلامی عدالت قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے، کہ وہ اس کے سامنے اپنا مقدمہ لے جائیں، جس کی بنا پر ان کے مقدمات پوری طرح اس ملک کے جج کے قوانین کے تابع ہیں، جہاں وہ رہتے ہیں، چنانچہ ان کے حالات ”ضرورت“ کے دائرہ میں آتے ہیں، جس کے مخصوص احکام ہیں، اور جو مصلحت کو حکم کا معیار بناتی ہے، اور امکان و استطاعت کو مکلف بنانے کی اساس قرار دیتی ہے، اس لیے کہ ارشاد الہی ہے: ”فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ (التقوا: ۱۶) (سوال اللہ سے ڈرتے رہو، جہاں تک ہو سکے) چنانچہ اس پس منظر میں غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ دی جانے والی طلاق پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم سوالات کے جوابات تحریر کرتے ہیں:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، تو اس درخواست کو تفویض مطلق یا تو کیل نہیں مان سکتے ہیں کیونکہ تفویض مطلق مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے، الدر المختار میں ہے:

”والفرق بینہما فی خمسة أحكام: ففي التملیک لا یرجع، ولا یعزل،

ولایبطل بجنون الزوج، ویتقید بمجلس، لایبقل، فیصح تفویضه بجنون، وصی لایبقل، بخلاف التوکیل“ (الدر المختار ۴/۵۵۵-۵۵۶، ۱۳۱۵ھ)۔

(اور دونوں یعنی تملیک اور توکیل کے درمیان فرق پانچ احکام میں ہے، چنانچہ تملیک میں (۱) رجوع نہیں کر سکتا ہے۔ (۲) اور معزول نہیں کر سکتا ہے (۳) اور تملیک شوہر کے مجنون ہونے سے باطل نہیں ہوتی ہے۔ (۴) اور تملیک مجلس کے ساتھ مقید ہوتی ہے (۵) عقل کے ساتھ مقید نہیں ہوتی ہے، لہذا مجنون کو طلاق کی تفویض صحیح ہے، اور ایسے بچہ کو طلاق کی تفویض صحیح ہے جو عقل والا نہ ہو، بخلاف پانچوں مسائل میں توکیل کے) اور اس درخواست کو توکیل بھی نہیں قرار دے سکتے ہیں، کیونکہ عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کے فیصلہ میں خود مختار ہوتی ہے، جبکہ وکیل موکل کی چاہت کے مطابق کام کرتا ہے۔

ردالمحتار میں ہے: ”والوکیل مطلوب منه الفعل شاء أو لم يشاء“ (ردالمحتار لابن عابدین محمد امین ۱۲۵۲ھ) کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق ۴/۵۵۵، ط: دارالکتب العلمیہ، بیروت، الطبعة الأولى ۱۳۱۵ھ-۱۹۹۳م)۔

(وکیل سے فعل مطلوب ہوتی ہے، چاہے یا نہ چاہے)۔

اور اس درخواست کو تکمیل بھی نہیں مان سکتے ہیں، کیونکہ حکم کا مسلم ہونا شرط ہے۔

البحر الرائق میں ہے: ”ومن جهة المحکم۔ بالفتح۔ صلاحیته للقضاء،

بكونه اهلا للشهادة، فلو حکما عبداً، أو صبیا أو ذمیا أو محدوداً فی قذف لم

یصح، وتشرط الأهلیة وقته، ووقت الحکم جمیعاً، فلو حکما عبداً، فعتق، أو

صبیا، فبلغ، أو ذمیا فأسلم، ثم حکم لم ینفذ، كما فی المقلد“ (البحر الرائق لابن نجیم

المصری، زین الدین بن ابراہیم ۹۷۰ھ)، کتاب الحوائج، باب التکمیل ۷/۴۱، ط: البند)۔

(تکمیل کی شرط محکم (کاف کے فتح کے ساتھ) کے لحاظ سے اس کے اندر قضاء کی

صلاحیت ہونا ہے، اس طرح کہ وہ شہادت کی اہلیت رکھتا ہو، سواگر غلام یا بچہ یا ذمی یا کافر، یا تہمت

زنا لگانے کی وجہ سے سزا یافتہ کو حکم بنایا، تو صحیح نہیں، اور اہلیت کی شرط تکلیف اور فیصلہ دونوں کے وقت ہے، تو اگر فریقین نے غلام کو حکم بنایا، پھر وہ آزاد ہو گیا، یا بچہ کو حکم بنایا اور وہ بالغ ہو گیا، یا ذمی کافر کو حکم بنایا، پھر وہ اسلام لے آیا، اور اس نے فیصلہ کیا، تو فیصلہ نافذ نہ ہوگا، جیسا کہ قاضی میں بھی یہی شرط ہے۔

ہاں البتہ اس کو تفویض مقید جو کہ مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی ہے، مان سکتے ہیں گویا درخواست دینے والا شوہر غیر مسلم حج کو عدالتی کارروائی مکمل کر کے طلاق دینے کا مالک بنا رہا ہے، الححر الرائق میں ہے:

”وتمسک ابن المنذر لمن لم يشترطه بقوله - عليه السلام - لعائشة رضی اللہ عنہا: ”لا تعجلی، حتی تستامری ابویک، ضعیف؛ لأن اختارت نفسها، طلقها بدلیل قوله تعالى: ”فتعالین امتعنن وأسرحکن سراحا جمیلاً“ (الأحزاب: ۲۸) وأجاب فی المعراج بأنه - عليه السلام - جعل لها الخيار، إلی غاية استشارة أبویها، لامطلقاً، وكلامنا فی المطلق“ (الححر الرائق، کتاب الطلاق، باب تفویض الطلاق ۵۳۹۳)۔

(ابن منذر کا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے مجلس کے ساتھ تفویض کے مقید ہونے کی شرط نہیں لگائی ہے، حضرت عائشہؓ سے نبی کریم ﷺ کے قول ”جلدی نہ کرنا، یہاں تک کہ اپنے والدین سے مشورہ کر لیتا“ سے استدلال کمزور ہے، کیونکہ یہ تخییر اس مسئلہ سے نہیں، جس میں اختلاف ہے، اور وہ یہ کہ عورت خود سے طلاق واقع کرے، بلکہ وہ اس پر محمول ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کرتی ہیں، تو نبی کریم ﷺ ان کو طلاق دے دیں گے، اس دلیل سے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: (تو آؤ، میں تمہیں دے دلا کر عہدگی و خوبی اور خوبصورتی کے ساتھ، رخصت کر دوں)، اور ”المعراج“ میں جواب دیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنے والدین سے مشورہ کرنے تک اختیار دیا تھا، مطلق اختیار نہیں دیا تھا، اور ہماری گفتگو مطلق اختیار دینے کے

بارے میں ہے)۔ اور یہ تملیک صریحی انداز میں ہی ہے، لہذا اس حدیث سے اعتراض نہیں وارد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”الثیب تعرب عن نفسها“ (سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاح، باب استسار الہک والثیب، حدیث نمبر ۱۸۷۲) عن عدی بن عمیرة، وقال البوصیری فی الزوائد: فیہ انقطاع، ولكن الحدیث له شواہد صحیحة)۔

پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ عدالت کے طلاق و فرقت کے فیصلہ کے بعد خود سے بھی شوہر طلاق دے دے۔

۲- عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آئے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، اور عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لے کہ جو فیصلہ ہو، وہ تم کو منظور ہوگا، تو ایسی صورت میں شوہر کی دستخط کی حیثیت صرف یہ ہوگی کہ حاکم کا فیصلہ بہ حیثیت مامور سے منظور ہے، اسے تفویض نہیں کہیں گے، پھر اگر عدالت کا روائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کر دے، تو اگر غیر مسلم حج کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق صحیح ہو، پھر بھی وہ نافذ نہیں، لیکن غیر مسلم اقلیتوں کے احوال کو دیکھتے ہوئے، جو حد ضرورت میں داخل ہیں، اس فیصلہ کی تنفیذ لازم ہوگی، وہ اس طرح کہ شوہر بیوی کو خود طلاق دے دے، تاکہ بیوی معصیت پر برقرار نہ رہے۔

اور اگر غیر مسلم حج کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق صحیح نہ ہو، اور عورت شوہر کے ساتھ رہنے پر کسی حال میں تیار نہ ہو، اور نہ خلع پر تیار ہو تو مسلم اقلیتوں کے احوال کو دیکھتے ہوئے شوہر پر لازم ہوگا کہ وہ خود طلاق دے دے، اور اگر ایسا نہ کرے تو اسلامی پنچایت یا اسلامی مرکز اس کی طرف سے طلاق کا فیصلہ کر دے، ابن حنی اللہ ”مجموع النوازل الموریتانیہ“ کی نظم میں کہتے ہیں:

ولا یحل ترک ناشز علی
عصیانها، والزوج حتماً قبل
فداءها بما أحب ممکنا
إلا یطلقها علیہ الأمان

(الخلاصة في فقه الاقليات - جمع وإعداد: - علي بن نايف الشحوذ، صناعة الفتوى و فقه الاقليات ۳۶۳، من المكتبة الشاملة) (شوہر کی نافرمانی کرنے والی عورت کو اس کی نافرمانی پر چھوڑنا، حلال نہیں ہے، اور شوہر کو ممکن طریقہ سے اپنی پسند کے مطابق اس عورت سے لازمًا فیہ قبول کرنا ہے، ورنہ عدول کی جماعت اس کی بیوی کو طلاق دے دے گی) اور مجبوری کے تحت مالکیہ کے مذہب کو اختیار کیا جائے گا، جیسا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ”الحيلة الناجزة للحيلة العاجزة“ میں اختیار کیا ہے۔

۳- اگر عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہ آئے یا آئے، مگر دستخط و تفویض پر تیار نہ ہو، اور عدالت حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دے، اور عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو، تو بھی شرعاً یہ فیصلہ نافذ نہیں ہے، لیکن مسلم اقلیتوں کے احوال کو دیکھتے ہوئے جو ”حد ضرورت“ میں داخل ہیں، اس تفریق کی تنفیذ لازم ہوگی، اور وہ اس طرح کہ شوہر پر بیوی کی تظلیق کو لازم قرار دیا جائے، تاکہ عورت نافرمان بن کر معصیت پر برقرار نہ رہے، اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو مسلم پنجائیت یا اسلامی مرکز جس میں علماء بھی ہوں، وہ لازمًا اس طلاق کا فیصلہ کر دیں، تاکہ بیوی معصیت پر نہ رہے، کیونکہ اسی میں فساد کو دور کرنا ہے، اور اسی میں رفع حرج ہے، اور اسی میں قواعد شریعت کی پابندی ہے جو کہ تخفیف، تیسیر، دفع ضرر اور دفع فساد پر مبنی ہیں، اور اسلامی عدالت نہ ہونے کی صورت میں، مسلم قاضی کے قائم مقام مسلمانوں کی جماعت ہے، اور عدالت کے فیصلہ کی تنفیذ خواہ غیر اسلامی عدالت ہو، مصالح کی خاطر اور مفاسد کو دور کرنے اور انار کی ختم کرنے کے لیے جائز ہے، اور یہ مالکیہ کا مذہب ہے، اور مجبوری کے تحت میں اسی کو اختیار کیا جائے گا، جیسا کہ گزرا۔

عز بن عبد السلام تحریر کرتے ہیں: ”ولو استولى الكفار على إقليم عظيم، فولوا القضاء لمن يقوم بمصالح المسلمين العامة، فالذى يظهر إنفاذ ذلك

كله، جلبا للمصالح العامة، ودفعاً للمفاسد الشاملة، إذ يبعد عن رحمة الشارع، ورعايته لمصالح عبادہ، تعطيل المصالح العامة، وتحمل المفاسد الشاملة لفوات الكمال فيمن يتعاطى توليتها، لمن هو أهل لها، وفي ذلك احتمال بعيد“۔ (تواعد الأحكام في مصالح الأنام، لأبي محمد عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام (۶۲۰ھ)، فصل في معاملة من أقر بان أكثر ماني يذہ حرام ۱/ ۷۳، ط: دار المعارف بھرت)

(اور اگر کفار کا وسیع خطہ پر تسلط ہو جائے، اور وہ قضاء کی ذمہ داری ایسے شخص کے سپرد کر دیں، جو مسلمانوں کی عمومی مصلحتوں کو انجام دے، تو جو بات سمجھ میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان سب کو نافذ کیا جائے گا، عمومی مصلحت حاصل کرنے، اور ہمہ گیر مفسدہ کو دور کرنے کی خاطر، کیونکہ شارع کی رحمت اور اپنے بندوں کے مصالح کی رعایت سے بعید ہے کہ عمومی مصالح معطل ہو جائیں، اور ہمہ گیر مفاسد کو انگیز کیا جائے، اس شخص کے اندر کمال کے فوت ہونے کی وجہ سے، جو اہل کو عہدہ سپرد کرتا ہے، اور یہ امکان سے بعید تر ہے)۔

بلاشبہ اقلیتوں کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے، مسلمانوں کی جماعت کو قاضی کے قائم مقام درجہ دیا جاسکتا ہے، کیونکہ شریعت اسلامی نے لوگوں کے معاملات کی بنیاد حکمت اور مصلحت پر رکھی ہے، اور ذمہ داریوں کی تعیین کر دی ہے، اور ان کو مخصوص اداروں کے حوالہ کیا ہے، یقیناً یہ شرعی نظام ہے، اور ان شرعی نظاموں میں سے ایک نظام عدالت ہے، جس کی ذمہ داری قضاة سنبھالتے ہیں، جن کا تقرر خلیفہ یا اس کا نائب یا سلطان مشہور صفات کی بنیاد پر کرتا ہے، جن میں علم و دیانت اہم ہیں، چونکہ غیر مسلم ممالک میں شرعی قضاة موجود نہیں ہیں، لہذا اسلامی پنچایت یا اسلامی مراکز کو بعض تنازعات کے حل کے لیے شرعی درجہ دے سکتے ہیں، فقہاء اس کا نام ”عدول“ یا مسلمانوں کی جماعت رکھتے ہیں، جو قاضی کی نیابت کرتی ہے، کیونکہ امام اصل میں جماعت کا نائب ہے تو جب امام کا وجود شوار ہو، تو بعید نہیں کہ اس کی عدم موجودگی میں جماعت اس کے قائم

مقام ہو جائے، کیونکہ حضرت ابن مسعود کے اثر میں ہے:

”ما رآه المسلمون حسنا، فهو عند الله حسن“ (المستدرک للحاکم، حدیث نمبر ۴۳۳۹، حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے اور ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے، نیز ”المجم الکبیر“ للطبرانی، حدیث نمبر ۸۵۰۴، ”مسند احمد“ حدیث نمبر ۳۶۰۰، اور شعیب اریوطا کا کہنا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے)۔

(جسے مسلمان اچھا سمجھیں، تو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے)۔

اور فقہ مالکی میں جا بجا اس کی صراحت ملتی ہے کہ قاضی کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کی جماعت قاضی کے قائم مقام ہو جائے گی، اور بعض نادر حالات میں قاضی کی موجودگی میں بھی قاضی کے قائم مقام ہو سکتی ہے، مفقود کی بیوی کے احکام کے باب میں خلیل مالکی تحریر کرتے ہیں:

”ولزوجة المفقود الرفع للقاضی والوالی، ووالی الماء، وإلا فلجماعة المسلمین“ (مختصر خلیل ۱۳۶۱، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

(اور مفقود کی بیوی قاضی، والی اور پانی کے والی کے پاس معاملہ لے جائے، ورنہ مسلمانوں کی جماعت کے پاس معاملہ لے جائے)۔

اور خطاب مالکی تحریر کرتے ہیں: ”وأما جماعة المسلمین، فظاهر كلامه، أنه لا یصح ضربهم الأجل أى لزوجة المفقود، إلا عند فقد من ذکر القاضی - والوالی - ووالی الماء“ (موابہ الجلیل فی شرح مختصر شیخ خلیل، فصل لزوجة المفقود، الرفع للقاضی ۱۱/۳۵۹، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

(رہا مسلمانوں کی جماعت، تو مصنف کے کلام سے بظاہر یہ بات نکلتی ہے کہ ان کے لئے مدت مقرر کرنا درست نہیں ہے، مگر جبکہ قاضی، والی اور پانی کا والی موجود نہ ہو)۔

اور ”التاج والاکلیل“ میں ہے: ”لو كانت المرأة فی موضع، لاسلطان فیہ، رفعت أمرها إلی صالحی جیرانها، لیکشفوا عن خیر زوجها، ویضربوا لها

أربعة أعوام، ثم عدة الوفاء، وتحل للأزواج؟ لأن فعل الجماعة في عدم الإمام كحكم الإمام“ (التاج والكليل لمتخرفيل، فصل في زوجة المفقود ۶/۲۲۸، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

(اگر عورت ایسی جگہ ہو، جہاں سلطان نہ ہو، تو وہ اپنے نیک پڑوسیوں کے پاس معاملہ لے جائے، تاکہ وہ اس کے شوہر کا پتہ لگائیں، اور اس کے لیے چار سال کی مدت مقرر کر دیں، پھر عدت وفات گزارے، اور مردوں کے لیے وہ حلال ہو جائے گی، کیونکہ جماعت کا فعل امام کی عدم موجودگی میں امام کے حکم کی طرح ہے)۔

اور زرقانی مالکی مصنف کے قول ”فجماعة المسلمين“ کی شرح میں تحریر کرتے ہیں: ”من صالحی جيرانها، وغيرهم العدول من معظم البلد؛ لأنهم كالإمام الواحد“ (الخاصة في فقہ الأتلیات ۳۲۳)۔

(اپنے نیک پڑوسیوں یا ملک کے دوسرے عدول کے پاس لے جائے، کیونکہ وہ امام واحد کی طرح ہیں)۔

صاوی مالکی تحریر کرتے ہیں: ”إن رفعت أمرها للحاكم، إن كان ثم حاكم شرعي“ أو لجماعة المسلمين عند عدمه“ ولو حكما، كما في زمننا بمصر، إذ لا حاكم فيها شرعي، ويكفي الواحد من جماعة المسلمين، إن كان عدلا، معروفا شأنه، أن يرجع إليه في مهمات الأمور بين الناس، لا مطلق واحد، وهو محمل كلام العلامة الأجهوري، وهو ظاهر، لا خفاء به، والاعتراض عليه تعسف“ (حافیه الصاوی علی الشرح الصغیر، الزوج المفقود فی دار الإسلام ۶/۶۹، من المکتبۃ الشاملۃ)۔

(اگر وہ اپنا معاملہ حاکم کے پاس لے جاتی ہے، اگر وہاں حاکم شرعی ہو، یا حاکم کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کی جماعت کے پاس اپنا معاملہ لے جاتی ہے، اگرچہ حکمی اعتبار سے ہو، جیسا کہ ۱۷۱۷ء کے زمانہ میں مصر کا حال ہے، کیونکہ یہاں کوئی حاکم شرعی نہیں ہے، اور مسلمانوں کی

جماعت سے ایک بھی کافی ہے، اگر عادل ہو، اس کا مرتبہ معروف ہو کہ اس کی طرف لوگوں کے درمیان پیش آنے والے اہم معاملات میں رجوع کیا جائے، مطلق ایک کا اعتبار نہیں ہے، اور یہی علامہ اجہوری کے کلام کا مصداق ہے، اور یہ بالکل ظاہر ہے، اس میں کوئی پوشیدگی نہیں ہے، اور ان پر اعتراض بے جا ہے۔

واضح رہے کہ صاوی نے اپنے آخری کلام کے ذریعہ بنانی کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ایک شخص قاضی کا قائم مقام کیسے ہو سکتا ہے؟ اور ابو عمران مالکی کا قول ہے کہ:

”أن المكاتب إذا بعث لسيدہ بكتابتہ، فلم يقبلها، لا يخرج عن الرق، حتى يقضى عليه القاضي، بذلك، إلا أن يكون ببلد لاحاكم فيه، فليشهد، ويكون ذلك كالحكم“ (مواہب الجلیل فی شرح مختصر ظلیل، فرع: المرأۃ یغیب عنہا زوجہا، ۱۲/۷۴، جلد اور صفحہ نمبر مکتبہ شاملہ کے مطابق ہے)۔

(اگر اپنے آقا کو بدل کتابت بھیجے، اور اس نے قبول نہیں کیا، تو وہ غلامی سے نہیں نکلے گا، یہاں تک کہ اس کا فیصلہ قاضی کرے، مگر یہ کہ ایسے شہر میں ہو، جہاں حاکم نہ ہو، تو گواہ بنا لے، اور یہ قاضی کے فیصلہ کی طرح ہوگا)۔

چنانچہ یہ بالکل واضح ہے کہ ابو عمران نے گواہ بنانے کو فیصلہ کے قائم مقام قرار دیا ہے، اور یہی حکم بیع فاسد کے فسخ کرنے، محارب اور قصاص و دیت کے بارہ میں ہے، اور اگر مرنے والا بیٹی اور عصبہ چھوڑے، اور دونوں میں اختلاف ہو جائے، اور امام نہ ہو، تو یہی حکم ہے، اور ابن یونس نے کتاب الحماۃ میں ذکر کیا ہے کہ عدول کی جماعت امام کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ (مرجع سابق ۱۲/۷۴)۔

اور ”مواہب الجلیل“ میں ایک دوسری جگہ ہے: ”إذا تخرج الناس لعدم القضاة، أو لكونهم غير عدول، فجماعتهم كافية في الحكم في جميع

ماوصفته، وفي جميع الأشياء، فيجتمع أهل الدين والفضل، فيقومون مقام القاضى فى ضرب الآجال، والطلاق وغير ذلك“ (مصدر سابق ۷۵/۱۲)۔

(قاضیوں کے نہ ہونے سے لوگوں کو حرج ہو، یا اس وجہ سے کہ وہ عادل نہ ہوں، تو مسلمانوں کی جماعت ان تمام باتوں میں فیصلہ کے لیے کافی ہے، جو تم نے بیان کیا، اور تمام چیزوں میں، چنانچہ اہل دین و فضل جمع ہو کر مدت مقرر کرنے اور طلاق وغیرہ کے سلسلہ میں قاضی کی نیابت کریں گے)۔

اور ”التاج“ میں ہے: ”وأما إن رفعت إلى عدول بلدها، والثقات من جيرانها، ولم ترفع أمرها إلى السلطان، فإحدى الروایتین أن ذلك ليس بشيء، وعلى هذه الرواية العمل، وبها الفتيا، وصبوب الشيخ أبو الحسن الرواية الأخرى، وأن رفعها إلى الجيران كرفعها إلى السلطان، وكثير من النساء لا ترضى الرفع للسلطان، وتراه معرة وفسادا مع زوجها، إن قدم، ابن عرفة: الذى استمر عليه عمل قضاة بلدنا أن الرفع إلى العدول كالرفع إلى السلطان، والرفع للجيران لغو“ (التاج والإكليل لمؤلف خليل بن أسباب الفتنة النكاح ۷۶/۳۰۷)۔

(رہا اگر عورت اپنے شہر کے عدول اور اپنے معتبر پڑوسیوں کے پاس معاملہ لے جائے، اور معاملہ سلطان کے پاس نہ لے جائے، تو ایک روایت کے مطابق اس کا اعتبار نہیں ہے، اور اسی روایت پر عمل ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے، اور شیخ ابوالحسن نے دوسری روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ پڑوسیوں کے پاس معاملہ لے جانا بادشاہ کے پاس معاملہ لے جانے کی طرح ہے، اور بہت سی عورتیں سلطان کے پاس معاملہ لے جانا پسند نہیں کرتی ہیں، اور اسے عار تصور کرتی ہیں، اور اپنے شوہر کے ساتھ بگاڑ کا ذریعہ سمجھتی ہیں، اگر شوہر آجائے، اور ابن عرفہ کہتے ہیں کہ جس پر ہمارے شہر کے قاضیوں کا عمل جاری ہے، وہ یہ ہے کہ عدول کے پاس مقدمہ لے جانا سلطان کے

پاس معاملہ لے جانے کی طرح ہے، اور پڑوسیوں کے پاس معاملہ لے جانا لغو ہے۔

اور ابن فرحون مالکی تحریر کرتے ہیں: ”تنعقد ولاية القضاء باجماع ذوى الرأى، وأهل العلم والمعرفة والعدالة لرجل منهم، كملت فيه شروط القضاء، وهذا حيث لا يمكنهم مطالعة الإمام في ذلك ولا أن يستدعوا منه ولايته ويكون عقدهم له نيابة عن عقد الإمام الأعظم، أو نيابة عمن جعل الإمام له ذلك، للضرورة الداعية إلى ذلك“ (تبرہ الحکام فی أصول الاقضية، و مناج الاحکام، فصل القضاء، منعقد بأحد وجمین ۴۱/۱، جلد اور صفحہ نمبر مکتبہ شاملہ کے مطابق ہے)

(قضاء کی ولایت اہل علم و عدل اور اصحاب رائے کے اتفاق سے منعقد ہو جاتی ہے، ان ہی میں سے کسی ایسے شخص کے لیے جن میں قضا کی شرطیں کامل درجہ میں ہوں، اور یہ وہاں ہوگا، جہاں امام سے رجوع ممکن نہ ہو، اور نہ ہی اس سے ولایت کا مطالبہ ممکن ہو، اور ان کا اس شخص کو عہدہ قضاء پر تقرر کرنا، امام اعظم کی نیابت یا اس شخص کی نیابت میں ہوگا، جس کی ذمہ داری میں قاضی کا تقرر کرنا بھی شامل ہو، کیونکہ ضرورت موجود ہے جو اس کی محرک ہے۔)

اگر شہر میں قاضی نہ ہو، تو شہر کے صالحین ان کا نکاح کر دیں گے، جو نکاح کرنا چاہیں، اور ابو جعفر احمد بن نصر داودی سے اس عورت کے بارہ میں پوچھا گیا جو نکاح کرنا چاہے، اور وہ شیبہ ہو، اور شہر میں حاکم نہ ہو، اور اس کے اولیاء بھی غائب ہوں، کیا وہ اپنا معاملہ شہر کے فقہاء کے پاس لے جائے، کہ وہ کسی کو حکم دیں، جو اس کا نکاح کر دے، اور اس صورت کا کیا حکم ہے کہ شہر میں نہ عالم ہو، اور نہ قاضی، اپنا معاملہ باکرہ اور شیبہ دونوں صورت میں شہر کے عدول کے پاس لے جائے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ شہر میں قاضی نہ ہو، تو شہر کے صالحین جمع ہو کر اس کے نکاح کرانے کا حکم دیں، اور ان سے ملک ”مصادمہ“ کے بارہ میں پوچھا گیا کہ بسا اوقات ان کا سلطان نہیں ہوتا ہے، اور چوروں اور شراب نوشوں اور دیگر اہل فساد پر حد واجب ہوتی ہے، تو کیا

اور علامہ شامی محقق ابن ہمام کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ”وفی الفتح: وإذا لم يكن سلطان، ولا من يجوز التقليد منه، كما هو في بعض بلاد المسلمين، غلب عليهم الكفار، كقرطبة الآن، يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم، يجعلونه والياً، فيولى قاضياً، أو يكون هو الذي يقضى بينهم، وكذا ينصبوا إماماً ما يصلح بهم، وهذا هو الذي تطمئن النفس إليه، فليعتمد، نصر“ (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب فی حکم تولیۃ القضاء فی بلاد تغلب علیہا الکفار ۸/۴۳)۔

(”فتح القدر“ میں ہے کہ اگر کسی ملک میں کوئی مسلمان سلطان نہ ہو، اور نہ کوئی ایسا حاکم ہو جس کی طرف سے قاضی کا تقرر درسد، جیسا کہ آج بعض مسلم ممالک مثلاً قریطہ وغیرہ کا حال ہے، جہاں غیر مسلموں کا تسلط و اقتدار ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو اپنے اتفاق و رضامندی سے اپنا والی و امیر مقرر کر لیں، جو ان کے لیے قاضی مقرر کر دے، یا خود وہ والی ہی ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے، ابن ہمام کا کلام ختم ہوا، اور اسی پر نفس کو اطمینان ہوتا ہے، تو اسی پر اعتماد کیا جائے ”المنہر الفائق“ میں ایسا ہی مذکور ہے)۔

اور علامہ ابو یعلیٰ فراء حنبلی تحریر کرتے ہیں: ”ولو أن أهل بلد، قد خلا من قاض، أجمعوا على أن قلدوا عليهم قاضياً، نظرت، فإن كان الإمام موجوداً، بطل التقليد، وإن كان مفقوداً، صح، ونفذت أحكامه عليهم“ (الأحكام السلطانية لأبي يعلى محمد بن الحسين الفراء الحنبلي (۱۳۵۸ھ)، ص ۷۳، ط: دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱۳۲۱ھ۔ ۲۰۰۰م)۔

(اور اگر کسی ایسے شہر کے باشندگان، جو قاضی سے خالی ہو جائے، کسی کو قاضی بنانے پر اتفاق کر لیں، تو غور کیا جائے گا، سو اگر امام موجود ہو، تو عہدہ قضا پر تقرر کرنا باطل ہے، اور اگر مفقود ہو، تو تقرر صحیح ہے، اور اس کے فیصلے ان پر نافذ ہوں گے)۔

اور اگر غیر مسلم عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق نہ ہو، اور عورت کسی بھی حال

میں شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہو، اور نہ خلع پر راضی ہو، تو غیر مسلم ممالک میں رہنے والی مسلم اقلیت کے حالات کے پیش نظر جو حد ضرورت میں داخل ہیں، اس فیصلہ کی تشفیہ لازم ہوگی، وہ اس طرح کہ شوہر خود طلاق دے دے، ورنہ اسلامی پنچایت یا اسلامی مرکز اس کی جانب سے طلاق کا فیصلہ کر دے، تاکہ عورت معصیت پر برقرار نہ رہے۔ جیسا کہ گزرا۔

غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کے مسلم حج کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت نہیں دے سکتے ہیں، کیونکہ اس کا تقرر مسلم قاضی کی حیثیت سے نہیں کیا گیا ہے، اور کافر حاکم کا کسی مسلمان کو مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کے لیے قاضی کی حیثیت سے تقرر کرنا، اگرچہ صحیح ہے، علامہ شامی تحریر کرتے ہیں: "فی التاتارخانیة: الإسلام ليس بشرط فيه: أي في السلطان الذي يقلد" (رد المحتار، کتاب القضاء، بحث: يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجار، ولو كافر، ۴۳/۸)۔

(تاتارخانیہ میں ہے کہ جو بادشاہ قاضی کا تقرر کرتا ہے، اس کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے)۔ اور دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں: "والإشارة بقوله: "وهذا" إلى ما أفاده كلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من كافر، على خلاف ما مر عن التاتارخانية، ولكن إذا ولي الكافر عليهم قاضيا" (۴۳/۸)۔

(اور اسی پر نفس کو اطمینان ہوتا ہے، اس کے ذریعہ اشارہ، اس بات کی طرف ہے، جو "فتح القدير" کی گفتگو سے نکلتی ہے، یعنی کافر کی طرف سے عہدہ قضا پر تقرری درست نہیں ہے، اور یہ اس کلام کے برخلاف ہے جو تاتارخانیہ سے منقول ہو کر گزرا، لیکن اگر کافر مسلمانوں کا قاضی کسی کو بنا دے، اور مسلمان اس پر راضی ہو جائیں، تو بلاشبہ اس کی تقرری درست ہوگی، اور "البحر الرائق" میں ہے: "وأطلق في الجائر، فشمّل المسلم والكافر، كما ذكره مسكين معز يا إلى الأصل، وظاهره صحة سلطنة الكافر على المسلمين، وصحة توليته للقضاة" (البحر الرائق، کتاب القضاء، فصل في التقليد ۶/۶۶۱)۔

(اور ظالم سلطان کو مطلق رکھا ہے، تو یہ مسلمان اور کافر دونوں کو شامل ہے، جیسا کہ ملا مسکین نے ”مبسوط“ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، اور اس سے بظاہر یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں پر کافر کی سلطنت صحیح ہے، اور اس کا قاضی کا تقرر کرنا بھی صحیح ہے)۔

ان عبارتوں سے پتہ چلا کہ کافر سلطان اگر مسلمان حج کا تقرر عمومی معاملات کے لیے کرے، تو اسے مسلم قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے۔

البتہ اگر مسلم حج اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت مسلم میاں بیوی کے درمیان فیصلہ فرقت کرے، اور وہ فیصلہ اسلامی قانون کے لحاظ سے درست ہو، تو ”رفع ضیق“ اور ”درء مفسدہ“ کے تحت اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، تاکہ مسلمان عورت معصیت پر نہ رہے۔

لیکن بہتر یہ ہے کہ اس فیصلہ کی تنفیذ اسلامی پنچایت یا اسلامی مرکز کے ذریعہ ہو۔

۵- معاملات تین طرح کے ہیں: (۱) دیوانی معاملات (۲) تعزیری معاملات (۳)

خانگی معاملات۔

اور قاضی کا مسلمان ہونا ان سارے معاملات میں شرط ہے، کیونکہ غیر مسلم کو مسلم پر ولایت حاصل نہیں ہے، اور اس لیے بھی کہ قانون اسلامی کی روح کو وہی پہچان سکتا ہے، جو اس پر ایمان بھی رکھتا ہو، نیز شریعت کے مقاصد و اہداف کا ادراک وہی کر سکتا ہے جو اس پر عقیدہ رکھتا ہو، اور اس کی تطبیق کا خواہاں ہو، چنانچہ غیر مسلم حج اگرچہ اسلامی قانون کا علم رکھتا ہو، وہ اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے وہ ذہنی سرگرمی نہیں کر سکتا ہے، جو کہ مطلوب ہے۔

تنویر الأبصار میں ہے: ”وأهلہ أهل الشہادة“ (تنویر الأبصار ۲۳/۸) (اور قضا کی اہلیت وہی رکھتا ہے، جو مسلمانوں کے خلاف شہادت کی ادائیگی کی اہلیت رکھتا ہے)۔

اور رد المحتار میں ہے: ”و حاصلہ: أن شروط الشہادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية، وعدم العمى، والحد فی القذف، شروط لصحة تولیتہ، ولصحة حکمہ بعدها، ومقتضاه أن تقلید الکافر لا یصح“ (رد المحتار ۲۳/۸)۔

(حاصل کلام یہ کہ شہادت کی شرطیں یعنی اسلام، عقل، بلوغ، آزادی، اندھا پن نہ ہونا، اور تہمت زنا میں سزا یافتہ نہ ہونا، قاضی بنائے جانے کی صحت کی، اور اس کے بعد اس کے فیصلہ کے صحیح ہونے کی شرطیں ہیں، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ کافر کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے)۔

اور ”الحجر“ کے حوالہ سے تحریر کرتے ہیں: ”قال: فی البحر: وبہ علم أن تقلید الکافر صحیح، وإن لم یصح قضاؤه علی المسلم، حال کفره“ (رد المحتار، کتاب القضاء، ۲۳/۸) ”الحجر الرائق“ میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کو قاضی بنانا صحیح ہے، اگرچہ کفر کی حالت میں مسلمان کے حق میں اس کا فیصلہ صحیح نہیں ہے)۔

اور ایک جگہ تحریر کرتے ہیں: ”ظہر من کلامهم حکم القاضی المنسوب فی بلاد الدروز فی القطر الشامی، ویکون درزی، ویکون نصرانی، فکل منهما، لا یصح حکمه علی المسلمین، فإن الدرزی لامله له، کالمنافق والزندق، وإن سمی نفسه مسلما، وقد أفتی فی الخیرة بأنه لا تقبل شهادته علی المسلم، والظاهر أنه یصح حکم الدرزی علی النصرانی، وبالعکس تأمل“ (رد المحتار، کتاب القضاء، ۲۳/۸)۔

(فقہاء کے کلام سے اس قاضی کا حکم ظاہر ہو گیا جو ملک شام کے دروز علاقے میں مقرر ہے، جو درزی ہوتا ہے اور نصرانی ہوتا ہے، تو دونوں میں سے ہر ایک کا فیصلہ مسلمانوں کے معاملات میں درست نہیں ہے، کیونکہ درزی کا کوئی مذہب نہیں ہے، جیسے منافق اور زندق کا حال ہے، اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں اور ”الخیریہ“ میں فتویٰ دیا ہے کہ درزی کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ نصرانی پر درزی کا فیصلہ اور برعکس صحیح ہے، غور کرو)۔

جہاں تک کہ غیر مسلم عدالت کے فیصلہ کے اعتبار کا تعلق ہے، تو اصل یہ ہے کہ ایک مسلمان غیر مسلم عدالت کی طرف رجوع نہ کرے، کیونکہ ایسی عدالت کی طرف مقدمہ لے جانا،

جو غیر الہی قانون کے مطابق فیصلہ کرے، طاغوت کی طرف مقدمہ لے جانا ہے، جس کے انکار کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ارشاد الہی ہے:

”ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك ، وما أنزل من قبلك، يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت، وقد أمروا أن يكفروا به، ويريد الشيطان أن يضلهم ضلالاً بعيداً“ (النساء: ۶۰)۔

(کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی، جو دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں، جو آپ پر نازل کی گئی ہے، اور جو آپ سے قبل نازل ہو چکی ہے (لیکن) چاہتے ہیں کہ اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم مل چکا کہ وہ اس کا انکار کریں، اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں دور دراز کی گمراہی میں ڈال دے)۔

لیکن جو شخص غیر اسلامی عدالت میں جانے پر مجبور کر دیا گیا ہو، اس طرح کہ اس کے خلاف دعویٰ قائم کر دیا گیا ہو، تو وہ مکروہ و مجبور کے حکم میں ہے، اور اس پر گناہ نہیں ہے، ارشاد الہی ہے: ”إلا من أكره، وقبله مطمئن بالإيمان“ (النحل: ۱۰۶) (سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا ہو، اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو)۔

بہتر یہ ہے کہ مسلمان آپس میں ہی صلح کر لیں یا کسی عالم دین یا اسلامی مرکز کے ذریعہ اپنے معاملات حل کر لیں، البتہ چونکہ سارے وضعی قوانین اسلامی شریعت کے مخالف نہیں ہیں، لہذا اگر کسی کا حق ہو، یا وہ ظلم کا شکار ہو، اور حق کی وصولیابی یا ظلم کو دور کرنا قانونی عدالت میں مقدمہ لے جائے بغیر ممکن نہ ہو، تو اس کو اپنا حق وصول کرنے اور ظلم کو دور کرنے کے لیے غیر مسلم عدالت میں مقدمہ لے جانا درست ہوگا: ”لأن الضرورات تبيح المحظورات“ (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں)۔

اور اگر غیر مسلم عدالت کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو، تو مالی معاملات میں اس کا

اعتبار ہوگا، عز بن عبد السلام تحریر کرتے ہیں:

”بل لو تعذرت العدالة في جميع الناس، لما جاز تعطيل المصالح المذكورة، بل قدمنا أمثل الفسقة فأمثلهم، وأصلحهم للقيام بذلك، فأصلحهم، بناء على انا إذا أمرنا بأمر أتينا منه بما قدرنا عليه، ويسقط عنا ما عجزنا عنه، ولا شك أن حفظ البعض أولى من تضييع الكل وقد قال شعيب عليه السلام: ”إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت“ (ہود: ۸۸) وقال الله: ”فاتقوا الله ما استطعتم“ (التغابن: ۱۶)، ”فعلق تحصيل مصالح التقوى على الاستطاعة، فكذلك المصالح كلها“ (قواعد الأحكام، فصل فيما يقدح في الظنون من ۳۷۲، ۳۷۳: دار المعارف، بیروت)۔

(بلکہ اگر عدالت تمام لوگوں میں معذور ہو جائے، پھر بھی ذکر کردہ مصالح کو معطل کرنا درست نہ ہوگا، بلکہ فاسقوں میں سے بہتر کو مقدم کریں گے، پھر جو اس کے بعد بہتر ہو، اور شہادت کو انجام دینے کے لیے جو زیادہ لائق ہو، پھر اس کے بعد جو زیادہ لائق ہو، اس بنیاد پر کہ ہمیں جب کسی کام کا حکم دیا جائے، تو ہم اس میں سے اس کو انجام دیں گے، جس پر ہمیں قدرت ہوگی، اور ہم سے وہ چیز ساقط ہو جائے گی، جس سے ہم عاجز ہوں گے، اور اس میں شک نہیں کہ بعض کی حفاظت کل کو ضائع کرنے سے بہتر ہے، اور شعیب - علیہ السلام - نے فرمایا: ”میں تو صرف اپنی قدرت بھر اصلاح کرنا چاہتا ہوں“، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”سو جہاں تک تمہارے بس میں ہو، اللہ سے ڈرتے رہو“، تو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے مصالح کی تحصیل کو استطاعت پر مطلق کیا ہے، تو ایسے ہی سارے مصالح کا حکم ہوگا)۔

اور عبد اللہ شقیطی تحریر کرتے ہیں: ”شهادة اللفي، حيث وجد المستورون، أما إذا كان أهل البلد كلهم فساقاً، فقد نقل القرافي في الذخيرة

عن ابن ابی زید، إن لم يوجد في جهة إلا غير العدل، أقيم أصلهم، وأقلهم فجوراً للشهادة عليهم، ويلزم مثل ذلك في القضاة وغيرهم، لكيلا تضيع المصالح، قال: وما أظن أنه يخالف أحد في هذا، فإن التكليف مشروط بالإمكان، وفي المذهب لابن رشد أن الموضع إذا لم يكن فيه عدل، قبلت شهادة أفضلهم، ومثل هذا عن أحمد بن نصر“ (طرد الضوال والهمل عن الكروغ في حياض العمل لعبدالله الشافعي ص ۲۵)۔

(مجموعہ کی گواہی وہاں ہوگی، جہاں مستور الحال لوگ پائے جاتے ہوں، رہا جبکہ شہر کے سارے لوگ فاسق ہوں، تو قرآنی نے ”ذخیرہ“ میں ابن ابی زید سے نقل کیا ہے کہ اگر اس خطہ میں صرف غیر عادل پائے جائیں، تو زیادہ لائق اور کم برائی والے کو ان پر گواہی کے لئے کھڑا کیا جائے گا اور اسی کی مانند قضاة میں بھی لازم ہے، تاکہ مصالح ضائع نہ ہوں، اور انہوں نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی مخالفت کرے گا، کیونکہ تکلیف امکان کے ساتھ مشروط ہے، اور ابن رشد کی ”المذہب“ میں ہے کہ اگر وہاں عادل نہ ہوں، تو ان میں سے جو افضل ہو، اس کی گواہی قبول ہوگی، اور ایسا ہی احمد بن نصر سے منقول ہے)۔

اور خلیل مالکی لکھتے ہیں: ”وقبل للتعذر غير عدول، وإن مشركين“ (مختصر خلیل

۱۷۷۶، باب الخیار، التنازع أسباب رد المبيع ۱۵۶، ط: دارالحدیث، القاہرہ، الطبعة الأولى ۱۹۲۶ھ-۲۰۰۵م)۔

(اور دشواری کی وجہ سے غیر عدول کی شہادت قبول کی گئی، اگرچہ وہ مشرک ہوں)۔

خرشی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ”یعنی أن المتبايعين إذا تنازعا في عيب في

المبيع، فإنه يقبل في معرفته غير العدل، وإن مشركين“ (شرح مختصر خلیل للخرشی، فصل فی بیع

الخيار ۱۳۹/۵، جلد اور صفحہ مکتبہ شاملہ کے مطابق ہے)۔

(یعنی اگر بائع اور مشتری میں مبیع کے اندر پائے جانے والے عیب میں اختلاف

ہو جائے، تو اس کی معرفت میں غیر عادل کا قول قبول کیا جائے گا، اگر چہ وہ مشرک ہوں۔
 اور کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف وصیت میں امام احمد کے نزدیک قبول ہے، ارشاد
 الہی ہے: ”أَوْ آخِرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ“ (المائدہ: ۱۰۶) (یا دو دوسرے تمہارے غیروں میں سے،
 اگر تم سفر میں ہو)۔

ابن کثیر تحریر کرتے ہیں: ”وہذان شرطان لجواز استشهاد الذمین عند
 فقد المؤمنین، ان یکون ذلک فی سفر، وان یکون فی وصیة، کما صرح
 بذلک شریح القاضی وقد روی نحوه عن الإمام أحمد بن حنبل - رحمه
 اللہ تعالیٰ - وهذه المسألة من أفرادہ، وخالفہ الثلاثة، فقالوا: لا تجوز شهادة
 أهل الذمة علی المسلمین، وأجاز أبو حنیفة فیما بین بعضهم بعضاً“ (تفسیر القرآن
 العظیم لابن کثیر، اسماعیل بن عمر (۷۷۷ھ) ۷۹۰-۸۹۱، مؤسسة الریان، بیروت، الطبعة الثانیة ۱۳۲۸ھ-
 ۲۰۰۷م)۔

(اور یہ دو شرطیں ہیں مسلمانوں کے عدم موجودگی میں ذمی کافر کو گواہ بنانے کے جواز
 کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ سفر میں ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ وصیت میں ہو، جیسا کہ شریح
 قاضی نے اس کی صراحت کی ہے اور اسی کی مانند امام احمد سے مروی ہے، اور یہ مسئلہ ان کے
 تفردات میں سے ہے، اور ائمہ ثلاثہ نے ان کی مخالفت کی ہے، اور کہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف
 ذمی کافروں کی شہادت جائز نہیں ہے، اور امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کی شہادت ایک دوسرے کے
 خلاف جائز قرار دیا ہے)۔

ان عبارتوں سے پتہ چلا کہ مجبوری میں کافروں کی شہادت انگیز کی جاسکتی ہے، لہذا
 مسلم اقلیت کے حالات کے پیش نظر مالی معاملات میں غیر مسلم عدالت کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا، اگر
 وہ فیصلہ اسلامی قانون سے ہم آہنگ ہو۔

خلاصہ بحث:

- ۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میرے رشتہ ازدواج کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، تو اسے تفویض مقید جو مجلس کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتی ہے، مان سکتے ہیں، پھر بھی احتیاط یہ ہے کہ عدالت کے فیصلہ کے بعد شوہر خود بھی طلاق دے دے۔
- ۲- شوہر کی دستخط تفویض طلاق نہیں ہے، اور عدالت کا فیصلہ شرعاً غیر معتبر ہے، یا تو شوہر خود طلاق دے دے، یا اسلامی پنچایت یا اسلامی مرکز اس کی طرف سے طلاق کا فیصلہ کرے۔
- ۳- اس صورت میں بھی عدالت کا فیصلہ غیر معتبر ہے، اگر عورت شوہر کے ساتھ کسی قیمت پر رہنا نہ چاہے اور نہ ہی خلع کے لیے تیار ہو، تو عورت کو معصیت پر برقرار رہنے سے بچانے کے لیے شوہر پر لازم ہے کہ خود طلاق دے دے، ورنہ اسلامی مرکز اس کی طرف سے طلاق دے دے۔
- ۴- مسلم حج کو مسلم قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے، البتہ اس کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہو، تو اس کا اعتبار ہو سکتا ہے۔
- ۵- اصولی اعتبار سے غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرنے کی اہلیت منسلوب ہے، البتہ اگر اس کا فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق صحیح ہے، تو ضرورت کے تحت مالی معاملات میں اس کا اعتبار ہوگا۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی

جن امور میں قاضی کی ضرورت ہے اس قاضی سے ”شرعی قاضی“ مراد ہے جس کے لیے (۱) عاقل (۲) بالغ (۳) آزاد (۴) مسلمان (۵) سمیع (۶) بصیر (۷) قادر الکلام ہونے پر اتفاق ہے، البتہ عدالت، ذکوریت اور اجتہاد بھی ضروری ہے یا نہیں حنفیہ کے یہاں ضروری نہیں جب کہ دوسرے فقہاء ان کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۳۳۹ کتاب آداب القاضی، مطبوعہ زکریا پبلیشنگ، ۱۳۱۹ھ، الإقناع للخطیب ۳/۱۸، مطبوعہ مصر ۱۳۷۰ھ، فتح المعین ۲۸۳ مطبوعہ مکتبۃ الباز ۲۳/۱۳ باب القضاء)۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء کی رائے ہے کہ جو ممالک دار الحرب کے زمرے میں ہیں وہاں حدود اور ان کے ملحقات لعان وغیرہ کا نفاذ نہیں ہوگا۔

البتہ کچھ وہ احکام جن کا تعلق عقود و فسوخ یا ادائے طاعات سے ہے اور بعض اوقات قاضی و حاکم کے فقدان سے بہت سے مصالح متاثر ہوتے ہیں ایسے مسائل کے بارے میں متعدد علماء کی تصریح اس طرح ملتی ہے کہ اس حد تک خصوصی دار القضاء یا شرعی پنچایت سے استفادہ کر کے فیصلہ کرایا جاسکتا ہے، البحر الرائق میں ہے:

”وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو في بعض بلاد

المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن وبلنسیة وبلاد الحبشة وأقروا المسلمین عندهم علی مال یؤخذ منهم یجب علیہم أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیاً فیولی قاضياً أو یكون هو الذی یقضى بینہم“ (البحر الرائق ۱/۲۷۳، کتاب القضاء، مطبوعہ کوئٹہ پاکستان)۔

(جب کسی ملک میں نہ سلطان ہو اور نہ ایسا حاکم ہو جس کی طرف سے قاضی کا مقرر کیا جانا درست ہو جیسا کہ بعض بلاد اسلامیہ ہیں جن پر کافروں کا غلبہ ہو چکا ہے جیسے کہ قرطبة، بلنسیہ اور حبشہ ہیں کہ مسلمانوں سے کچھ خراج وصول کر کے یہاں کے حکمرانوں نے یہاں کے قیام کو باقی رکھا تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے ہی میں سے بہ اتفاق رائے والی مقرر کر لیں اور وہ والی یا تو خود مسلمانوں کے تنازعات کا فیصلہ کرے یا اس کام کے لیے کسی اور کو قاضی مقرر کرے)۔

نیز لکھتے ہیں:

”وأما فی بلاد علیہا ولایة الکفارة فیجوز للمسلمین إقامة الجمع والأعیاد ویصیر القاضی قاضياً بتراضی المسلمین ویجب علیہم طلب والٍ مسلم“ (حوالہ بالا ۱/۲۷۳)۔

(وہ ممالک جہاں حکمراں کفار ہیں مسلمانوں کے لیے جمعہ و عیدین کی اقامت درست ہے اور وہاں مسلمانوں کی باہمی رضا مندی سے مقرر ہونے والا قاضی، قاضی متصور ہوگا نیز مسلمانوں پر واجب ہے کہ کسی مسلمان والی کا مطالبہ کریں)۔

کچھ اسی طرح کی بات فتاویٰ بزازیہ میں بھی موجود ہے (دیکھئے: فتاویٰ بزازیہ علی البندیہ، کتاب السیر، الفصل الثالث فی النظر والإیاحہ ۳۱۱/۶ مطبوعہ بیروت لبنان ۱۴۰۰ھ)۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے جس وقت ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا تو اس وقت انہوں نے قاضیوں کے باب میں بھی ایک معتدل اور مؤثر فتویٰ جاری کیا جو حسب ذیل ہے:

”اگر دارالحرب میں کفار کی طرف سے مسلمانوں کے لیے کوئی والی مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے، ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص کو جو امین اور دیانت دار ہو اپنا سر دار قرار دے لیں کہ اسی کی اجازت سے جمعہ و عیدین کا قیام، ایسے نابالغ بچوں کا نکاح جن کا کوئی ولی نہ ہو، یتیموں کے مال کی حفاظت، نزاعی مقدمات میں شریعت کے متعین کردہ حصے کے مطابق وراثت کی تقسیم وغیرہ عمل میں آئے، نیز امور سلطنت میں کوئی مداخلت اور خلل اندازی بھی نہ کی جائے۔ (فتاویٰ عزیزیہ ۱/۳۲ بحوالہ جدید فقہی مسائل مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ۲۴۸/۳)۔

اگر دارالقضاء کا نظام قائم نہیں ہو سکتا ہے تو ایسے وقت میں ”شرعی پنچایت“ جو فقہائے مالکیہ کی اصطلاح میں ”جماعت المسلمین“ سے تعبیر کیا جاتا ہے وہ پیش آمدہ مسائل: نکاح و طلاق وغیرہ کو حل کر سکتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بڑی تفصیل سے اس نقطہ پر بحث کیا ہے، حضرت ”شرعی پنچایت“ کے شرائط و قیود کو ذکر فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(۱) کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہو، ایک یا دو آدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

(۲) اس جماعت کے تمام ارکان کا عادل ہونا شرط ہے اور عادل وہ شخص ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو، اور اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہو تو فوراً توبہ کر لیتا ہو، لہذا سو دخور، اور رشوت لینے والا، داڑھی منڈانے والا، جھوٹ بولنے والا، اور بے نمازی اس جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔

اگر بد قسمتی سے کسی جگہ کے بااثر لوگ دین دار نہ ہوں تو یہ تدبیر کر لی جائے کہ وہ بااثر اشخاص چند دین داروں کو اختیار دیدیں تاکہ شرعاً فیصلہ کی نسبت دین دار جماعت کی طرف ہو، اور ان بااثر اشخاص کو کوشش کا ثواب حاصل ہو جائے۔

فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے، صرف عوام کی جماعت کا فیصلہ حکم قاضی کے قائم مقام نہیں ہو سکتا، اس لیے اولاً تو یہ چاہیے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں، اور

اگر یہ میسر نہ ہو تو کم از کم ایک معاملہ فہم عالم کو ضرور جماعت کا رکن بنائیں اور دوسرے ارکان معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ان عالم سے خوب سمجھ کر رائے قائم کریں، اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو تو یہ چاہیے کہ جماعت کے سب ارکان اہل علم ہوں، اور اگر کسی جگہ یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر یہ لازم ہے کہ جماعت کے ارکان معاملہ کی روئداد مکمل کر کے علمائے محققین سے ہر ہر جزئیہ کا حکم دریافت کر لیں، اور جوان کا فتویٰ ہو اس کے موافق فیصلہ کیا جائے، اگر ایسا نہ کیا بلکہ عوام نے محض اپنی رائے سے فیصلہ کر دیا تو وہ حکم نافذ نہ ہوگا، اور فیصلہ بالکل بے کار اور غیر معتبر رہے گا، اگرچہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق بھی ہو۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جماعتِ مسلمین کے سب ارکان متفقہ فیصلہ دیں، اگر رائے مختلف رہے اور کثرتِ رائے کی بنا پر فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا، پس اگر ارکان میں اختلاف رہے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے (دیکھئے: الخیلة: الناجزہ ۴۳-۴۶)۔

۱- غیر شرعی عدالت میں فیصلہ طلاق کا حکم:

غیر مسلم عدالت میں شوہر کا درخواست پیش کرنا تفویض و تحکیم تو نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ تفویض کا تعلق زوجین سے ہوتا ہے، لہذا یہ کہ اجنبی کو اس کی مشیت پر چھوڑ دیا جائے، اور تحکیم میں قاضی کے شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، جبکہ قاضی اور جج، صورت مذکورہ میں کافر ہے، ہاں اس کو توکیل مانا جا سکتا ہے، توکیل کے لیے اسلام شرط نہیں ہے، صرف ذی عقل ہونا، اور صحیح التصرف ہونا کافی ہے علامہ کا سانی لکھتے ہیں:

”و کذا ردة الوکیل لاتمنع صحة الوكالة فتجوز وكالة المرتد بأن وکل مسلم مرتداً، لأن وقوف تصرفات المرتد لوقوف ملکہ و الوکیل يتصرف فی ملک المؤکل وانه نافذ التصرفات“ (بدائع الصنائع: ۱۶/۵ کتاب الوكالة مطبوعہ: زکریا دیوبند)۔

(اسی طرح وکیل کا مرتد ہونا وکالت کی صحت کے لیے مانع نہیں ہے، لہذا مرتد کی وکالت صحیح ہے۔ بایں طور کہ کوئی مسلمان کسی مرتد کو وکیل بنا دے، اس لیے کہ مرتد کے تصرفات کا (اس کے عود الی الاسلام پر) موقوف ہونا اس کی ملکیت کے موقوف ہونے کی وجہ کر ہے، لیکن (زیر بحث مسئلہ میں) وکیل مؤکل کے ملک میں تصرف کر رہا ہے، نیز وکیل جائزاً تصرف ہے)۔
علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

”ما يرجع إلي الوكيل فالعقل فلا يصح توكيل مجنون وصبي لا يعقل، لا البلوغ والحرية وعدم الردة فيصح توكيل المرتد ولا يتوقف“ (المحرر ۱۳۰۷ کتاب الوکالۃ، مطبوعہ: پاکستان)۔

(وکیل کے لیے جو چیزیں ضروری ہیں ان میں سے عقل ہے، لہذا پاگل اور غیر ممیز بچے کو وکیل بنانا جائز نہیں، نفس بلوغ، حریت، اور عدم ارتداد شرط نہیں ہے، لہذا مرتد کو وکیل بنانا صحیح ہے، یہ (اس کے عود الی الاسلام پر) موقوف بھی نہیں ہے)۔
اس لیے غیر مسلم حج کے فیصلہ کو تصرف وکیل تصور کیا جائے گا، اور اس طرح عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

عورت کی طرف سے غیر شرعی عدالت میں درخواست تفریق:

عورت کو طلاق لینے کا حق مستقلاً نہیں ہے، لیکن بعض احوال میں عورت طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے، نیز اس کو حق ہے کہ ان تمام معاملات کا وکیل دوسرے کو بنا دے، علامہ کا سانی تحریر فرماتے ہیں:

”ويجوز بالنكاح والخلع والصلح عن دم العمد والكتابة“ (بدائع الصنائع ۲۰۷ کتاب الوکالۃ، مطبوعہ: زکریا)۔

(نکاح، خلع، صلح عن دم العمد اور معاملہ کتابت کی توکیل جائز ہے)۔

لہذا عورت اگر غیر شرعی عدالت میں مطالبہ تفریق کی درخواست پیش کرتی ہے تو اس کو عورت کی طرف سے عدالت کے کافر قاضی کو خلع کا وکیل بنانا متصور ہوگا۔

”والضابط فيہ أن كل من يصح أن يتصرف بالخلع لنفسه جاز تو كيله، وو كالتة ذكرأ أو أنثى، مسلماً أو كافرأ، محجوراً عليه أو رشيدأ، لأن كل واحد منهم يجوز أن يوجب الخلع فصح أن يكون و كيلاً و موكلأ فيہ“ (الموسوعة الفهية ۱۹/۲۵۱ ماده: خلع، مطبوعہ، کویت)۔

(ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنے لیے خلع کر سکتا ہے تو دوسرے کو اس کے لیے وکیل بنانا، اور دوسرے کے خلع کا وکیل بننا جائز ہے مذکر ہو یا مؤنث، مسلمان ہو یا کافر، ممنوع التصرف ہو یا ماذون التصرف، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے جائز ہے کہ خلع کا ایجاب کرے تو وکیل اور موکل ہونا بھی صحیح ہے)۔

اب سوال یہ ہے کہ جب عورت درخواست دیتی ہے تو عدالت شوہر کو طلب کرتی ہے اور دستخط کا مطالبہ کرتی ہے۔ نیز شوہر دستخط کر بھی دیتا ہے تو شوہر کے اس طرز عمل کی کیا حیثیت ہوگی، کیا اس کی طرف سے بھی تو وکیل بالطلاق ہوئی؟ پھر اگر تو وکیل بالطلاق ہے تو کیا قاضی واحد جائزین کا وکیل ہو سکتا ہے؟

اتنی بات تو غالباً متفق علیہ معلوم ہوتی ہے کہ شوہر کا دستخط، تو وکیل بالطلاق پر دلالت کرتا ہے، جائعین موسوع نے مختلف کتابوں کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے:

”اتفق الفقهاء على أن الإيجاب في عقد الوكالة يتحقق بالخط أو الكتابة الدالة على ذلك؛ لأن الكتابة فعل يدل على المعنى“۔

”ومثل الحنفية بذلك بما لو أرسل أحد الآخر غائب كتاباً معنوناً و مرسوماً بتو كيله إياه بأمرها و قبل الآخر الوكالة انعقدت“ (الموسوعة: ۳۵/۱۱ ماده: وكالة، مطبوعہ، کویت)۔

(تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد وکالتہ میں ایجاب خط یا اس پر دلالت کرنے والی کتابت کے ذریعہ ہو جاتا ہے، اس لیے کہ کتابت ایک فعل ہے جو معنی پر دلالت کرتا ہے۔
حنفیہ نے اس کی یہ مثال دی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے غائب شخص کو کوئی واضح تحریر اس کی توکیل کی بابت بھیج دے اور دوسرا اس کو قبول کر لے تو وکالت منعقد ہو جاتی ہے)۔
رہا دوسرا مسئلہ کہ شخص واحد جائین کا وکیل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو حنفیہ کا عام اصول خلع کے باب میں یہی ہے کہ فرد واحد جائین کا وکیل نہیں ہو سکتا، غالباً دوسرے فقہاء کی بھی یہی رائے ہے، البتہ امام محمد رحمہ اللہ، خلع کو نکاح پر قیاس کرتے ہوئے فرد واحد کے لیے جائین کی توکیل کو جائز سمجھتے ہیں، ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:

”والواحد لا يصلح في الخلع وكيلاً من الجانيين بأن وكتلت رجلاً بالخلع فوكله الزوج أيضاً سواء كان البدل مسمى أولاً، وعن محمد: أنه يصح كذا في البزازیہ“ (البحر الرائق ۴/۱۵۷، کتاب الطلاق، باب الخلع)۔

(شخص واحد خلع میں جائین کا وکیل نہیں بن سکتا یا اس طور کہ عورت ایک شخص کو خلع کا وکیل بنائے بعدہ شوہر بھی اسی کو وکیل بنا دے، خواہ عوض مسمی ہو یا نہ، البتہ امام محمد کے نزدیک ایسا صحیح ہے جیسا کہ بزازیہ میں ہے)۔

لہذا موجودہ صورت حال میں امام محمد کے قول کو اختیار کر کے عدالت کے اس فیصلہ کو خلع ماننا جائز ہونا چاہئے، نیز عورت پر مال بھی لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ بے غیر التزام مال عورت پر مال لازم نہیں ہوتا ہے۔

”فإن خالعتها أو طلقها بخمر أو خنزير، أو ميتة وقع بائن في الخلع، رجعي في غيره معاناً“ (کنز الدقائق علی ہامش البحر ۴/۷۷ مطبوعہ پاکستان)۔

(اگر شوہر نے خلع کیا شراب، یا خنزیر، یا مردار کے عوض تو خلع کی صورت میں طلاق

بائن ورنہ طلاق رجعی واقع ہوگی اور مال لازم نہیں ہوگا۔

”ولو اتفقا علی الخلع وقالت: بغير جعل، فالقول لها، لأن صحة الخلع لا تستدعى البدل فتكون منكورة فيكون القول لها“ (البحر الرائق ۷/۷۷، کتاب الخلع مطبوعہ پاکستان)۔

(اگر میاں بیوی دونوں خلع پر متفق ہو جائیں اور بیوی بغیر عوض کا دعویٰ کرے تو عورت کے قول کا اعتبار ہے، اس لیے کہ خلع کا صحیح ہونا بدل پر موقوف نہیں، لہذا عورت بدل کی منکر ہوئی اس لیے عورت کے قول کا اعتبار ہوگا)۔

ہاں اگر شوہر دستخط نہ کرے اور اس کی طرف سے عدم آمادگی کا اظہار ہو جائے تو چونکہ طلاق خالص شوہر اور قاضی یا اس کے قائم مقام کا حق ہے، اس لیے کافر نج کے فیصلہ سے تفریق واقع نہیں ہوگی، اب ایسی صورت میں امام مالک کے مسلک کے مطابق جماعت المسلمین یا شرعی پنچایت بنا کر مسئلہ کو حل کر لیا جائے ایسا شاید کچھ مشکل بھی نہیں ہے۔ آسانی سے تین افراد پر مشتمل جماعت تشکیل پاسکتی ہے جو قیہ مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے میاں بیوی کے باہمی نزاع کو یا تو تفریق کے ذریعہ یا صلح و مصالحت سے حل کر سکتی ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ اس کی تائید کر رہا ہے جو کفایت المفتی میں ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے۔

سوال: ۱۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں ہندوستان میں خاوند نے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی جس پر عورت نے عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور عدالت کے غیر مسلم جج نے فریقین کے دعوے اور جواب اور شہادتیں سننے کے بعد فسخ نکاح کا حکم صادر فرمایا الخ۔
جواب: ۲۵۸: عورت کو لازم ہے کہ کسی مسلمان مجسٹریٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے خواہ وہ جدید فیصلہ حاصل کر لے یا سابق فیصلہ کی اس سے تنفیذ کرا لے اس

کے بعد نکاح ثانی کر سکتے گی الخ (کفایۃ المفتی بحوالہ: اسلامی قانون نکاح و طلاق، مؤلف: حضرت مولانا یعقوب قاسمی، مطبوعہ: شرعی کونسل برطانیہ)۔

غیر مسلم عدالت میں مسلم قاضی:

اصل مسئلہ یہ ہے کہ قاضی کے تقرر کا حق مسلمانوں کو ہے یا سلطان وقت کو، اگر شق ثانی اختیار کیا جائے جیسا کہ بزازیہ کی عبارت سے واضح ہو رہا ہے تب تو یوں کہا جائے گا کہ عام حالات میں سلطان وقت ہی کو اختیار ہے لیکن بوقت ضرورت جماعت مسلمین بھی اپنا قاضی مقرر کر سکتے ہیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

”يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر أى الظالم وهذا ظاهر فى اختصاص تولية القضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح بخلاف ما لو ولو سلطاناً بعد موت سلطانهم كما فى البزازیة۔“

قلت: وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم تولية القضاء أيضاً“ (رد المحتار:

۴/۱۸ کتاب القضاء، مطلب: أبو حنیفہ دعی الی القضاء ثلاث مرات فابی مطبوعہ دار الکتب دیوبند)۔

(قضاء قبول کرنا منصف اور ظالم حاکم کی طرف سے جائز ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ قضاء کی سپردگی سلطان اور خلیفہ وغیرہ کے ساتھ خاص ہے۔ حتیٰ کہ اگر پورے اہل شہر کسی کو قاضی بنانے پر متفق ہو جائیں تو صحیح نہیں، ہاں اگر اہل شہر کسی کو حاکم کی موت کے بعد حاکم بنانا چاہیں تو جائز ہے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے۔

میرا (علامہ شامی) خیال ہے کہ یہ اس وقت ہے جہاں ضرورت نہیں، ورنہ مسلمانوں کو حق ہے کہ کسی کو قاضی بنا دے)۔

یا یوں کہا جائے گا کہ بنانے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ علامہ حسکفی و

شامی وغیرہ کی تائید بھی اسی رائے کو حاصل ہے۔

”ولو كافراً، في التتارخانية: الإسلام ليس بشرط فيه أي في السلطان الذي يقلد“ (رد المحتار ۸/۳۱ حوالہ بالا)۔

(اگرچہ کافر ہو، تا تاریخانیہ میں ہے کہ اس سلطان کے لیے اسلام شرط نہیں ہے جو قاضی بنا رہا ہے)، اور اگر شرق اول اختیار کیا جائے کہ اصلاً قاضی بنا نا مسلمانوں کا کام ہے، حاکم وقت تو محض مسلمانوں کا نائب ہے۔ اور وہ اس لیے کہ قوتِ تنفیذ اس کے ہاتھ میں ہے تو یہاں کہا جائے گا کہ کافر حکومت کی طرف سے تقرری تولیتِ قضا کے حق کی بنا پر نہیں بلکہ مسلمانوں کے نائب ہونے کی حیثیت کی وجہ کر ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

”وفي الفتح: وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضياً ويكون الذي يقضى بينهم“ (رد المحتار ۸/۳۲ کتاب القضاء، مطلب: بنی حکم تولیت القضاء فی بلاد تغلب علیہا الکفار مطبوعہ: دارالکتب دیوبند)۔

(اور جب نہ تو بادشاہ ہو اور نہ ہی ایسا شخص جس کی جانب سے قاضی بنا جا جائے ہو جیسا کہ بعض مسلم ممالک میں ہے جن پر کفار کا غلبہ ہے، مثلاً اس وقت کا قرطبہ، تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی پر اتفاق کر کے حاکم بنالے جو قاضی کا تعین کرے، اور وہی قاضی مسلمانوں کے مابین فیصلہ کرے)۔

مذکورہ بالا توضیح سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم عدالت کا مسلمان قاضی یا تو حکومت وقت کا بنایا ہوا ہے اور اس کو یہ حق حاصل ہے یا مسلمانوں کا نائب بن کر قاضی بنایا ہے، یا پھر مسلمانوں کا مخصوص حق تھا جس کو حکومت نے انجام دیا ہے لہذا ایسا مسلمان قاضی اگر شریعت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ نیز حکومت وقت کی جانب سے کوئی ممانعت بھی نہیں ہے تو یقیناً وہ قاضی شرعی کا فیصلہ ہوگا۔

غیر مسلم حج کی حیثیت:

قاضی شرعی کے لیے تمام فقہاء، اسلام کی شرط لگاتے ہیں لہذا غیر مسلم حج قاضی شرعی نہیں ہو سکتا ہے۔

قاضی شرعی کی عدالت میں چار قسم کے مقدمات آتے ہیں:

۱- خالص حقوق اللہ جیسے حدود وغیرہ۔

۲- خالص حقوق العباد مثلاً مطالبہ قرض وغیرہ۔

۳- حقوق اللہ و حقوق العباد سے مرکب حق لیکن اللہ کا حق غالب ہو جیسے حد قذف، حد

سرقہ وغیرہ۔

۴- حقوق اللہ و حقوق العباد سے مرکب حق لیکن بندے کا حق غالب ہو جیسے قصاص

وغیرہ (رد المحتار: ۲۲/۸ کتاب القضاء، مطلب: اتم الفعلى مطبوعہ: دارالکتاب دیوبند)۔

لیکن غیر مسلم قاضی، شاہد نہیں ہو سکتا اس میں صرف وکیل کی شان رہ جاتی ہے، لہذا ایسے تمام معاملات جن میں توکیل جائز ہے اور قاضی شرعی کی راست ضرورت اس معاملہ کی تنفیذ کے لیے نہیں ہے تو ان تمام امور کی تنفیذ غیر مسلم عدالت سے ہو سکتی ہے۔

لہذا وہ حقوق جو خالص اللہ کے ہیں ان میں غیر مسلم حج کا فیصلہ، شرعی فیصلہ نہیں ہے،

اسی طرح وہ امور جن میں دعویٰ کی ضرورت ہے جیسے حد سرقہ و حد قذف وغیرہ ان کی بابت کا اختیار غیر مسلم عدالت کو نہیں، ہاں وہ حقوق جو بندے کے ہیں خواہ حقوق اللہ میں سے بھی ہو لیکن دعویٰ کی راست حاجت نہیں جیسے قرض وغیرہ کی ادائیگی یا قصاص کی تنفیذ وغیرہ، ان امور میں غیر مسلم قاضی فریقین کا وکیل ہو کر معروف طریقے سے فیصلہ کر سکتا ہے۔

شامی میں ہے:

”تسمع الشهادة بدون الدعوى فى الحد الخالص والوقف وعتق

الأمة وحریتها الأصلية وفيما تمحض لله تعالى كرمضان وفي الطلاق والإيلاء والظهار سوى حد القذف وكذا حد السرقة لما تقدم في محله أن طلب المسروق منه المال شرط القطع“۔

زاد الحموی ثامنه: وهي اشتراط الإمام لاستيفاء الحدود دون

القصاص (رد المحتار: ۱۰/۱۵۳ کتاب الجنایات، فصل فیما یوجب القود وما لا یوجب مطبوعہ: دار الکتب دیوبند)۔

(گواہی بے غیر دعویٰ کے بھی قبول ہوگی حد خالص، وقف، باندی کی آزادی، اور اس کی ذاتی حریت اور ان احکام میں جو خالص حقوق اللہ میں سے ہیں، جیسے رمضان اور طلاق، ایلاء، ظہار میں سوائے حد قذف، اور حد سرقتہ جیسا کہ اپنے مقام پر آچکا ہے کہ مسروق منہ کا مال طلب کرنا قطع کی شرط ہے۔

حموی نے (حد اور قصاص کے مابین) آٹھواں فرق زیادہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام

حدود کے لیے شرط ہے، قصاص میں نہیں)۔

ہندیہ میں ہے:

”وإذا قتل الرجل عمداً وله ولی واحد فله أن یقتله قصاصاً قضی

القاضی به أولم یقض“ (رد المحتار: ۱۰/۱۵۲ کتاب الجنایات، فصل فیما یوجب القود الخ)۔

(اور اگر عمداً ایسا شخص مقتول ہو جس کا ایک ہی ولی ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ

قاتل کو قصاصاً قتل کر دے، قاضی فیصلہ کرے یا نہ کرے)۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مفتی محمد شرف قاسمی ☆

۱- قاضی شرعی خواہ وہ حکومت اسلامیہ کی طرف سے ہو یا جماعت مسلمین کی طرف سے، اسکے فیصلے شرعاً نافذ ہوں گے، اس لیے کہ اسے ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ البتہ تو لیت قضا کے لیے ضروری ہے کہ وہ قاضی مسلمان ہو ”ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة من الإسلام والتكليف والحرية“ (الہندیہ ۳۰۷/۳)۔

معلوم ہوا کہ قاضی یا جج کا مسلمان ہونا ضروری ہے ورنہ اس کے فیصلے مسلمانوں کے حق میں نافذ نہیں ہوں گے، لہذا شوہر اگر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتے کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، اور اس کے بعد عدالت ضابطے کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے، اس صورت میں محض جج کے فیصلہ کی وجہ سے وقوع طلاق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، کیوں کہ شرعاً اسے ولایت حاصل نہیں ہے، البتہ اس صورت میں شوہر نے خود ہی درخواست دے کر ازدواج ختم کرنے کی بات کہی ہے، تو یہ درحقیقت تفویض ہے، اور شوہر کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ خود بھی طلاق دے سکتا ہے اور کسی کو طلاق تفویض بھی کر سکتا ہے۔

”إن الزوج كما يملك التطلاق بنفسه يملك أن ينيب عنه غيره فيه ،

فله أن يفوض الطلاق إلى غيره ،ويكون التفويض بتعليق أمر الطلاق على

☆ جامعہ مظہر سعادت ہائوس، گجرات۔

مشیئة الاجنبی“ (ابوزہرہ: لا حوال الاصلیہ ص ۳۴۵)۔

(شوہر جس طرح خود طلاق دے سکتا ہے، وہ کسی کو اپنا نائب بھی بنا سکتا ہے، لہذا اسے غیر کو تفویض طلاق کی اجازت ہے، اور یہ تفویض ایسی ہوگی کہ گویا اس نے اس اجنبی کی مشیت پر طلاق کو معلق کر دیا ہے، یعنی وہ اجنبی اگر چاہے تو طلاق دے اور اگر چاہے تو نہ دے)۔

فقہاء کی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کسی کو بھی تفویض کی جاسکتی ہے، یعنی اسلام کی شرط فقہاء نے ذکر نہیں کی ہے، صرف یہ ضروری ہے کہ مفوض رالیہ صبی یا مجنون نہ ہو، شامی کی درج ذیل عبارت سے اس کی طرف رہنمائی ہوتی ہے:

”إذا قال لرجل ذالك“أى قال له طلق امرأتی“أراد بالرجل العاقل احترازاً عن الصبی والمجنون“ (ابن عابدین: رد المحتار ۴/۵۷۷)۔

لہذا اس درخواست کو تفویض قرار دیا جاسکتا ہے، چنانچہ اگر غیر مسلم حج طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ شوہر کی تفویض پر اس نے اس طلاق کا فیصلہ کیا ہے، لہذا شرعاً اس کا اعتبار کرنا درست ہوگا۔

۲- شریعت مطہرہ نے عورت کو طلاق کا حق نہیں دیا ہے، صرف دو صورتوں میں وہ شوہر کی رائے کے خلاف بھی طلاق کی حقدار قرار پاتی ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ خود شوہر نے طلاق تفویض کر دی ہو، دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے قاضی شرعی کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہو اور قاضی نے بدوجہ شرعیہ تفریق کا فیصلہ کر دیا ہو۔

ظاہر ہے اس صورت میں صرف یہ ہوا ہے کہ عدالت نے شوہر کو بلا کر یہ دستخط لے لیا ہے کہ جو فیصلہ ہوگا، تم کو منظور کرنا ہوگا۔ اور اس نے محض عدالت کے دباؤ میں قانونی مجبوریوں کے پیش نظر ایک تحریر دے دی ہے۔ ہمارے فقہاء اس امر میں متفق ہیں کہ جو طلاق جبراً تحریر کرائی جائے وہ نافذ نہ ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ تحریری طلاق زبانی کے مقابلے میں ضرورتاً جائز ہے، اور چونکہ یہاں ضرورت نہ تھی اس لیے طلاق جائز نہیں ہے، بہ الفاظ دیگر اگر تحریر ضرورتاً

ہو مثلاً گونگے کی طلاق تو امام ابوحنیفہؒ وصاحبین کے نزدیک واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ جب فقہاء کے نزدیک بلا ضرورت تحریر سے طلاق کا وقوع نہیں ہوتا تو جو طلاق یا تفویض جہر تحریر کرائی جائے وہ بدرجہ اولیٰ واقع نہ ہوگی۔

”فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق، لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا كذا في الخانية“ (ابن عابدین: رد المحتار ۴۰۰-۴۰۱، ابن نجیم: البحر الرائق ۳۲۹، ۳۳۰)۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ عدالت اگر اپنے خصوصی اختیارات کے تحت شوہر کو بلوا کر اس کی رضامندی کے بغیر کوئی تحریر یا دستخط لے لیتی ہے اور شوہر کے لیے اس سے مفر نہ ہو، تو اس صورت میں عدالت کے فیصلے کے باوجود شرعاً طلاق و تفریق کا حکم لگانا صحیح نہ ہوگا، لیکن اگر شوہر کوئی خاص دباؤ میں نہیں تھا اس کے باوجود اس نے ایسی کوئی تحریر دے دی تو اسے تفویض تصور کرتے ہوئے کورٹ کے فیصلے کے بعد شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی۔

یہ ساری تفصیلات اس وقت ہیں جب کہ عدالت نے اس سے صرف طلاق کی تحریر جبراً لی ہو۔ یا اس سے یہ لکھوایا ہو کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا۔ لیکن اگر عدالت نے اسے توکیل طلاق پر مجبور کیا ہو اور اس نے ایسی کوئی تحریر دے دی ہو کہ میں بیچ کو اپنا حق طلاق تفویض کرتا ہوں، اگر یہ مناسب سمجھیں تو طلاق دے دیں۔ اس صورت میں بغیر کسی تفصیل کے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لیے کہ ہمارے یہاں جس طرح مکہ کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اسی طرح مکہ کی طرف سے توکیل بالطلاق بھی معتبر ہوتی ہے۔

”إذا أكره على التوكيل بالطلاق فوكل فطلق الوكيل فإنه يقع، وفي الخانية: رجل أكرهه السلطان ليؤكله بطلاق امرأته فقال الزوج مخافة الحبس والضرب: أنت وكييل، ولم يزد على ذلك وطلق امرأته ثم قال الموكل: لم أؤكله بطلاق امرأتي قالوا: لا يسمع منه ويقع الطلاق، لأنه أخرج الكلام جواباً

لخطاب الأمر والجواب يتضمن إعادة ما في السؤال“ (ابن نجيم: البحر الرائق ۳/۳۲۸)۔
 (اگر کسی شخص کو مجبور کیا گیا ہو کہ وہ طلاق کا وکیل بنائے، اس نے وکیل بنا دیا پھر وکیل نے طلاق دے دی تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور فتاویٰ قاضی خاں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر ایک شخص کو حاکم وقت نے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی بیوی کو اسے طلاق دینے کا وکیل بنا دے، شوہر نے قید و بند اور مار پیٹ کے ڈر سے اتنا کہہ دیا، آپ وکیل ہیں، اور حاکم وقت نے اس کی بیوی کو طلاق دے دیا، پھر شوہر نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل نہیں بنایا تھا، صرف انت وکیل کہا تھا۔ فقہا فرماتے ہیں کہ شوہر کی بات معتبر نہیں ہوگی، اور طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے کہ اس کا یہ کلام حاکم کے امر کے جواب میں واقع ہوا ہے، اور جواب مافی السوال کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے)۔

۳۔ اگر شوہر دستخط و تقویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر خود ہی تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو اس صورت میں شرعاً وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں سمجھ میں آتی، کیونکہ ایک غیر مسلم حج کو از روئے شرع اس طرح کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ دوسری صورت کے ذیل میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ حج اگر بہ جبر واکراہ شوہر سے تحریر لے لے تو بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، تو اس صورت میں جب کہ شوہر کی طرف سے نہ کوئی آمادگی ہے اور نہ کسی طرح کی تحریر، تو اس صورت میں بہ درجہ اولی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

”ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة من

الإسلام والتكليف والحرية“ (المعتمد یہ ۳۰۷/۳-۳۰۷/۳-۳۰۷/۳: بدائع ۸۵/۹)۔

۴۔ بہ ظاہر اس سے مسئلہ میں کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، کیوں کہ وہ بہر حال ایک غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقرر کردہ حج ہے، وہ اسی غیر مسلم حکومت کے آئین کے دائرے میں رہتے ہوئے فیصلہ کرے گا۔ اسے نہ تو مسلم حکومت نے طے کیا ہے اور نہ جماعت مسلمین، نے اس لیے اسے مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر خود حکومت وقت نے اسے

مسلمانوں کی شریعت کی روشنی میں مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے قاضی مقرر کیا ہو، تو اس کے فیصلے شرعاً نافذ ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ حج فقہ اسلامی کے مطابق فیصلہ کرتا ہو۔ اس لیے کہ قضاء قاضی کے معتبر ہونے کے لیے خود قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ جس حاکم نے اسے قاضی بنایا ہے وہ بھی مسلمان ہو۔

”قال ابن الہمام: إذا ولی الکافر علیہم قاضیاً ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلاشبہة“ (ابن الہمام: فتح القدر ۶/۳۶۵)۔

”وفي الهندية: و ذکر في الملتقط والإسلام ليس بشرط فيه أى في السلطان الذي يقلد“ (الہندیہ ۳۰۷/۳..... ابن عابدین: رد المحتار ۸/۴۳، زیلعی: تبیین الحقائق ۵/۸۱)۔

اسی طرح باغیوں کی طرف سے قاضی بنائے جانے کو ہمارے فقہانے صحیح لکھا ہے۔

خصاف کی ”ادب القاضی“ میں ہے:

”وإن كان القاضي من أهل العدل وقد وآه الخوارج جاز ما يقضي به ثم قضاء هذا الذي وآه الخوارج من أهل العدل، انما ينفذ متى قضى بينهم بالحق حتى لو قضى بينهم بغير حق لم ينفذ“ (الخصاف: ادب القاضی مع شرح ص ۱۹/۳)۔

(اگر قاضی عادل لوگوں میں سے ہو اور اسے خارجیوں نے قاضی بنایا ہو تو اس کا فیصلہ معتبر ہوگا، البتہ خارجیوں کی طرف سے بنائے گئے اس قاضی کا فیصلہ اسی وقت نافذ ہوگا جب کہ اس کا فیصلہ برحق ہو، اور اگر اس نے ناحق فیصلہ دیا ہے تو وہ نافذ نہیں ہوگا)۔

۵- غیر مسلم ممالک میں حکومت کی طرف سے جو قضاة مقرر ہوتے ہیں، ان کے فیصلے کس حد تک مسلمانوں کے لیے قابل اعتبار ہیں! عموماً ہماری کتب فقہ میں مستقلاً اس موضوع سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ فقہاء احناف نے اس سلسلہ کی جو بعض جزئیات ذکر کی ہیں یا ابن فرحون المالکی نے اس تعلق سے جو فصل قائم کی ہے۔ فصل :- فی المنع من تنفيذ ما حکم به حاکم من اهل اندمة (۱۲ ابن فرحون المالکی: التہم ۱۰/۹۳-۹۴) ان سبب کا تعلق اس حاکم اہل ذمہ سے ہے

جسے حکومت اسلامیہ نے عہدہ قضا تفویض کیا ہو، اور وہ اسلامی حکومت کے زیر اثر ہو، ظاہر ہے یہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ جدید مصنفین میں سے شیخ محمد الحسن نے مختصراً اپنی کتاب میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے (دیکھئے: محمد الحسن: مخاطبات القضاة في الفقه الإسلامي المبحث السادس، دار الأندلس الخضراء، جدہ)۔

غیر مسلم ججوں کے شرعاً غیر معتبر ہونے کی چار وجوہات ہو سکتی ہیں:

۱۔ کفر:- جمہور علماء کے نزدیک کفر مانع قضا ہے۔ البتہ احناف نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اسلامی حکومت کے غیر مسلم شہریوں کا قاضی، کسی غیر مسلم کو مقرر کیا جاسکتا ہے (ابن عابدین: رد المحتار ۸/۲۳-۲۴)۔

شوافع بھی اس حد تک کے قائل ہیں، البتہ وہ اسے ریاست و زعامت قرار دیتے ہیں، قاضی بنانا نہیں مانتے (دیکھئے: معنی المحتاج ۳/۳۷۵)۔

۲۔ کفار کی طرف سے تولیت:- اگرچہ اس بارے میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں، البتہ حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ: "إذاً ولئى الكافر عليهم قاضياً ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة" (ابن الہمام: فتح القدير ۶/۳۶۵)، اس لیے احناف کے نقطہ نظر سے خرابی کی یہ وجہ اہوں ہے۔

۳۔ غیر مسلم قاضیوں کے فیصلے غیر شرعی اور کتاب و سنت سے صریح متصادم ہوتے ہیں، وہ انسانوں کے فکرنارسا کے بنائے قوانین کے مطابق فیصلے کرتے ہیں، بسا اوقات مظلوم کی اشک شویٰ اور انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

۴۔ غیر مسلم قضاة جن بیانات وقرائن اور اثبات کے وسائل پر اعتماد کرتے ہیں، قضا شرعی کے لیے ان پر اعتماد درست نہیں ہے۔

مندرجہ بالا حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے، اس مسئلہ کا دقت نظری سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے، اتنی بات مسلم ہے کہ کوئی بھی غیر مسلم یا جمہوری حکومت مسلمانوں کو ملکی قوانین سے

لیکھت علاحدہ ہو کر اسلامی قانون کے مطابق پرسنل لاء، فوجداری معاملات اور دیگر احکام کے اجراء اور نفاذ کی اجازت نہیں دے سکتی ہے۔ بلکہ عموماً حکومتیں فوجداری اور تعزیریاتی قوانین میں تمام شہریوں کے ساتھ یکساں معاملہ روا رکھتی ہیں، اس لیے مسلم اقلیتی ممالک میں ہم قضاء قاضی سے متعلق جو بھی گفتگو کر رہے ہیں، اس کا تعلق مسلمانوں کے پرسنل لاء اور بعض ان معاملات سے ہے جن میں اپنے مذہب کے مطابق عمل کی اجازت رہتی ہے۔ اس کے لیے ان ممالک کے مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ آپسی گفت و شنید سے کسی کو اپنا امیر مقرر کر لیں۔ اسی کی زیر نگرانی، تمام اجتماعی امور انجام دیں، اور اسی کی زیر امارت شرعی عدالتیں قائم ہوں، اور مسلمان اس طرح کے مسائل میں اسی دار القضاء سے رجوع کریں اور حکومت سے پرزور مطالبہ کریں کہ حکومت مسلمانوں کی مذہبی آزادی میں روڑا نہ ڈالے۔ مسلمانوں کی طرف سے مقرر کردہ اس قاضی کا فیصلہ شرعی اعتبار سے نافذ العمل ہوگا۔

لیکن اگر شرعی عدالتیں نہ ہوں، اور ملکی عدالتوں میں مسلمانوں کا کیس پہنچے، اب اگر جج یا قاضی مسلمانوں کے پرسنل لاء سے متعلق شرعی قوانین کی روشنی میں ہی مقدمہ فیصلہ کرتا ہے اور یہی اس ملک کا آئین ہے، تو بظاہر اس کا فیصلہ قابل قبول ہونا چاہیے، کیونکہ ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر باغیوں (جن کی اہلیت شہادت مفقود ہو جاتی ہے) کا قاضی شریعت کے مطابق کوئی فیصلہ کرے، تو امام کی طرف سے مقرر قاضی اس فیصلے کو درست تسلیم کر لے گا (الخصاف: ادب القاضی ص ۳۱۹)۔

اور کورٹ اگر نکاح و طلاق یا اس جیسے مسائل میں شریعت سے متصادم کوئی فیصلہ دیدے، تو مسلمانوں کے لئے اس کا اتباع جائز نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی مسلمان اس صورت حال سے دوچار ہو جائے کہ فیصلے کے ماننے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو ماورائے عدالت اس فیصلے کو شرعی قوانین کے دائرے میں لانے کی مقدور بھرکوشش کرے، جیسے کہ برطانوی عدالت نے محض بیوی کی درخواست پر شوہر کی رضامندی کے بغیر طلاق کا فیصلہ کر دیا۔ تو شوہر کو چاہیے کہ اسے شرع کے

مطابق باضابطہ طلاق دے ڈالے۔ شیخ محمد الحسن کہتے ہیں:

”وأما الأقليات المسلمة في البلدان الكافرة فلا يختلف حكمهم عن حكم سكان البلدان المستعمرة. إلا أنهم في عصرنا هذا الذي صبحت فيه أبواق الديمقراطية، يتعين عليهم أن يحاولوا التمييز في كيان مختص بهم ليطالبوا بحكم ذاتي إن لم يسمح بالاستقلال—خصوصاً إذا كانوا ذوى عدد معتبر كمسلمي الهند فإنهم يزيدون على مائتي مليون“ (مخاطبات القضاة في الفقه الاسلامي ص ۲۲۲)۔

(غیر مسلم ممالک میں رہنے والی اقلیتوں کا حکم بھی نوآباد ممالک کے باشندگان کے حکم سے مختلف نہیں ہے البتہ ہمارے اس دور میں کہ جب جمہوریت کا نعرہ زور شور سے لگایا جاتا ہے، ان مسلم اقلیتوں پر ضروری ہے کہ وہ اپنے مخصوص ڈھانچے میں علاحدہ تشخص کے لیے کوشاں رہیں۔ تاکہ اگر انھیں مکمل آزادی نہیں تو کم از کم فیصلوں میں ان کی انفرادیت باقی رہے، خاص کر جب وہ بھاری تعداد میں ہوں، جیسے ہندوستان کہ وہاں بیس کروڑ سے زیادہ مسلمان آباد ہیں)۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق و تفریق

مفتی محمد عارف باللہ القاسمی ☆

نکاح کے ذریعہ جو رشتہ ازدواج پیدا ہوتا ہے اس کو ختم کرنے کے لئے طلاق، خلع اور فسخ کے ابواب شریعت نے رکھے ہیں، تاکہ رشتہ ازدواج کو باقی رکھنے میں ناقابل حل دشواریوں کی صورتوں میں اس رشتہ کو ختم کیا جاسکے اور دشواریوں سے بچا جاسکے، شریعت نے مرد کے مزاج میں موجود تحمل کے پیش نظر اس رشتہ کو ختم کرنے کے لئے طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا اور عورت کے مزاج و طبیعت کے پیش نظر اس کو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ دیتے ہوئے خلع کے مطالبہ کا حق دیا، تاکہ نامساعد حالات میں وہ اس کے ذریعہ خود کو شوہر سے الگ کر سکے، اسی طرح حاکم خواہ وہ قاضی شرعی ہو یا امیر اس کو ولایت عامہ دیتے ہوئے یہ اختیار دیا کہ وہ بھی شوہر کی نیابت کرتے ہوئے زوجین کے نکاح کو فسخ کر کے دونوں کو جدا کر سکتے ہیں، اس لئے جہاں شوہر کے طلاق کی وجہ سے تفریق واقع ہو جاتی ہے، وہیں شوہر کی نیابت میں شریعت کی جانب سے مقرر کردہ صورتوں میں حاکم اور قاضی کے فیصلے سے بھی تفریق واقع ہو جاتی ہے۔ علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

”القاضی منصوب لإزالة الظلم في امره أن يوفيهما حقها أو يفرقها فإن

أبى ناب عنه في إيقاع الطلاق“ (مبسوط: باب الإيلاء)۔

(قاضی ظلم کو ختم کرنے پر مامور ہے، اس لئے وہ شوہر کو بیوی کا حق ادا کرنے یا اس کو جدا کر دینے کا حکم دے گا، اور اگر شوہر ان باتوں سے انکار کرے، تو طلاق واقع کرنے میں وہ اس کا نائب ہو جائے گا۔)

علامہ زیلعیؒ لکھتے ہیں:

”إن التفريق بتطليق الزوج أو بتفريق القاضى“ (تبيين الحقائق: باب الايلاء)۔
(بے شک تفریق شوہر کے طلاق یا قاضی کے تفریق کے ذریعہ ہوتی ہے)۔

ان عبارتوں میں جہاں قاضی کی تفریق کو معتبر مانا گیا ہے وہاں اس سے مراد مسلمان قاضی ہے؛ اس لئے کہ وہ شخص جو قاضی بن سکتا ہے اور جس کا فیصلہ مسلمانوں کے مقدمات میں معتبر اور نافذ ہوگا، اس کے صفات میں سے اس کا مسلمان ہونا ایک بنیادی اور متفق علیہ صفت ہے، جو کہ اس کے قاضی بننے اور اس کے فیصلوں کے نفاذ کے لئے شرط ہے۔ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

”الصلاحية للقضاء لها شرائط: منها العقل، ومنها البلوغ، ومنها الإسلام، ومنها الحرية، ومنها البصر، ومنها النطق، ومنها السلامة عن حد القذف فلا يجوز تقليد المجنون والصبى والكافر والعبد والأعمى والأخرس والمحدود فى القذف؛ لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات، وهو لاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات وهى الشهادة فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى“ (بدائع الصنائع ۷/۳)۔

(قضاء کی اہلیت و صلاحیت کے لئے چند شرطیں ہیں: انہیں میں سے عقل ہے اور انہیں میں سے بلوغ، اسلام، حریت، دیکھنے اور بولنے کی صلاحیت اور حد قذف سے بچا رہنا ہے،

پس مجنون، بچہ، کافر، غلام، نابینا اور گونگا کو اور جس پر حد قذف جاری کی جا چکی ہو اس کو قاضی بنانا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ قضاء ولایت کے باب سے ہے، بلکہ یہ سب سے بڑی ولایت ہے، اور یہ لوگ ادنیٰ ولایت: شہادت کے بھی اہل نہیں، تو ان کو اعلیٰ ولایت بدرجہ اولیٰ حاصل نہیں ہوگی۔

دیگر اوصاف و شرائط میں گرچہ فقہاء کا اختلاف ہے، لیکن اسلام ان شرطوں میں سے ایک ہے جن کا پایا جانا اہلیت قضاء کے لئے تمام فقہاء کے نزدیک ضروری ہے۔ محمد بن احمد سوتی مالکیؒ لکھتے ہیں:

”أهل القضاء عدل أى مستحقه عدل والعدالة تستلزم الإسلام والبلوغ والعقل والحرية وعدم الفسق“ (حاشیہ السوتی علی الشرح الکبیر: باب فی القضاء و احکامہ)۔
 (قضاء کی اہلیت والا وہ ہے جو عادل ہو، یعنی اس کا مستحق وہ شخص ہے جو پیکر عدالت ہو، اور عدالت کے لئے اسلام، بلوغ، عقل، حریت، اور فسق کا مرتکب نہ ہونا لازم ہے)۔
 علامہ سلیمان بن عمر الشافعیؒ لکھتے ہیں:

و شرط القاضی کونہ أهلا للشهادات بأن یکون مسلما مکلفا حرا ذکرا عدلا سمیعا بصیرا ناطقا“ (حاشیہ الجمل: کتاب القضاء)۔
 (قاضی کی شرط اس کا شہادت کا اہل ہونا ہے، اس طور پر کہ وہ مسلمان ہو، مکلف ہو، آزاد ہو، مرد ہو، عادل ہو، سننے، دیکھنے اور بولنے کی صلاحیت رکھتا ہو)۔
 ابو عبد اللہ محمد بن مفلح جنبلیؒ لکھتے ہیں:

”ویشترط کون القاضی بالغا عاقلا ذکرا مسلما عدلا“ (الفروع: کتاب القضاء: م شرط القاضی)۔

(قاضی کا بالغ، عاقل، مذکر، مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے)۔
 مذاہب اربعہ کے ان فقہاء کی تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قاضی کا

مسلمان ہونا اس کی اہلیت قضاء کے لئے ضروری ہے؛ کیوں کہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے:

”وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا“ (سورۃ النساء: ۱۳۱)۔

(اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ ہرگز نہیں دے گا)۔

بہر حال جب غیر مسلم میں اہلیت قضاء نہ ہونے کی وجہ سے اس کو قاضی بنانا درست نہیں تو اگر کسی جگہ پر حاکم یا قاضی غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں درست نہیں ہوگا اور ایسے قاضی کے شوہر پر ولایت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا فیصلہ فرقت معتبر نہ ہوگا۔ علامہ شامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

”إن شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد في القذف شرط لصحة توليته ولصحة حكمه بعدها“ (رد المحتار: ۴۵۳/۵)۔

(بے شک شہادت کی شرطیں: یعنی مسلمان ہونا، عاقل و بالغ ہونا، آزاد ہونا، نابینا اور محدود فی القذف نہ ہونا، اس کے قاضی بنائے جانے کے لئے اور قاضی بنائے جانے کے بعد اس کے فیصلہ کے درست ہونے کے لئے شرط ہیں)۔

علامہ شامی کی عبارت و لصحة حكمه بعدها سے واضح ہوتا ہے کہ ایسے قاضی کے فیصلے درست اور نافذ نہیں ہوں گے جن میں معتبر لازمی اوصاف موجود نہ ہوں، اسی طرح علامہ ابن ہمام، علامہ محمود البخاری، علامہ شیخ زادہ وغیرہ کی عبارتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقدمات دائر کرنے کے وقت یا فیصلہ سنانے کے وقت قاضی اہلیت قضا کا حامل نہیں مثلاً مسلمان نہیں ہے تو اس کا فیصلہ مسلمانوں کے مقدمات میں نافذ نہیں ہوگا (فتح القدر: کتاب القضاء: باب التحکم، المحیط البرہانی: ۸۶۴، مجمع الاثر: ۲۳۱/۳)۔ اس لئے غیر مسلم عدالت اور اس کے قاضی کے فیصلے سے نکاح ختم نہیں ہوگا اور زوجین کے درمیان تفریق واقع نہیں ہوگی۔ فتاویٰ دارالعلوم میں مذکور ہے:

حاکم وقت کافر کا حکم اور قضاء در باب فسخ نکاح معتبر نہیں..... سرکار کے کسی ملازم کا

حکم قضائے قاضی نہیں کہا جاسکتا، اس لئے اگر سرکاری جج کافر ہیں تو وہ دارالاسلام میں بھی قاضی نہیں ہو سکتا (قادی دارالعلوم دیوبند: ۱۵۲/۸)۔

ہاں اس حکم عام سے وکالت و تفویض کی صورتیں مستثنیٰ ضرور ہوں گی؛ کیونکہ ان صورتوں میں تفریق قاضی کی ولایت عامہ کی وجہ سے نہیں بلکہ شوہر کی جانب سے دیئے گئے اختیار کی وجہ سے ہوگی، جیسا کہ اگلی سطور میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

شوہر کی درخواست طلاق کے بعد غیر مسلم عدالت کے فیصلہ سے فرقت:

اگر شوہر غیر مسلم عدالت میں رشتہ نکاح کو ختم کرنے کی درخواست دے، کہ میرے حق میں اس نکاح کو ختم کر دیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کر کے نکاح کے ختم ہونے کا فیصلہ سنائے، تو اس سے رشتہ نکاح ختم ہو جائے گا، اور اس صورت میں غیر مسلم قاضی کا فیصلہ درحقیقت شوہر کے وکیل بالطلاق ہونے کی وجہ سے معتبر ہوگا، کیونکہ شوہر کی درخواست تو وکیل طلاق کے درجہ میں ہے، اور عدالت کا فیصلہ شوہر کی جانب سے دیئے گئے اختیار کو نافذ کرنے کے درجہ میں ہے۔ علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

”وإن قال لرجل: طلق امرأتی فله أن يطلقها فی المجلس وبعده“ (بخ
القدر: کتاب الطلاق: فصل فی المھیة)۔

(جب شوہر نے کسی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دے دو تو اسے یہ اختیار ہے کہ وہ اس پر مجلس کے بعد بھی طلاق واقع کر دے)۔

علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد زکریا انصاری شافعی لکھتے ہیں:

”ویصح توکیل کافر فی نکاح کتابیة ولو لمسلم؛ لأنه یملک

نکاحها لنفسه وکذا فی طلاق مسلمة“ (اسنی الطالب: کتاب النکاح، الباب الاول)۔

(کتابیہ کے نکاح کے سلسلہ میں اگرچہ نکاح مسلمان سے ہو کافر کو وکیل بنانا درست

ہے؛ اس لئے کہ وہ (مؤکل) اس سے اپنا نکاح کرنے کا مالک ہے، اسی طرح مسلم عورت کو طلاق دینے کا بھی کافر کو وکیل بنانا درست ہے؛ اس لئے کہ وہ (مؤکل) اس کو طلاق دینے کا مالک ہے۔

غیر مسلم عدالت کے فیصلہ کو قبول کرنے پر شوہر کے دستخط کا حکم:

بعض دفعہ عورت غیر مسلم عدالت میں جا کر رشتہ نکاح کے ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے اس بات پر دستخط لیتی ہے کہ عدالت کا جو فیصلہ ہوگا وہ اسے منظور اور قبول ہوگا۔ پھر عدالت کارروائی کے بعد تفریق کا فیصلہ کرتی ہے، اس صورت میں بھی عدالت کا فیصلہ نافذ مانا جائے گا اور رشتہ نکاح ختم ہو جائے گا؛ کیونکہ یہ صورت درحقیقت تفویض طلاق پر اکراہ کی ہے؛ اس لئے کہ عدالت کا کسی سے کسی چیز کا مطالبہ ایسا لازمی امر ہوتا ہے جس سے انکار کی گنجائش نہیں ہوتی، اور انکار کی صورت میں اس کے منفی نتائج ہوتے ہیں، اور اکراہ کی صورت میں بھی تفویض طلاق درست ہوتی ہے اور تفویض سے حاصل ہونے والے اختیار کو نافذ کرنے سے طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔ علامہ سرخسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

”لو أكره بوعيد تلف حتى يحصل عتق عبده في يدهذ الرجل أو طلاق امراته ولم يدخل بها ففعله فطلق ذلك الرجل المرأة أو أعتق العبد وقع الطلاق والعتاق؛ لأن الإكراه لا يمنع صحة الإعتاق والطلاق“ (مبسوط: کتاب الاكراه: باب الاكراه على ما يجب به عتق أو طلاق)۔

(اگر کسی عضو کو تلف کر دینے کی دھمکی دے کر مجبور کیا تاکہ اس کے غلام کو آزاد کرنے یا اس کی غیر مدخول بہا بیوی کو طلاق دینے کا اختیار اسے حاصل ہو جائے، چنانچہ اس نے اختیار دے دیا، اور اس مرد نے عورت کو طلاق دے دی، یا غلام کو آزاد کر دیا تو طلاق اور آزادی واقع ہو جائے گی؛ اس لئے کہ اکراہ آزادی اور طلاق کے واقع ہونے میں مانع نہیں ہے)۔

شوہر کے دستخط کے بغیر یا شوہر کی غیر حاضری میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ:

ہاں اگر عدالت میں عورت کی درخواست کے بعد عدالت کی جانب سے شوہر سے دستخط کے مطالبہ پر شوہر دستخط سے انکار کر دے، یا شوہر عدالت میں حاضر ہی نہ ہو، اور پھر عدالت عورت کی تفریق کا فیصلہ سنا دے، تو اس صورت میں تفریق کا فیصلہ معتبر ہوگا یا نہیں؟

اس صورت مسئلہ میں تھوڑی تفصیل ہے، یورپی ممالک میں جہاں نکاح کے امور عدالت کی زیر نگرانی انجام دئے جاتے ہیں، یا شرعی طور پر ایجاب و قبول کے بعد قانونی کارروائی عدالت میں انجام دینا ضروری ہوتا ہے، وہاں بوقت نکاح یا بوقت کارروائی شوہر کی جانب سے حاکم و قاضی کو طلاق کی تفویض بھی کرنی ہوتی ہے، کہ عدالت کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ ہم دونوں کے مابین تفریق کر دے۔ لبنان کے سابق قاضی شرعی فیصل مولوی اپنے ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

یورپی قوانین اجمالی طور پر قاضی کو طلاق دینے کا اختیار دیتے ہیں، پس جب مسلمان یورپی قانون کے مطابق عقد نکاح کرتا ہے تو گویا وہ قاضی کو طلاق دینے کے اختیار کے قانون کو ماننے کا صراحتہ اقرار کرتا ہے (فتویٰ: ۱۰۲، www.mawlawi.net)۔

اور اگر صراحتہ اس کو تسلیم کرنے کا اقرار نہ کرے پھر بھی قاعدہ المعروف بالعرف کا بشرطاً (قواعد الفقہ لمحمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی: ۳۳۳)۔ کے تحت یورپی معاشرہ اور یورپی عدالتوں میں اس قانون کے معروف و مشروط ہونے کی وجہ سے عدالت کی زیر نگرانی عقد نکاح انجام دینے کی صورت میں وہ اس کو تسلیم کرنے والا قرار دیا جائے گا۔

پس اگر زوجین ان ممالک کے رہنے والے ہوں یا ان میں سے کوئی ایک ان ممالک کا رہنے والا ہو اور وہاں کے قانون کے مطابق عقد نکاح کو انجام دیا گیا ہو، یا شرعی طور پر ایجاب و قبول کے بعد عدالتی طور پر نکاح کی کارروائی انجام دی گئی ہو، پھر عورت کی درخواست پر عدالت تفریق کا فیصلہ شوہر کی حاضری کے بغیر کرتی ہے تو اس فیصلہ سے تفریق واقع ہو جائے گی؛ کیونکہ

عدالت کو شوہر کی جانب سے تفویض طلاق کی وجہ سے بحیثیت وکیل تفریق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہے؛ کیونکہ اس صورت میں عدالت کی حیثیت وکیل کی ہے، اور یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ غیر مسلم وکیل کی تفریق بھی شریعت میں معتبر ہوتی ہے۔

لیکن عدالت کی جانب سے جو فیصلہ ہوگا اس کو تسلیم کرنے پر دستخط کرنے سے عدالت کے سامنے انکار کی صورت میں عدالت کی جانب سے تفریق کا فیصلہ معتبر نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اس مسئلہ میں غیر مسلم عدالت کی حیثیت ایک وکیل سے زیادہ نہیں ہے، اور کسی کو طلاق واقع کرنے کا وکیل بنانے کے بعد اس کی وکالت کو ختم کرنے کا شوہر کو اختیار رہتا ہے۔

”ان للموکل ان یعزل وکیل الطلاق (المحرائق: کتاب الطلاق، فصل فی البیضاء)۔“

چونکہ اس صورت میں شوہر فیصلہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہا ہے، جب کہ وہ اس کو پہلے وکیل بنا چکا ہے، تو گویا دستخط سے انکار اس معنی میں ہے کہ اگر عدالت تفریق کا فیصلہ کرتی ہے تو وہ ہمیں تسلیم نہیں، اس طرح وہ تفریق واقع کرنے کے اس اختیار کو سلب کر لے رہا ہے جو اس نے پہلے بحیثیت وکیل عدالت کو دیا تھا، اور اگر فیصلہ کے بعد دستخط سے انکار کی صورت پیش آئی تو چونکہ تفریق واقع کرنے کے وقت عدالت کی وکالت باقی تھی، اس لئے یہ تفریق معتبر ہونی چاہئے۔

ہاں اگر عدالت کو ایسے الفاظ میں طلاق تفویض کی گئی ہے جس میں شوہر کو رجوع کا اختیار باقی نہیں رہتا (اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے) تو پھر اس صورت میں اس کا دستخط سے انکار کرنا عدالت کی وکالت کو ختم نہیں کر سکتا، اور اس صورت میں دستخط سے انکار کے باوجود تفریق کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ مثلاً شوہر کی جانب سے تفویض ان الفاظ میں ہو کہ اگر عدالت میری بیوی کو مجھ سے جدا کرنا چاہے تو اسے یہ اختیار ہے، یا میری بیوی کو عدالت جب بھی مجھ سے جدا کرنا چاہے کر سکتی ہے، تو پھر اس صورت میں اسے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ یہ تو وکیل کے بجائے تسلیم ہے،

علامہ کاسائی لکھتے ہیں:

”فإن قيده بالمشيئة بأن قال له: طلق امرأتى إن شئت، فهذا تملك عند أصحابنا الثلاثة“ (بدائع الصنائع: ۳/۱۲۳)۔

(اگر طلاق واقع کرنے کے اختیار کو مشیت کے ساتھ مقید کر دیا، اور اس سے اس طرح کہا: اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دے دے، تو یہ ہمارے تینوں اصحاب (امام ابوحنیفہ اور صاحبین) کے نزدیک تملیک ہوگی)۔

اور وکیل کی وکالت ختم کرنے کے اختیار کی طرح تملیک کو ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، علامہ محمود البخاریؒ لکھتے ہیں:

”وهذا النوع من التملك لا يقبل الرجوع“ (المحيط البرہانی)۔

(اس طرح کی تملیک رجوع کو قبول نہیں کرتی)۔

یہ تفصیل تو ان ممالک کے پس منظر میں ہے جن میں عقد نکاح کو عدالت کی نگرانی میں کرنا یا اس کی عدالتی کارروائی کرنا ضروری ہوتا ہے، اور عقد نکاح کی کارروائی کے ضمن میں شوہر کی جانب سے عدالت کو طلاق کی تفویض قانونی طور پر کرنی ہوتی ہے، لیکن اگر زوجین یا ان میں سے کوئی ایک ان ممالک کے رہنے والے ہوں جن ممالک میں نکاح کے لئے عدالت کی نگرانی ضروری نہیں، یا جہاں عدالت کو تفویض طلاق کا قانون نہیں ہے، اور ان کا نکاح تفویض طلاق کے قانون کو ماننے بغیر ہوا ہے، پھر ایسی صورت میں عورت ان ہی ممالک کے غیر مسلم عدالت سے طلاق و تفریق کا مطالبہ کرے، یا کسی دوسرے ملک (جہاں تفویض طلاق کا قانون ہے) کے غیر مسلم عدالت سے طلاق کا مطالبہ کرے، جبکہ ان کا نکاح اس ملک میں نہیں ہوا ہے یا اس کی کارروائی اس ملک میں نہیں ہوئی ہے، اور عدالت شوہر کے جانب سے فیصلہ کو قبول کرنے کے دستخط کے بغیر یا اس کی حاضری کے بغیر عورت کے حق میں فیصلہ کر دے اور تفریق کا فیصلہ صادر

کردے، تو اس صورت میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ تفریق معتبر نہیں ہو سکتا، کیونکہ غیر مسلم عدالت اور اس کے غیر مسلم قاضی کو شوہر پر ایسی ولایت حاصل نہیں ہے جس سے اسے تفریق کا حق ہو، جیسا کہ یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ غیر مسلم حاکم و قاضی کو مسلمان شوہر کی نیابت میں تفریق کا حق حاصل نہیں، اور تفویض طلاق کے نہ ہونے یا عدالت کے فیصلہ کو قبول کرنے پر شوہر کے رضامند نہ ہونے کی وجہ سے اس غیر مسلم عدالت کی حیثیت وکیل کی بھی نہیں ہے، اس لئے اس صورت میں تفریق واقع نہیں ہوگی۔

غیر مسلم ممالک اور غیر مسلم عدالتوں میں مسلم حج کی حیثیت:

غیر مسلم حکومت کی عدالت میں اگر کوئی مسلمان حج کے عہدے پر فائز ہو اور وہ اپنے عمومی فرائض کے تحت زوجین کے مابین تفریق سے متعلق مقدمات کی سماعت بھی کرتا ہو اور پھر تفریق کا فیصلہ بھی صادر کرتا ہو تو اس صورت میں اس کی حیثیت مسلم حاکم و قاضی کی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ غیر مسلم حکومت اور اس کی عدالت کے اصول اور قوانین اس کو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کرنے اور حق کے اظہار کی اجازت دیتی ہو، اور اسلامی قانون کے مغائر فیصلوں اور ناحق فیصلوں پر اس کو مجبور نہ کرتی ہو، اور وہ اپنے فیصلوں کے صادر کرنے میں با اختیار ہو، کیونکہ اس کا غیر مسلم حکمراں کی عدالت میں حج بنانا اور اس عہدہ کو قبول کرنا درست ہے اور اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے فیصلے مسلمانوں پر نافذ ہوں گے۔ علامہ ہسکفی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كان كافرا إلا اذا كان يمنعه عن القضاء بالحق فيحرم“ (الدر المختار علیٰ ما مشرد المختار ۵/۳۶۷، مجمع الزاہر ۱۱/۳۱۸)۔

(قضاء کو عادل اور ظالم سلطان سے اگرچہ کہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو قبول کرنا جائز ہے،

لیکن اگر وہ اسے حق فیصلہ سے روکتا ہو تو حرام ہے)۔

فتاویٰ دارالعلوم میں ہے:

حاکم جو گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے اگر وہ مسلمان ہے تو وہ قائم مقام قاضی ہو جاتا ہے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۳۸/۸)۔

ایک دوسرے فتویٰ کے جواب میں مذکور ہے:

حاکم عدالت جو کہ مسلمان ذی اختیار ہو جیسے حج وغیرہ ان کو بھی حکم قضاۃ کا اس بارے میں دیا گیا ہے کہ ان کا فیصلہ معتبر ہے (حوالہ سابق)۔

اوپر کی تحریروں میں مسلم حج کو قاضی شرعی کا درجہ دینے میں یہ شرط ملحوظ ہے کہ وہ با اختیار ہو، وہ محض اس غیر مسلم عدالت کا ترجمان نہ ہو، چنانچہ اگر وہ با اختیار نہ ہو، بلکہ وہ اسی عدالت کی ترجمانی کا حق رکھتا ہو، تو پھر اس کے فیصلوں کا بھی وہی حکم ہونا چاہئے جو کہ اس غیر مسلم عدالت کے فیصلوں کا ہے، کیونکہ ایسا مسلم حج اپنے فیصلوں میں کسی بھی درجہ میں اسلامی اصول و ضوابط کا پابند نہیں ہوگا، بلکہ وہ اس عدالت کے اصول و ضوابط کی پیروی کرے گا، حتیٰ کہ وہ غیر مسلم عدالت کے ان اصولوں کا بھی پابند ہوگا اور انہیں اختیار کرے گا جو صراحتہ اسلام کے معارض ہوں گے، اس لئے اس مسلم حج کی حیثیت عدالت کے ترجمان کی سی ہوگی، اس لئے اس کے فیصلوں کا حکم اس عدالت کے فیصلوں کے حکم سے مختلف نہیں ہونا چاہئے، حالانکہ ایسے حالات میں جب کہ وہ حق کے اظہار کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور عدالت کے بعض ظالمانہ قوانین کو نافذ کرنے پر مجبور ہو تو خود اس کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ درمختار کی عبارت میں یہ بات ماقبل میں ذکر کی گئی ہے۔

میرے خیال سے موجودہ دور میں عام طور پر مسلم حجوں کی حالت تقریباً یہی ہے کہ وہ کسی بھی درجہ میں اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ وہ ان صورتوں میں جن میں عدالت کے اصولوں کے تقاضے شرعی اصولوں کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ ہوں، وہ ان صورتوں میں شرعی اصولوں کے مطابق مقدمات کی سماعت کریں اور شرعی تقاضوں کے مطابق فیصلے صادر کر دیں، مثلاً:

(۱) زنا کا ارتکاب زوجین کے مابین تفریق کے اسباب میں سے ایک ہے، مروج غیر مسلم عدالتی نظام میں کسی مسلم جج کے سامنے اگر شوہر بیوی کے زنا کے ارتکاب کی وجہ سے تفریق کے مطالبہ کا مقدمہ پیش کرے، تو یہ مسلم جج تفریق کا فیصلہ اسی صورت میں کرے گا، جب کہ بیوی اپنے جرم کا اقرار کر لے یا شوہر اس کے ارتکاب زنا پر گواہ پیش کر دے۔ لیکن اگر بیوی اقرار نہ کرے اور شوہر کے پاس گواہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں وہ مسلم جج تفریق کا فیصلہ نہیں کرے گا، جبکہ اسلامی اصول کے مطابق اس صورت میں لعان واجب ہے اور لعان کے بعد قاضی تفریق کا فیصلہ کر دے گا، اور لعان کے بعد تفریق کرنا لعان کے حکم واجبی میں سے ہے۔ (بدائع الصنائع: باب اللعان)۔

(۲) مروج انگریزی غیر مسلم عدالتوں میں زوجین کو طلب طلاق کا یکساں حق دیا جاتا ہے، چنانچہ اگر عورت طلاق لیتی ہے تو اس صورت میں مرد کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ اس کے بدلے میں مال طلب کرے، یا دی گئی مہر کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ ظاہر ہے کہ ایسے کسی مقدمہ میں غیر مسلم عدالت کا مسلم جج یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ عورت مہر میں دی گئی رقم کو واپس کر کے یا خلع کے بدلے میں مال دے کر خلع لے لے، جب کہ ایسی صورت میں اسلامی قانون شوہر کو خلع کے بدلے میں مہر کی واپسی یا کسی دوسرے مال کے مطالبہ کا حق دیتا ہے (بدائع الصنائع: کتاب الطلاق، فصل فی حکم الخلع)۔

(۳) تفریق واقع ہونے کی صورت میں غیر مسلم عدالت کا مسلم جج اس عدالت کے قانون کے مطابق عدت کے بعد بھی عورت کا نفقہ اس پر متعین کرتا ہے، جبکہ اسلامی قانون میں عورت نفقہ کی حقدار صرف عدت کے گزرنے تک ہوتی ہے (بدائع: فصل فی سبب وجوب ہذہ النفقۃ)۔

(۴) تفریق کی صورت میں غیر مسلم عدالت کا مسلم جج بھی جائیداد میں عموماً نصف نصف کی تقسیم نافذ کرتا ہے۔ جب کہ اسلامی اصول حقیقی ملکیت کا اعتبار کرتی ہے اور حقیقی مالک کو اس کا مال دیتی ہے۔

یہ چند مثالیں ہیں جن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عموماً غیر مسلم عدالت کے مسلم جج کی حقیقت اس غیر مسلم عدالت کے ترجمان کی ہے، اور وہ اسی غیر مسلم عدالت کے قانون کو نافذ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، اور اسی کے قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، اس لئے اس کا فیصلہ حاکم شرعی یا قاضی شرعی کے فیصلہ کی طرح معتبر نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کا فیصلہ اسی عدالت کے فیصلہ کے حکم میں ہونا چاہئے، جس کا یہ قاضی ہے، اور غیر مسلم عدالت کے فیصلہ سے جن صورتوں میں تفریق واقع نہیں ہوتی ان صورتوں میں اس مسلم جج کے فیصلہ سے بھی تفریق واقع نہیں ہونی چاہئے، ہاں اگر وہ بااختیار ہے تو پھر اس کو قاضی شرعی کے قائم مقام ماننے کی شرعاً اجازت ہے۔

خلاصہ:

ایسا قاضی جس کے فیصلے مسلمان کے مقدمات میں شرعاً معتبر ہوں اور اسے مسلمانوں کے نکاح کو فسخ کرنے کی ولایت حاصل ہو، اس کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے، اس لئے غیر مسلم جج کے فیصلہ فرقت سے فرقت واقع نہیں ہوگی، البتہ اگر وہ جج شوہر کی طرف سے وکیل بن جائے اور کسی طرح چاہے عقد نکاح کے وقت یا بعد میں شوہر اس کو فرقت واقع کرنے کا وکیل بنانے کو منظور کر لے اور پھر وہ اپنی حق وکالت کو استعمال کرتے ہوئے فرقت کا فیصلہ صادر کرے تو اس کے اس فیصلہ سے فرقت واقع ہو جائے گی۔ البتہ غیر مسلم عدالت و حکومت میں اگر کوئی جج مسلمان ہو اور وہ اپنے عمومی فرائض کے ساتھ فسخ و تفریق کے مقدمات کی سماعت کرتا ہو تو اس کی حیثیت قاضی شرعی کی ہے اور اس کا فیصلہ فرقت معتبر ہے، اور اس سے فرقت واقع ہو جائے گی، بشرطیکہ وہ بااختیار جج ہو، اور اس کی حیثیت محض اس غیر مسلم عدالت کے ترجمان کی نہ ہو۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ حاصل کئے گئے طلاق کا شرعی حکم

مفتی محمد عثمان بستوی ☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق دینے اور طلاق حاصل کرنے کی چند صورتیں بنتی ہیں:

۱- شوہر اپنی رضا سے غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق دلوائے، ۲- زوجین اپنا معاملہ کسی غیر مسلم عدالت کے سپرد کر دیں کہ عدالت اپنی صواب دید کے مطابق جو فیصلہ چاہے کرے، ۳- شوہر طلاق دینے پر راضی نہ ہو اور بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کر کے شوہر کی مرضی کے خلاف غیر مسلم عدالت سے فیصلہ کروالے، اور سوال میں غیر مسلم عدالت سے طلاق دلوانے کی جو صورتیں مذکور ہیں وہ اسی مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ اس لئے ہم اب ان مذکورہ بالا صورتوں کے مطابق تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔

شوہر کا بذریعہ عدالت اپنی رضا سے طلاق دلوانا:

عدالت یا کسی غیر کے واسطے سے اگر طلاق دلوائی جائے تو اس کی کل تین صورتیں بنتی ہیں: ۱- تفویض، ۲- توکیل، ۳- رسالت۔

”فی الدر ما یوقعه غیره یاذنه أنواعه ثلثة: تفویض، توکیل، رسالہ“ (در

مخارج ۴، ص ۵۵۲-ز)

تفویض:

عدالت یا کسی غیر کو طلاق کا اختیار اس طرح دینا کہ خود اس کو اس کی مرضی اور مشیت کا پابند بنا دیا جائے اور وہ شوہر کے امر کو ملحوظ رکھنے کا پابند نہ ہو تو اس کو شرعاً تفویض اور تملیک کہتے ہیں اور خود بیوی کو اختیار دینا بہر صورت تفویض اور تملیک ہے۔

”ذکر فی الفتح فی فصل المشیة أن صاحب الهدایة جعل مناط الفرق بین التملیک والتوکیل مرة بأن المالك يعمل برأی نفسه، بخلاف التوکیل، ومرة بأنه عامل لنفسه بخلافه..... إلى أن قال بعد ما بحث فی الأولین أن الفرق الثالث أصوب، (شامیہ ج ۴، ص ۵۵۲-ز). وفی البدائع وجه الفرق بین المطلق والمقید وهو أن الأجنبي فی المطلق يتصرف برأی الغير وتدبيره ومشيته فكان توکیلاً لا تمليکاً، أما المقید فإنما يتصرف عن رأی نفسه وتدبير نفسه ومشيته وهذا معنی المالکیة وهو التصرف عن مشیته وهذا فرق واضح بحمد الله، قوله لامرأته: طلق، نفسک لا يمكن أن يجعل توکیلاً الخ (بدائع ج ۳، ص ۱۹۴)۔

تفویض کے احکام:

۱- اگر طلاق دینے کا مالک کسی غیر کو بنائے اور اس کے ساتھ اس کی وضاحت بھی کر دے کہ وہ جب چاہے میرے سپرد کردہ اختیار کی بنا پر طلاق دے سکتا ہے تو ایسے شخص کو طلاق دینے کا عمومی اختیار حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اگر مطلق اختیار دے اور اسکے عموم کی وضاحت نہ کرے تو اس وقت صرف اسی مجلس میں طلاق دینے کا اختیار ہوگا، مجلس کے بعد طلاق دینے کا اختیار باقی نہ رہے گا۔

۲۔ جس کو طلاق کا اختیار سپرد کر دیا جائے تو پھر اس سے اسکے اختیار کو باطل کرنے کا اور اپنے سپرد کردہ اختیار کو واپس لینے کا حق نہ رہے گا۔

۳۔ مجنون اور صبی لایعقل کو بھی طلاق کا مالک بنایا جاسکتا ہے۔ فی الدر المختار :
 ”ففى التملیک لا یرجع ولا یعزل ولا یبطل بجنون الزوج ویتقید
 بمجلس (إلا إذا زادت متی شئت أو متی ما شئت أو إذا شئت أو إذا ما شئت فلا
 یتقید بالمجلس) ولا (یتقید) بعقل فیصح تفویضه لمجنون، و صبی لایعقل
 (الدر المختار ج ۳، ص ۵۵۳-۵۵۵)۔

غیر مسلم کو طلاق کی تفویض:

اس مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے چند باتیں لکھی جاتی ہیں:

(۱) تفویض میں دو معنی پائے جاتے ہیں: ایک تملیک کا معنی، دوسرے تعلیق کا معنی، یعنی شوہر اپنی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ اگر فلاں نے تم سے ”انت طالق“ کہا تو تم کو طلاق، اس معنی تعلیق کی وجہ سے مجنون وغیرہ کو بھی طلاق سپرد (تفویض) کرنا صحیح ہے، اور اس معنی کی بناء پر اگر کسی عاقل کو طلاق سپرد کیا پھر وہ مجنون ہو گیا تو جس شرط پر تفویض کیا تھا وہ شرط (صفت عقل) تعلیق کے فوت ہونے کی وجہ سے تعلیق باطل ہو جائے گی اور عاقل کا مجنون ہونے کے بعد طلاق مفوض دینا بھی صحیح نہیں ہوگا۔

”وبیانہ ما فی البحر عن المحيط: لو جعل امرها بید صبی لایعقل أو مجنون فذلک إلیہ مادام فی المجلس، لأن هذا تملیک فی ضمنہ تعلیق، فإن لم یصح باعتبار التملیک یصح باعتبار معنی التعلیق فصححناه باعتبار التعلیق، فکأنه قال، إن قال لك المجنون: أنت طالق فانت طالق..... وفى تفویض الطلاق وإن کان لاعهدة أصلا، لكن الزوج حین التفویض لم یعلق إلا

علی کلام عاقل، فإذا طلق وهو مجنون لم يوجد الشرط بخلاف ما إذا فوض إلى مجنون ابتداءً وإن لم يعقل أصلاً، فإنه يصح باعتبار معنى التعليق“ (شامی ۵۵۶/۳)۔

مذکورہ بالا توضیحات و تشریحات سے معلوم ہو گیا کہ غیر مسلم کو طلاق کا مالک بنانا صحیح اور درست ہے اور اس پر تفویض کے تمام احکام جاری ہوں گے، یعنی اگر تفویض مطلق ہے تو اختیار مجلس کے ساتھ خاص رہے گا اور اگر تفویض عام ہے تو اس صورت میں مجلس کے ساتھ تخصیص نہ ہوگی بلکہ اس کو عام اختیار حاصل ہوگا۔

توکیل:

بیوی کے علاوہ کسی دوسرے کو طلاق دینے کا مجازاً امر آمر کا لحاظ رکھتے ہوئے بنایا جائے خود اس کو اس میں اپنی مرضی و مشیت شامل کرنے کا اختیار نہ ہو، اس وجہ سے کہ اگر اس کو اپنی مرضی و مشیت استعمال کرنے کا اختیار ہو تو یہ توکیل نہیں بلکہ تفویض و تملیک بن جائے گی۔

”لو أضاف الأمر بالتطبيق إلى الأجنبية ولم يقيد بالمشية كان توکیلا بالإجماع“ (بدائع ۱۹۳/۳)۔

”طلقى ضررک أو قوله لأجنبی: طلق امرأتی یصح رجوعه، لأنه توکیل محض، إلا إذا علقه بالمشية فیصیر تملیکا لا توکیلا“ (درمختار ۵۵۵/۳)۔

توکیل کے احکام:

۱۔ جس کو طلاق دینے کا وکیل بنایا جائے تو اس کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے طلاق دے دے، البتہ اگر اس اختیار کو کسی وقت اور زمانے کے ساتھ مخصوص کر دے تو اس وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت طلاق دینے کا اختیار نہیں رہے گا۔

۲۔ جس کو طلاق دینے کا وکیل بنایا گیا ہے مگر وہ کل جب چاہے اس کو معزول کر دے اور

اپنے سپرد کردہ اختیار کو واپس لے لے۔

۳- وکیل اگر توکیل کے بعد مجنون ہو جائے تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی اور اس کا کوئی تصرف نافذ نہ ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر کسی ایسے مجنون کو وکیل بنائے جو سپرد کئے گئے معاملہ کو سمجھتا ہو اور وہ اس کے بعد اس معاملہ کو انجام دے تو اس کا تصرف نافذ و صحیح ہوگا۔ اس وجہ سے کہ اگر توکیل کے بعد جنون طاری ہو تو اس میں چونکہ مؤکل نے ذمہ داری وکیل کے سپرد کی تھی اور جنون کے بعد وکیل ان ذمہ داریوں کا اہل نہیں رہ گیا، اس لئے اس کی وکالت باطل ہو جائے گی بخلاف اس کے کہ اگر اسکو حالت جنون (مذکورہ) میں وکیل بنایا جائے تو اس صورت میں مؤکل ساری ذمہ داری اپنے ذمہ باقی رکھتا ہے اور وکیل مجنون کو صرف قاصد و پیمانہ کا درجہ دیتا ہے، اس لئے وکیل مجنون جو تصرف کرے گا وہ درحقیقت مؤکل کا تصرف بن کر صحیح و نافذ ہوگا۔

غیر مسلم کو طلاق کی توکیل:

اس کو سمجھنے سے پہلے چند امور تحریر کئے جاتے ہیں:

۱- باب طلاق میں وکیل من وجہ قاصد اور رسول ہوتا ہے۔

”وفی کل عقد لابد من إضافة إلى مؤكله كنيح وخلع وكتابة تتعلق بمؤكله لابد لكونه فيها سفيرا محضاً. ولو أخرج الكلام في الطلاق منحرج الوكالة بأن أضافه إلى نفسه صح إلا في النكاح، والفرق أنه في الطلاق أضافه إلى الموكل معنى“ (شامی ۲۴۶/۸)۔

۲- وکیل طلاق دینے میں اپنے مؤکل کا من وجہ نائب بھی ہوتا ہے، اس لئے اس کے

اندر نیابت کی اہلیت کا ہونا بھی شرط ہے۔ (دلیل ۳ کے ذیل میں ملاحظہ ہو)۔

۳- اس میں (توکیل میں) بھی تعلیق کے معنی پائے جاتے ہیں گو وکیل مؤکل کہتا ہے

کہ میں نے تیرے طلاق کو اپنے وکیل کے انت طالق کہنے پر معلق کر دیا ہے، یعنی اگر میرا وکیل تجھ سے انت طالق کہے تو تجھے طلاق، اسی لئے اگر کسی عاقل کو طلاق دینے کا وکیل بنایا پھر وہ وکیل مدہوش (جنون کی ایک قسم ہے) ہو گیا اور پھر اسی مدہوشی کی حالت میں طلاق دے تو طلاق پڑ جائے گی۔

”نقل فی البحر بعد ذلك عن البرازية: التوكيل بالطلاق تعليق الطلاق بلفظ الوكيل ولذا يقع منه حال سكره إلا أن يقال إن هذا لا ينافي اشتراط العقل لصحة التوكيل ابتداءً لكن مقتضى التعليق بلفظ الوكيل عدم اشتراط عقله لوجود المعلق عليه بالتطبيق وعليه فلا فرق بين التملك والتوكيل في ذلك فليتأمل“ (شامی ۴/۵۷۷)۔ وفي تقريرات الرافعي قد يقال: إن التوكيل بالطلاق فيه شبهان: شبه الانابة وشبه التعليق فنظر الاول اشترطوا عقل الوكيل ولو وكل مجنوناً أو صبياً لا يعقل وتلفظ بصيغة الطلاق لا يقع وإذا سكر بعده وطلق يقع نظراً للثاني“ (تقريرات رافعی ۴/۲۲۱)۔

۳۔ مذکورہ بالا امور ثلاثہ میں سے کسی میں بھی اسلام کی شرط نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہو گیا کہ غیر مسلم کو طلاق کا وکیل بنانا صحیح ہے اور اس پر توکیل کے احکام نافذ ہوں گے، یعنی اگر وکالت بالطلاق کو مشیت وکیل کے ساتھ مقید کیا جائے، تو یہ اختیار تفویض ہو کر مجلس کے ساتھ خاص ہوگا، البتہ اگر مشیت کے ساتھ بھی اس کو عمومی اختیار دے دیا جائے تو پھر تفویض کی طرح سے یہ اختیار بھی مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو عمومی اختیار حاصل ہو جائے گا۔

رسالت:

اپنی بیوی کے پاس کسی واسطہ اور ذریعہ سے خواہ تحریراً ہو یا لفظاً طلاق وغیرہ کا پیغام بھیجنے

کا نام رسالت ہے۔

”وأما الرسالة فهي أن يبعث الزوج إمرأته الغائبة على يد انسان فيذهب الرسول إليها ويبلغها الرسالة على وجهها فيقع عليها الطلاق، لأن الرسول ينقل كلام المرسل فكان كلامه ككلامه“ (بدائع الصنائع ۱۹۹/۳)۔
حکم:

تحریری یا زبانی طور پر اگر اپنی بیوی کو پیغام پہنچائے تو طلاق پڑ جائے گی اور بیوی کو شوہر کے ساتھ رہنا سہنا طلاق بائن و مغلظ کی صورت میں جائز نہ ہوگا۔ ”ومنها عدم الشك من الزوج في الطلاق وهو شرط الحكم بوقوع الطلاق حتى لو شك فيه لا يحكم بوقوعه الخ“ (بدائع الصنائع ۱۹۹/۳)۔
تحریر کے چند احکام:

۱- تحریر لکھنے یا تحریر پر مضمون سے واقف ہونے کے بعد دستخط کرنے کا اختیار صرف اسی صورت میں ہوگا جبکہ اس نے تحریر اور دستخط سب اپنی رضا سے کیا ہو، لہذا اگر بلا رضا کے اکراہ کی بنا پر خواہ اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی ہو تحریر لکھے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

”رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق إمرأته فكتب لاتطلق إمرأته لأن الكتاب أقيم مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا“ (غایۃ ۳۵/۲)۔

۲- تحریر خود نہ لکھے بلکہ کسی سے لکھوائے یا کسی نے از خود لکھا ہو کہ یہ تحریر فلان کی ہے تو اس تحریر کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا ہے جب تک کہ اس نے اس کو پڑھ کر اس پر دستخط نہ کر دیا ہو، لہذا بغیر پڑھے اور اسکے مضمون پر واقف ہوئے بغیر دستخط کر دیا ہو تو شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

۳- مضمون تحریر دوسرے سے لکھوانے کے بعد اس کو پڑھ کر یا اس سے واقف ہونے

کے بعد دستخط کر دیا ہو لیکن بعد میں وہ اپنی تحریر ہونے سے انکار کر دے تو جب تک شہادت یا اقرار سے اس کی تحریر ہونا ثابت نہ ہو جائے اس سے کوئی حکم متعلق نہیں ہوگا۔

”کل کتاب لم یکتبه بخطه، ولم یملہ بنفسه، لایقع به الطلاق إذا لم

یقر أنه کتابه“ (الہندیہ ۱/۳۷۹)۔

”وان لم یقر أنه کتابه ولم تقم بینة لاتطلق قضاء ولا دیانہ“ (شامی ۳/۳۵۶)۔

تحکیم:

نزاع کرنے والے فریقین کا اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ایک یا ایک سے زائد لوگوں کو اختیار دیدینے کا نام شریعت میں تحکیم ہے۔ اس کا ثبوت قرآن و حدیث، عمل صحابہ، اجماع امت، سب سے ہے اس کی شرطیں وہی ہیں جو قضاء کی شرطیں ہیں، البتہ حدود و قصاص میں تحکیم صحیح نہیں۔

”التحکیم شرعاً تولیة الفریقین المتخاصمین حاکماً واحداً أو أكثر یحکم بینہما، دلت الآیة القرآنیة علی مشروعیة التحکیم، والتحکیم جائز أيضاً بالسنة، وقد دلت اثارٌ کثیرة علی مشروعیة التحکیم وعمل به الصحابة، وأجمع علیه المسلمون ویشرط فی المحکم أن یكون أهلاً للشهادة وأن تتوافر فی هذه الأهلیة وقت الحکم، وأن یكون الموضوع فی غیر الحدود والقصاص فیصح التحکیم فی القضايا المالیة وفی الأحوال الشخصیة من زواج وطلاق“ (الفتاویٰ النجفی ثوبی الجدید ۳/۱۶۲-۱۶۳، الفقہ الاسلامی ۸/۶۲۵۱)۔

حکم:

حکم کے فیصلہ کر دینے کے بعد فریقین کے لئے ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، البتہ حکم کے فیصلہ کرنے سے پہلے فریقین میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے کہ وہ حکیم

سے رجوع کر لے۔

”وینفرد بأحد المحکمین برد الحکم وفسخه قبل وقوعه فإن حکم لزمهما ولا يبطل حکمة بعزلهما لصدوره عن ولاية شرعية وهو لازم للمحکمین فقط فلا يتعدى إلى غيرهما“ (الفقه الحنفی فی ثوبہ الجدید ۱۶۳/۳)۔

”ویلتزم المتحاکمان بقرار المحکم عند الحنفية والحنبلية ولكل واحد الرجوع عن التحکیم قبل إصدار الحکم عند الحنفية“ (الفقه الإسلامي ۱۸/۲۴۵۱)۔

قضاء:

قضاء: شریعت میں لوگوں کے درمیان پیش آنے والے نزاعی مسئلوں اور مقدمات کا فیصلہ کرنے کا نام ہے۔ ”القضاء شرعاً: فصل الخصومات وقطع المنازعات بین الناس“ (الفقه الحنفی ۱۳/۱۳)۔

شرائط:

قاضی کا عاقل و بالغ ہونا، آزاد ہونا، مسلمان ہونا، شنوائی، بینائی اور قدرت کلام کا موجود ہونا، اور احکام شرعیہ سے واقف ہونا، حاصل یہ کہ شہادت کی تمام شرائط کا قاضی کے اندر پایا جانا ضروری ہے، لہذا جو شخص شاہد بن سکتا ہے وہ قاضی بھی بن سکتا ہے (الفقه الإسلامي ۱۸/۲۴۳)۔

الفقه الحنفی ۱۳/۱۳)۔

غیر مسلم حجج کا مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنا:

ضابطہ ۱:

جو شخص شاہد (گواہ) بن سکتا ہے وہ قاضی اور حکم (ٹالسٹ) بھی بن سکتا ہے، ”واہلہ

أهل الشهادة“ (کنز الدقائق)۔

ضابطہ ۲:

شہادت کے لئے ولایت شرط ہے: ”وإنما شرط شرط شرائط الشهادة في القضاء لأن القضاء ولاية كالشهادة بل القضاء ولاية عامة“ (حاشیہ علی تبیین الحقائق ۱۸۱/۵)۔
والشهادة من باب الولاية الخ (تبیین الحقائق ۱۸۳/۵)۔

ضابطہ ۳:

غیر مسلم کو اہل اسلام پر باب دیانات و مذہبی امور (حلت، حرمت، نجاست، طہارت، نکاح، طلاق، تفریق وغیرہ) میں ولایت حاصل نہیں (دلیل ضابطہ ۲ کے تحت ملاحظہ فرمائیں)۔
ضابطہ ۴:

غیر مسلم کو اہل اسلام کے دنیوی معاملات (بیع، شراء، امانت، وکالت، وصیت) وغیرہ میں ولایت حاصل ہوتی ہے۔

”قال الله تعالى: يا أيها الذين امنوا شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت“ الآیة (المائدہ ۱۰۶)، ”فهذا نص على أن شهادة الكافر مقبولة في وصية المسلم، وفي وصية الكافر أولى ثم انتساخته في حق المسلم لأجل أن ولايتهم على المسلمين انتسخت لا يدل على انتساخته في حق الكافر لبقاء ولاية بعضهم على بعض لقوله تعالى: ”والذين كفروا بعضهم أولياء بعض“ (الأ نفال ۷۳)۔ والمراد به الولاية دون الموالاة، لأنه معطوف على قوله تعالى: ”مالكم من ولايتهم من شيء“ الآیة (الأ نفال ۷۲)۔

(سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۶ مسلمان کی وصیت میں کافر کی شہادت کے قبول کئے جانے کی دلیل ہے، لہذا کافر کی وصیت میں بدرجہ اولی شہادت کے مقبول ہونے کی دلیل ہے، پھر اس کا مسلمان کے حق میں اس بنیاد پر منسوخ ہونا کہ ان کی ولایت مسلمانوں پر منسوخ ہو چکی ہے،

اس کے کافر کے حق میں منسوخ ہونے پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ انہیں ایک دوسرے پر اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”والذین کفروا“ کی وجہ سے ولایت حاصل ہے، آیت کریمہ میں ولایت ہی مراد ہے نہ کہ موالات، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ”مالکم من ولايتهم الخ“ پر معطوف ہے۔

فإذا بقیت ولاية بعضهم على بعض بقیت الشهادة أيضاً، لأنها نوع ولاية لما فيها من إلزام الغير، فدل ذلك على أن الآية غير منسوخة في حقهم، وكيف يقال ذلك وقد عمل بها بعض الصحابة في حق المسلمين أيضاً فإن أبا موسى الأشعري رضى الله عنه (أمضى شهادة الكافرين في وصية المسلم) فيما رواه أبو داؤد والدارقطني وقالت عائشة رضى الله تعالى عنها لجبير بن نفير (هل تقرأ سورة المائدة) قال: نعم قالت: فإنها آخر سورة أنزلت فما وجدتم فيها من حلال فأحلوه وما وجدتم فيها من حرام فحرموه (رواه أحمد) فهذا يدل على أنها ليست بمنسوخة في حق المسلم أيضاً، والفسق من حيث الاعتقاد لا يمنع القبول لأنه يمتنع عن محذور دينه أشد الامتناع والكذب محذور في الأديان كلها والرضا ثبت في حق الكافر في حق المعاملات بصفة الأمانة، لأن الله تعالى وصفهم بذلك فقال: ”ومن أهل الكتاب من إن تامنه بقنطار يؤده إليك“ (آل عمران: ۷۵)۔ فخرجت الآية منخرج الوصف لهم بالأمانة، والأمانة مرضية وإن لم يكن الكافر مرضياً لكفره، ولما كان مؤتمناً في المعاملات كان مؤتمناً في الشهادة، لأنها من أداء الأمانة“ (تبيين الحقائق ۵/ ۱۸۳-۱۸۴)۔

(جب ان کی ایک دوسرے پر ولایت باقی ہے تو شہادت بھی باقی رہے گی، کیونکہ شہادت بھی الزام غیر کی وجہ سے ایک طرح کی ولایت ہی ہے، لہذا یہ اس پر دال ہے کہ آیت کفار

کے حق میں منسوخ نہیں ہے، یہ کیسے کہا جاسکتا ہے جبکہ کچھ صحابہؓ نے مسلمانوں کے حق میں اس پر عمل کیا ہے، چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے مسلمان کی وصیت میں کفار کی وصیت کو نافذ کیا ہے جیسا کہ کتب احادیث میں مروی ہے، حضرت عائشہؓ نے حضرت جبیر بن نفیر سے فرمایا: کیا آپ نے سورہ مائدہ پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا: جی! اس پر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ یہ سب سے آخری نازل شدہ سورت ہے، لہذا اس میں جسے حلال پاؤ اسے حلال سمجھو، اور جسے حرام پاؤ اسے حرام، یہ فرمان اس بات پر دال ہے کہ آیت مذکورہ مسلمان کے حق میں منسوخ نہیں، رہی بات اعتقاد کے اعتبار سے فسق کی تو وہ قبولیت سے مانع نہیں ہے کیونکہ اعتقاد مذہب کے ممنوعات سے پورے طور پر مانع ہوا کرتا ہے اور کذب تو تمام مذاہب میں ممنوع ہے اور رضا صفتِ امانت کے ساتھ معاملات میں کافر کے حق میں ثابت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں صفتِ امانت کے ساتھ متصف کیا ہے، چنانچہ فرمایا: ”ومن اهل الكتاب الخ“ یہ آیت کفار کے امانت کے ساتھ متصف ہونے کو بیان کر رہی ہے اور امانت ایک شیء محبوب ہے اگرچہ کافر کفر کے سبب محبوب نہیں ہے جب وہ معاملات میں قابلِ اطمینان ہے تو شہادت میں بھی ہوگا کیونکہ شہادت ادائے امانت ہی کا نام ہے۔

ضابطہ ۵:

غیر مسلم کی خبر باب معاملات میں معتبر ہے، البتہ دیانات میں معتبر نہیں۔ اور خبر شہادت کی طرح ہے علاوہ چند امور کے۔

”و اصل ما ذکر من ثبوت الحل والحرمۃ ان خبر الکافر مقبول بالإجماع فی المعاملات لا فی الدیانات“ (اللہ الحنفی ۳۲۶/۵)۔

”الإخبارات ثلاثۃ: إما بحق للغير علی آخر وهو الشهادة“ (اللہ الحنفی

۱۳۹/۳)۔

ضابطہ ۶:

غیر مسلم کی شہادت مسلم کے خلاف اصلاً معتبر نہیں لیکن مبعاً معتبر ہے، جیسے اس کافر غلام کے خلاف جس کا مالک مسلمان ہو یا آزاد کافر وکیل کے خلاف جس کا موکل مسلمان ہو، اور اس مردہ ذمی کے خلاف جس کا وصی مسلمان ہو۔ اسی طرح کافر کی شہادت مسلم کے خلاف ضرورتاً بھی مقبول ہے، مثلاً وصیت میں اور نسب میں۔

”تقبل من کافر علی عبد کافر مولاه مسلم أو علی وکیل حر کافر موکلہ مسلم وتقبل علی ذمی میت وصیہ مسلم، ولا تقبل شہادۃ کافر علی مسلم إلا تبعاً أو ضرورۃ فی مسألتین: فی الإیضاء شہد کافران علی کافر أنه أوصی الی کافر واحضر مسلماً علیہ حق للمیت: وفي النسب: شہد أن النصرانی ابن المیت فادعی علی مسلم بحق، وهذا استحسان ووجهه الضرورۃ لعدم حضور المسلمین موتہم لا نکاحہم“ (درمختار مع الشامیہ ۱۹۱/۸-۱۹۲)۔

مذکورہ بالا ضوابط سے یہ معلوم ہوا کہ موجودہ زمانہ میں غیر مسلم جموں کے ذریعہ سے اپنے ذمی معاملات میں مقدمات کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے کسی غیر مسلم کو اپنے ذمی معاملات میں کسی غیر مسلم کو حکم (ٹالسٹ) بنانا یا غیر مسلم حج کے پاس مقدمہ لیجانا جائز نہیں۔ اور ذمی معاملات میں انکا فیصلہ بھی غیر معتبر ہوگا۔

”الشرط الثالث للقضاء الإسلام: لأن القضاء ولاية، ولا ولاية لغير المسلم علی المسلم فلا تقبل شہادته علیہ، لقوله تعالیٰ: ”ولن يجعل الله للكافرين علی المؤمنین سبيلاً“ وأجاز أبو حنیفة تقلید غیر المسلم القضاء بین أهل دینہ“ (الفقه الإسلامی و فی حاشيته) مايجرى علیه العمل الآن من تولیة الذمیین منصب القضاء حتی بین المسلمین ماخوذ مما قررتہ لجنة مجلة

الأحكام العدلية عملاً بقبول شهادته على المسلم للضرورة“ (الفقه الإسلامي

۶۲۳۷/۸-)

خلاصہ:

۱- مذکورہ صورت میں عدالت کو شوہر کی درخواست کے بعد اپنے حسب منشاء طلاق دینے اور نہ دینے دونوں کا اختیار رہتا ہے، اس لئے یہ صورت تفویض کی ہے، اور تفویض تعلق کی ایک قسم ہے (یعنی شوہر نے طلاق کو عدالت کے فیصلہ طلاق پر معلق کر دیا ہے) لہذا غیر مسلم حج کا فیصلہ طلاق معتبر ہوگا ”لأن هذا تمليك في ضمنه تعليق فيصح باعتبار معنى التعليق“ (شامی ج ۳، ص ۵۵۶-ز)۔

۲- دوسری صورت میں چونکہ بیوی اور شوہر دونوں اپنا اپنا اختیار عدالت کے سپرد کر دیتے ہیں، اس لئے یہ حکم کی صورت بنتی ہے، اور امور دیانات (نکاح، طلاق، حلت، حرمت وغیرہ) میں حکم اور ثالث کیلئے مسلم ہونا شرط ہے، لہذا غیر مسلم حج کا فیصلہ طلاق غیر معتبر ہوگا۔

”وشرطه من جهة المحكم صلاحيته للقضاء فلو حكم عبداً أو ذمياً فأسلم ثم حكم لا ينفذ“ (در مختار ج ۸، ص ۱۲۶)۔

۳- باب دیانات میں غیر مسلم کو مسلم پر کسی قسم کی ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے، اس لئے غیر مسلم حج کو تفریق بین المسلمین کا اختیار نہ ہوگا۔

”أهله أهل الشهادة أى أدائها على المسلمين، وحاصله أن شروط الشهادة من الاسلام الخ“ (شامی ج ۸، ص ۲۳-ز)۔

۴- مسلم کو چونکہ مسلم پر ہر قسم کی ولایت حاصل ہے، اس لئے غیر مسلم عدالت کے مسلم حج کا فیصلہ اہل اسلام کے تمام امور میں خواہ از قبیل دیانات ہوں یا معاملات --- نافذ اور معتبر ہوگا۔

”يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو كان كافراً“

(أخيلة: النازة: ۳۵، الدر المختار ۸/۴۳)۔

۵- خبر، شہادت اور قضا کے اعتبار سے معاملات کی کل دو قسمیں ہیں: (۱) دینی و مذہبی امور مثلاً نجاست، طہارت، حلت، حرمت، نکاح، طلاق وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کافر کی شہادت و قضا بالکل مقبول نہیں۔ دنیوی معاملات اس کی کل تین قسمیں ہیں: ۱- جس میں بالکل الزام نہ ہو جیسے وکالت، مضاربت وغیرہ اس میں ہر ایک کی خبر شہادت قضا وغیرہ معتبر ہے اگرچہ وہ غیر مسلم ہی ہو۔ ۲- وہ معاملات جن میں من و جد دوسروں پر الزام ہوتا ہے مثلاً عزل وکیل وغیرہ۔ ۳- وہ معاملات جن میں من کل الوجوہ الزام ہوتا ہے ان دونوں میں غیر مسلم کی شہادت و قضا مختلف فیہ ہے۔ جو حضرات غیر مسلم کی ولایت باب معاملات میں تسلیم کرتے ہیں ان کے نزدیک ان امور میں شہادت و قضا کو بھی صحیح مانتے ہیں۔ اور جو حضرات ان امور میں بھی ان کی ولایت کو تسلیم نہیں کرتے ہیں ان کے نزدیک اس میں بھی ان کی شہادت و قضا معتبر نہیں، لیکن معاملات جو امور دنیا سے متعلق ہوتے ہیں تحقیق و تفکر کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ ان میں غیر مسلم کی شہادت و قضا معتبر ہونی چاہئے، کیونکہ ان کی شہادت کا سقوط حقیقت میں عداوت کی وجہ سے ہے، لہذا اگر عدم عداوت پر اطمینان کامل ہو تو مقبول ہونا چاہئے۔ التفصیل فی الزیلعی و الفقه الحنفی فی ثوبہ الجدید و الفقه الإسلامی وأدلته۔



غیر مسلم عدالتی فیصلہ اسلامی تناظر میں

مولانا سلمان پالن پوری ☆

اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا تنازع پیش آئے یا آپس میں حق تلفی کی نوبت آئے تو ہر فریق کو چاہئے کہ وہ شریعت کی طرف رجوع کرے، اور تنازعہ معاملہ میں شریعت کا جو حکم ہو اسے دونوں فریق بخوشی تسلیم کر لیں اور تنازعہ ختم کر دیں، معاملہ خواہ مالی ہو یا سماجی اور معاشرتی ہو، ہر موقع پر یہی اصول پیش نظر رکھنا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

”فإن تنازعتم في شئ فردوه إلى الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلاً“ (سورہ نساء، ۵۹)۔

(پھر اگر جھگڑ پڑے کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر، یہ بات اچھی ہے اور بہتر ہے اس کا انجام)۔

اسکے برخلاف جو لوگ اپنے تنازعات شریعت کی روشنی میں حل کرانے کے بجائے غیر شرعی قوانین وغیرہ کے ذریعہ حل کرانے پر مطمئن ہوں ان کی قرآن پاک میں سخت مذمت کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

• ”ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك وما أنزل من

قبلک یریدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويزيد
الشیطان أن یضلهم ضلالاً بعيداً“ (سورہ نساء: ۶۹)۔

(کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اتراتی تیری
طرف اور جو اتراتی تھیں سے پہلے چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے
ان کو کہ اس کو نہ مانیں، اور چاہتا ہے شیطان کہ ان کو بہکا کر دور لے جا ڈالے)۔

اسی بنا پر تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی غیر مسلم جج کا کوئی فیصلہ کسی مسلمان کے
خلاف شرعاً معتبر نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر اسلامی حکومت میں مسلمان حاکم کی طرف سے کسی غیر مسلم جج
کو فیصلہ کے لئے مقرر کیا جائے تو اس کے فیصلے صرف غیر مسلم ذمیوں تک ہی محدود رہیں گے۔
مسلمانوں کے درمیان اسے فیصلہ کا حق نہ ہوگا۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”وتقلید حکومت الذمی لیحکم بین اهل الذمة صحیح وتقلیده أن
یحکم بین المسلمین باطل وكذلك التحکیم“ (ج ۳/ ۳۹۷- الباب الرابع والعشرون
فی التکلیم، زکریا بکڈ پوڈیو بند)۔

(ذمی کفار کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے کسی غیر مسلم حاکم کو مقرر کرنا درست ہے،
لیکن اس غیر مسلم کو مسلمانوں کے درمیان فیصلہ بنا کر تقرر کرنا باطل ہے، اور یہی حکم کافر کو حکم بنانے
کے بارے میں بھی ہے)۔

فقہ العصر حضرت علامہ شامیؒ نے شام کے بعض علاقوں میں مقرر کردہ عیسائی اور
دروزی قاضیوں کے بارے میں صاف طور پر فرمایا ہے کہ ”ان کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ نہیں ہے“
(شامی ج ۸/ ۲۳- کتاب القضاء- دار الکتب دیوبند)۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر فریقین دونوں اس بات پر راضی ہوں کہ کوئی غیر مسلم

انکے درمیان فیصلہ کرے، تو بھی وہ غیر مسلم ان کے لئے شرعی حکم نہیں بنے گا، اور اس کا فیصلہ ماننا فریقین پر لازم نہ ہوگا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

”ویکون تراضیہما علیہ فی حقہما کتقلید السلطان ایاء وتقلید الذمی لیحکم بین اهل الذمة صحیح لابین المسلمین وکذلک التحکیم ہندیۃ عن النہایۃ وفی البحر عن المحيط: فلو أسلم أحد الخصمین قبل الحکم لم ینفذ حکم الکافر علی المسلم“ (شامی ۸/۱۱۲-باب التحکم-دارالکتاب دیوبند)۔

(ان دو فریقوں کا اس کی تحکیم پر راضی ہونا ان دونوں کے حق میں ایسا ہی ہے جیسا کہ بادشاہ کا اسے حاکم بنانا، اور اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کے لئے ذمی کافر کو مقرر کرنا درست ہے، البتہ مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے ذمی کو مقرر کرنا درست نہیں ہے، یہی حکم شیخ بنانے کا بھی ہے۔ اور البحر الرائق میں محیط سے نقل کیا ہے کہ اگر فریقین میں سے کوئی ایک حکم کے فیصلہ سے پہلے مسلمان ہو جائے، تو کافر کا فیصلہ مسلمان کے خلاف نافذ نہ ہوگا)۔

اور آخری دور میں ہندوستان کے معتبر ترین علماء کی تصدیق و تائید سے مصیبت زدہ مسلم خواتین کے مسائل حل کرنے کے لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی نگرانی میں ”انجیلۃ الناجزۃ“ کے نام سے جو کتاب تحریر کی گئی، اس میں مسئلہ زیر بحث کے متعلق یہ پیرا گراف خاص طور پر قابل توجہ ہے:

”ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، ”لما فی الدرالمختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کافرا ذکرہ

مسکین وغیرہ“ لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فتح وغیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا، ”لان الکافر لیس باهل القضاء علی المسلم کما هو مصرح فی جمیع کتب الفقہ“ حتی کہ اگر روداد مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا (الحلیۃ النازحہ ص ۳۵۸-کتبہ رضی دیوبند)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ”یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان حاکم ان کو فیصلہ کرے“ لانه لا ولاية لکافر علی مسلم“ لیکن نزاعات کی ایک قسم تو ایسی ہے کہ ان کے لئے قاضی مسلم با اختیار کا ہونا اشد ضروری ہے (کفایت المفتی ج ۲/۲۳۶-۲۳۷ کتاب القضاء والافتاء- ذکر یا کھڈ پو)۔

غیر مسلم ممالک کی عدالتوں کا حکم:

اب یہاں قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو ملک کی سرکاری عدلیہ سے (جن میں حج غیر مسلم ہوتے ہیں) بالکل کنارہ کش ہو جانا چاہئے اور ان سے کسی طرح وابستگی نہ رکھنی چاہئے؟ تو اس سلسلے میں قدرے تفصیل مناسب معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر معاملہ اپنی حق تلفی یا مالی زیادتی کا ہو، تو اس کے تصفیہ کے لئے اولاً تو یہی کوشش کرنی چاہئے کہ کسی مسلمان کو فیصلہ بنا کر معاملہ حل کر لیا جائے اور فریقین اسے تسلیم کر لیں، لیکن اگر کوئی فریق زبردستی ظلم اور حق تلفی پر آمادہ ہو، تو مظلوم فریق اپنی دادرسی کے لئے سرکاری عدلیہ سے رجوع کر سکتا ہے، اس کے اس عمل کو ظلم کی تلافی کے لئے تعاون کی صورت میں دیکھا جائے گا اور یہ اسی وقت جائز ہوگا جبکہ مدعی کو اپنے دعویٰ کے برحق ہونے کا یقین ہو، گویا کہ ایسے معاملات میں جن میں اپنے حق حاصل کرنے کے لئے طاقت اور اقتدار کی ضرورت پڑتی ہے ان میں سرکاری عدلیہ اور انتظامیہ سے مدد لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مطالبہ برحق ہو۔

اس کے برخلاف جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے ہے، مثلاً نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، طہار، وقف، وراثت وغیرہ۔ ان میں فیصلہ وہی قبول ہو سکتا ہے جو دو شرطوں سے مشروط ہو:

۱۔ شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ ۲۔ فیصلہ کرنے والا مسلمان ہو۔

مذکورہ تفصیل کے بعد سوال نامہ میں ذکر کردہ صورتوں کا حکم شرعی تحریر کیا جاتا ہے:

۱۔ شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، اور اس کے بعد غیر مسلم بیچ ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد فیصلہ طلاق و فرقت کر دے، تو شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ شوہر کو طلاق دینے کا شرعاً حق ہے، اس لئے یہ حق وہ خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور اس حق کو استعمال کرنے کے لئے کسی دوسرے کو وکیل بھی بنا سکتا ہے، تو گویا کہ شوہر نے درخواست دیکر غیر مسلم بیچ کو وکیل بنا لیا کہ آپ میری طرف سے میری بیوی کو طلاق دے دیجئے۔

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

”إذا قال لرجل: طلق امرأتی کان توکیلا ولم یقتصر علی المجلس“

(ج ۱، ۲۰۲- الفصل الثالث فی البیہ)۔

(یعنی جب مرد نے کسی کو کہا کہ میری عورت کو طلاق دیدو تو یہ طلاق دینے کے لئے

وکیل ہوگا اور یہ مجلس پر منحصر نہیں رہے گا)۔

اور وکیل بنانے کی صورت میں وکیل کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، مسلم اور غیر مسلم دونوں وکیل بن کر یہ کام کر سکتے ہیں، نیز وکیل بناتے وقت گواہوں کی بھی ضرورت نہیں ہے، لہذا غیر مسلم بیچ کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہاں شوہر کی درخواست کی حیثیت توکیل بالطلاق کی ہے اور چونکہ اس صورت میں طلاق کا واقع ہونا غیر مسلم بیچ کے وکیل بالطلاق

بن کر طلاق واقع کرنے سے ہے، نہ کہ غیر مسلم حج کے فیصلہ کے معتبر ہونے کی بنیاد پر، لہذا غیر مسلم حج کے فیصلہ کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔

۲۔ عورت غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر دستخط لے کہ جو فیصلہ ہوگا تم کو منظور کرنا ہوگا اور کارروائی کے بعد عدالت (غیر مسلم حج) علاحدگی کا فیصلہ کر دے۔

اس صورت میں شوہر کے دستخط کی حیثیت اور اس فیصلہ سے شرعی طلاق ہونے نہ ہونے کے بارے میں تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) اگر شوہر نے بغیر جبر و اکراہ کے غیر مسلم عدالت و حج کو طلاق دینے کی کارروائی کرنے کی اجازت دینے یا طلاق پر رضامندی ظاہر کرنے کے لئے دستخط کیا ہے، تو غیر مسلم حج کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس صورت میں شوہر کے دستخط کی حیثیت تو کیل بالطلاق کی ہوگی۔

(ب) اور اگر شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا نہیں چاہتا ہے، لیکن اس نے یہ سوچ کر کہ چونکہ غیر مسلم عدالت کا فیصلہ تفریق و طلاق معتبر نہیں ہے، اس لئے اس نے صرف عدالتی چکروں یا گرفت، اور جواب دہی سے جان چھڑانے کے لئے دستخط کر دیا ہے، اس دستخط سے شوہر کا مقصد نہ تو غیر مسلم عدالت کو ایقان طلاق کی کارروائی کرنے کی اجازت دینا ہے اور نہ ہی طلاق پر رضامندی کا اظہار ہے، تو شرعی تفریق اور طلاق واقع نہ ہوگی، اس صورت میں شوہر کے دستخط کی حیثیت تو کیل بالطلاق کی نہ ہوگی، بلکہ اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ رضا بر قضاء کی ہوگی، اور چونکہ غیر مسلم عدالت و حج کا فیصلہ تفریق و طلاق معتبر نہیں ہے، لہذا رضا بر قضاء بھی معتبر نہیں۔

(ج) اور اگر شوہر نے فیصلہ عدالت منظور کرنے کے لئے بطور وعدہ دستخط کیا ہے، تو بھی تفریق شرعی اور طلاق واقع نہ ہوگی، اس صورت میں شوہر کے دستخط کی حیثیت وعدہ قبول فیصلہ کی ہوگی۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

”امراة قالت لزوجها: أتريدون أن أطلق نفسي، فقال: نعم، فقالت:

طلقت نفسي إن كان الزوج تولى تفويض الطلاق إليها طلق واحدة وإن عني بذلك طلقي نفسك إن استطعت لاتطلق، رجل قال لغيره: أتريد أن أطلق امرأتك ثلثا؟ فقال الزوج: نعم ا فقال الرجل: طلقت امرأتك ثلثا، قالوا: تطلق ثلثا والصحيح إن هذا وما تقدم سواء إنما يقع الطلاق إذا أراد الرجل تفويض الطلاق إليه“ (ج ۲/ ۲۵۲- فصل في الطلاق الذي يكون من الوكيل)۔

(یعنی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنے آپ کو طلاق دے دوں، تو شوہر نے جواب دیا: ہاں! پس عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے دی، اگر شوہر نے (اپنے قول نعم سے) تفویض طلاق کی نیت کی ہے تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر اس سے شوہر کی مراد یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے تو دیدے، تو طلاق واقع نہ ہوگی، کسی مرد نے دوسرے سے کہا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیری بیوی کو تین طلاق دے دوں؟ شوہر نے کہا: ہاں، تو مشائخ نے فرمایا کہ تین طلاق واقع ہو جائے گی، اور صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ اور ماقبل والا مسئلہ برابر ہے، طلاق صرف اس وقت واقع ہوگی جبکہ شوہر نے تفویض طلاق کی نیت کی ہو)۔

حاصل یہ کہ دوسری صورت میں شوہر کے دستخط کی کئی حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت (توکیل بالطلاق) سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور دو حیثیتوں سے (رضاء بقضاء اور وعدہ بقول فیصلہ) سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، لہذا اس صورت میں طلاق اسی وقت واقع ہوگی جبکہ شوہر نے ”توکیل بالطلاق“ کی نیت سے دستخط کیا ہو، بصورت دیگر طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ طلاق کے باب میں مشہور ضابطہ ہے کہ جب وقوع طلاق میں شک ہو جائے تو طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”فلا تطلق بالشك والاحتمال“ (ج ۲/۳۶۵- فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان)
(یعنی شک اور احتمال کی وجہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے)۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا تو اگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو اس سے شرعاً تفریق و طلاق واقع نہ ہوگی، حسب سابق نکاح باقی رہے گا، کیونکہ عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار شریعت نے نہیں دیا ہے، لہذا اس کام کے لئے اس کا کسی کو وکیل بنانا یا غیر اسلامی قانون کا سہارا لینا درست نہیں، عورت کو چاہئے کہ شرعی تفریق کے لئے شرعی کونسل یا پنچایت سے رجوع کرے۔

۴- حج اگر غیر مسلم عدالت و حکومت کا ہے، مگر مسلمان ہے وہ اپنے عمومی فرائض منصبی (جس میں معاملات مخصوصہ اہل اسلام بھی داخل ہوں) کے تحت شرعی اصول کے مطابق اس قسم (فیصلہ طلاق و تفریق) کا کام بھی کرتا ہے، تو ضرورۃً غیر مسلم عدالت کا مسلم حج قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتا ہے اور اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے (کذا فی کفایت المفتی ج ۲/۳۴۹- کتاب القضاء والافتاء)۔

۵- جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے ہے، مثلاً نکاح، طلاق، خلع، ایلاء، ظہار، وقف، وراثت وغیرہ۔ ان میں غیر مسلم حج کا فیصلہ یا نکل معتبر نہیں، ان میں فیصلہ وہی قبول ہو سکتا ہے جو دو شرطوں سے مشروط ہو:

۱۔ شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔

۲۔ فیصلہ کرنے والا مسلمان ہو۔

اسی طرح غیر مسلم حج کا مسلمان کے خلاف کسی بھی معاملے میں کوئی فیصلہ معتبر نہیں، کیونکہ جو شہادت کا اہل ہوتا ہے وہ قضاء کا اہل ہوتا ہے اور غیر مسلم مسلمان کے خلاف شہادت دینے کا اہل نہیں ہے، لہذا وہ مسلمان کے خلاف فیصلہ کرنے کا بھی اہل نہیں ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”کل من كان أهلاً للشهادة يكون أهلاً للقضاء وما يشترط لأهلية

الشهادة يشترط لأهلية القضاء“ (الہدایہ ۱۳۲/۳- کتاب القضاء)۔

(یعنی جو شہادت کا اہل ہوتا ہے وہ قضاء کا اہل ہوتا ہے اور جو چیز شہادت کی اہلیت کے

لئے شرط ہیں وہ چیزیں قضاء کی اہلیت کے لئے بھی شرط ہیں)۔

البتہ جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات سے نہیں ہے اور معاملہ

اپنی حق تلفی یا زیادتی کا ہو اور کوئی فریق زبردستی ظلم و زیادتی پر آمادہ ہو، تو مظلوم فریق اپنی داد رسی

کے لئے غیر مسلم جج و عدلیہ سے رجوع کر سکتا ہے، اس کے اس عمل کو ظلم کی تلافی کے لئے تعاون کی

صورت میں دیکھا جائے گا (نہ کہ غیر مسلم جج کے فیصلہ کے معتبر ہونے کی صورت میں) گویا کہ

ایسے معاملات جن میں اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے طاقت اور اقتدار کی ضرورت پڑتی ہے

ان میں غیر مسلم جج و عدلیہ سے مدد لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ مطالبہ برحق ہو۔

خلاصہ بحث:

تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ غیر مسلم جج کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ مسلمان کے

خلاف شرعاً معتبر نہیں ہے، اسی طرح جن احکامات کا تعلق مسلمانوں کے شخصی اور ذاتی معاملات

سے ہے، ان میں بھی غیر مسلم جج کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں ہے، اگر وہ اسلامی حکومت میں مسلمان

حاکم کی طرف سے فیصلہ کے لئے مقرر کیا گیا ہو اور اگر جج غیر مسلم عدالت کا ہے، مگر مسلمان ہے وہ

اپنے خصوصی فرائض منصبی (معاملات مخصوصہ اصول اسلام) یا عمومی فرائض منصبی (جس میں

معاملات مخصوصہ اہل اسلام بھی داخل ہوں) کے تحت شرعی اصول کے مطابق اس قسم (فیصلہ

طلاق و تفریق وغیرہ) کا کام کرتا ہے، تو ضرورۃً غیر مسلم عدالت کا مسلم جج قائم مقام قاضی شرعی

کے ہو سکتا ہے اور اس کے فیصلہ فرقت وغیرہ کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا عبدالحی مقناجی

۱- شوہر کا اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کے لئے غیر مسلم عدالت میں درخواست دینا یہ توکیل ہے یعنی شوہر کا غیر مسلم جج کو اپنی بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنانا ہے، ہدایہ کے محشی نے وکالت کی تعریف یوں کی ہے:

”وفی اصطلاح الفقهاء عبارة عن إقامة الانسان غیره مقام نفسه فی تصرف معلوم“ (ہدایہ آخرین ص ۱۸۵ کتاب الوکالت)۔

یعنی متعین تصرف میں انسان کا دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا۔ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینے کا مالک ہوتا ہے وہ اس تصرف میں دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا سکتا ہے، جیسا کہ ہدایہ آخرین (ص ۱۸۵ کتاب الوکالت) کے شروع میں ہے: ”عقد جاز أن يعقده الانسان بنفسه جاز أن يوكل به غيره، لأن الإنسان قد يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الأحوال فيحتاج إلى أن يوكل غيره فيكون بسبيل منه دفعا للحاجة“۔

اور صحت وکالت کے لئے چار شرطیں ہیں دو کا موکل میں ہونا ضروری ہے: (۱) موکل کا تصرف کا مالک ہونا (۲) احکام کا اسکو لازم ہونا، اور دو کا وکیل میں ہونا ضروری ہے، (۱) عاقل ہونا (۲) عقد کا قصد و ارادہ کرنا۔ شرائط صحت وکالت کے ملاحظہ کرنے سے یہ امر منکشف ہو جاتا

ہے کہ وکالت کے صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، لہذا غیر مسلم عدالت کو وکیل بنانا صحیح ہے اور اس کے طلاق و فرقت کا فیصلہ وکالت ہوا، اس لئے طلاق و فرقت واقع ہو جائے گی، یہ صورت تحکیم کی نہیں ہے کہ غیر مسلم حج کے فیصلہ کا اعتبار کرنا لازم آتا ہو، اس لئے کی تحکیم میں ضروری ہے کہ فریقین نے کسی کو حکم مقرر کیا ہو اور اس کے فیصلہ پر راضی بھی ہوں جیسا کہ ہدایہ آخرین (ص ۱۵۱ باب التحکیم) کے شروع میں ہے: ”اذا حکم رجلان رجلا فحکم بینہما ورضیا بحکمہ جاز“ دوسرے اس وجہ سے بھی تحکیم کی صورت نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ غیر مسلم ہے اور غیر مسلم کو حکم بنانا صحیح نہیں ہے کیونکہ حکم قاضی کی طرح ہوتا ہے اور غیر مسلم حکم نہیں ہو سکتا ہے جیسا کہ ”رد المحتار“ (۳۸۶/۴ مکتبہ رشیدیہ) میں ہے: قولہ: ”کما مرأی فی الباب السابق فی قولہ والمحکم کالقاضی“ اس لئے عدالت کا طلاق کا فیصلہ کرنا بطور تحکیم نہیں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ شوہر کا غیر مسلم عدالت میں رشتہ ازدواج کے انقطاع کے لئے درخواست دینا تو کیل ہے اور عدالت کا طلاق و فرقت کا فیصلہ کرنا وکالت ہے، اس لئے اس سے طلاق و فرقت واقع ہو جائے گی۔

۲- اس صورت میں عدالت کے غیر مسلم حج کا فیصلہ تفریق معتبر نہیں ہے گلو خلاصی کے لئے عورت کو شوہر سے طلاق یا خلع کرنا ہوگا، کیونکہ غیر مسلم حج کا فیصلہ مسلمانوں کے ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہے جن میں قضاء قاضی شرط ہے یا ان کا تعلق خالصا دیانات سے ہو جیسا کہ فقہ کی تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ کافر مسلمان پر فیصلہ کرنے کا اہل نہیں ہے عبارت ملاحظہ ہو:

”لأن الکافر لیس بأهل للقضاء علی المسلم کما هو مصرح فی جمیع کتب الفقہ“ (الحیلة النازہ ص ۳۵)۔

اور شوہر کے دستخط سے بس اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ شوہر عدالت کے فیصلہ کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہے اور اپنے معاملہ کے تصفیہ کے لئے غیر مسلم حج کو حکم بنانے کو تیار ہے، مگر شرعاً یہ

تحکیم صحیح نہیں ہے، اس لئے مسلمان اپنے خصوصی معاملات میں فیصلہ کرنے کے لئے غیر مسلم کو حکم نہیں بنا سکتے جیسا کہ ہدایہ آخرین (ص ۱۵۱ باب التحکیم) میں ہے:

”ولا يجوز تحكيم الكافر والعبد والذمي والمحدود في القذف والفسق والصبي لانعدام أهلية القضاء اعتبارا بأهلية الشهادة“۔

اسی طرح درمختار (۳/۳۸۶) میں ہے: ”وشرطه من جهة المحكم بالفتح صلاحيته للقضاء“ یعنی حکم وہی شخص بن سکتا ہے جس میں قاضی بننے کی صلاحیت ہو اور قضاء کا اہل وہ شخص ہے جو شہادت کا اہل ہو جیسا کہ درمختار (۳/۳۳۲) میں ہے: ”واھله الشهادة“ اور شہادت کے اہل کے لئے جو شرطیں مذکور ہیں ان میں سے ایک اسلام ہے جیسا کہ رد المحتار (۴/۳۳۲) میں ہے: ”وحاصله أن شروط الشهادة من الاسلام والعقل والبلوغ الخ“ خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم عدالت غیر مسلم حج قاضی یا حکم کا درجہ نہیں رکھتا ہے، اس لئے اس کے فیصلہ کا شرعاً اعتبار نہیں۔

۳- اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمانوں پر ولایت کا حق نہیں دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“

اس لئے عدالت کا یہ فیصلہ تفریق معتبر نہ ہوگا نکاح علی حالہ باقی رہے گا، بلا شوہر کے طلاق کے عورت کی گلو خلاصی نہیں ہوگی فقہ کی تمام کتابوں میں اس بات کی تصریح ہے:

”لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم“ (الحلیۃ الناجزۃ ص ۱۳۵)۔

۴- غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا مسلمان حج جبکہ اس کو مسلمانوں کے نکاح و طلاق کے مسائل میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو تو اسے مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس کے فیصلے کا مسئلہ قضاء میں اعتبار ہے جیسا کہ درمختار (۳/۳۳۲ مکتبہ رشیدیہ) میں ہے:

”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کافرا ذکرہ

۵- یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان حاکم ان کا فیصلہ کرے "لأنه لا ولاية لكافر على مسلم" لیکن نزاعات کی ایک قسم ایسی ہے کہ اس میں قضاء قاضی شرط ہے، اس میں قاضی مسلم بااختیار کا ہونا اشد ضروری ہے، ایسا قاضی نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی اسلامی ضرورتیں معطل ہی نہیں بلکہ مسلمان سخت مواخذہ شرعیہ میں مبتلا ہوتے ہیں (مستفاد کفایت المفتی ۲۲۰/۲)۔ اس قسم میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کر سکتے اگر کریں تو شرعاً معتبر نہیں ہوگا۔

"لأن الكافر ليس بأهل للقضاء على المسلم كما هو مصرح في جميع كتب الفقه" (الحیلة النازجة ص ۳۵۹)۔

وہ معاملات جن میں قضاء قاضی ضروری ہے، ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ بسا اوقات کسی عورت کا شوہر مفقود ہو جاتا ہے اور عورت بھی نوعر اور محتاج ہوتی ہے، متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے بموجب اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ اپنی طبعی و مالی مشکلات سے تھکے گلو خلاصی کے لئے کوئی راستہ اختیار کرے، لیکن اس کی تکمیل بغیر مسلم قاضی کے فیصلے اور حکم کے نہیں ہو سکتی۔ ہزاروں عورتیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور موجودہ حکومت کا قانون ان کی مصیبت رفع کرنے کے لئے ناکافی ہے اور مسلم قاضی کا نہ ہونا ان تمام مصائب کا ذمہ دار ہے، اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شریف اپنی بیوی کو بد چلنی میں مبتلا پائے تو اس کی سبیل بھی لعان ہے جس کے لئے مسلم قاضی ضروری ہے۔

اسی طرح وہ معاملات جو خاصہ دیانات کی قبیل سے ہوں، مثلاً رمضان شریف کا چاند دیکھنے، عید کا چاند دیکھنے کی شہادت قبول کرنا اور صوم یا فطر کا حکم دینا مسلم قاضی کا کام ہے، جس کے نہ ہونے سے بہت سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں (مستفاد کفایت المفتی ۲۲۱/۲) اور وہ معاملات جو مذکورہ بالا کے علاوہ ہوں مثلاً دیوان و بیاعات وغیرہ ان میں غیر مسلم جج کا فیصلہ معتبر ہے۔

(۱) ارشاد باری ہے: "لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء إلا أن تتقوا منهم تقية ويحذركم الله نفسه وإلى الله المصير" (سورہ آل عمران ۲۸)۔

(نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جاتا ہے)۔

(۲) ارشاد ربانی ہے: "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً" (سورۃ النساء: ۳۱)۔

(اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ) (اس کی تفصیل دیکھئے معارف القرآن ۲/ ۵۸۰ تا ۱۸ فریڈیک ڈیوڈ دہلی ۱۳۱۸ھ-۱۹۹۸ء)۔

(۳) "شوہر ہی کو طلاق دینے کا اختیار کلی ہے قرآن مجید کی روشنی میں: "یا ایہا النبی إذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة واتقوا الله ربکم ج" (سورۃ الطلاق: ۱)۔

(اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو تو ان کو طلاق دو ان کی عدت پر اور گنتے رہو عدت کو اور ڈرو اللہ سے جو رب ہے تمہارا)۔

اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ غیر مسلم حج کو عدالت کے ذریعہ طلاق دینے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ اسلامی شریعت نے مرد و عورت دونوں کو اس طرح کے معاملات کو حل کرنے کے لئے اختیار دیا ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے قاضی کے یہاں درخواست دے اور جہاں یہ صورت موجود نہ ہو وہاں وہ چند ذمہ دار اور دین دار مسلمانوں یعنی کسی اسلامی جماعت یا شرعی پنچایت کے سامنے اپنا معاملہ پیش کر کے رہائی حاصل کرے (اس کی مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن ۲/ ۴۲۸ تا ۴۲۹، اسلامی فقہ ۲/ ۲۳۳ تا ۲۳۴، تاج کنبی دہلی ۲۰۰۳ء)۔

(۴) ”شوہری کو طلاق دینے کا اختیار کئی ہے، حدیث شریف کی روشنی میں: ”عن ابن عباس قال أتى النبي ﷺ رجل فقال: يا رسول الله سیدی زوجنی امتہ و هو یرید أن یفرق بینی و بینہا، قال: فصعد رسول الله ﷺ علی المنبر فقال: یا أيہا الناس! ما بال أحدکم یزوج عبده امتہ ثم یرید أن یفرق بینہما إنما الطلاق لمن أخذ بالساق“ (ابن ماجہ ۵۱/۱۵۲۳، ابواب الطلاق، باب طلاق العبد، ترمذی ۱/۱۳۳ ابواب الطلاق واللعان)۔

(حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آیا پھر اس نے اپنی درد بھری کہانی سنائی کہ یا رسول اللہ میرے آقا نے میری شادی اپنی باندی کے ہمراہ کر دی ہے، اور اب وہ یہ چاہتا ہے کہ میرے اور اس کے درمیان جدائی کر دے، ابن عباسؓ کہتے ہیں پھر اس موقع پر رسول اللہ ﷺ منبر پر چڑھے پھر ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم لوگوں میں سے ایک شخص کا کیا حال اور ماجرا ہے کہ وہ اپنی باندی کی شادی اپنے غلام سے کر دی ہے، پھر اب یہ چاہتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان جدائی کر دے۔ درحقیقت جو جماع کرنے کا مالک ہے، وہی شخص طلاق دینے کا بھی مالک ہے)۔

اس سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ طلاق دینے کا اختیار فقط شوہر کو ہے، جب شوہر نے طلاق دے دی تو پڑ گئی عورت کا اس میں کچھ بھی نہیں، چاہے منظور کرے چاہے نہ کرے، ہر طرح اور ہر حال میں طلاق ہوگئی اور عورت اپنے شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی ہے تو پھر غیر مسلم بیچ کے عدالتی فیصلے اور طلاق سے کس بنیاد پر طلاق واقع ہوگی؟

(۵) ”عن سلیمان بن یسار قال: الطلاق بالرجال، والعدة بالنساء“

(مصنف ابن ابی ہبیبہ ۶۱۳/۱۸۵۵۸-۱۸۵۵۸ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، طبع دوم ۱۳۲۸ھ-۲۰۰۷ء)۔

(حضرت سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ طلاق دینے کا حق مردوں کو حاصل ہے،

اور عدت گزارنے کا حق عورتوں کو حاصل ہے)۔

(۶) مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: حکومت موجودہ میں حاکم وقت اگر کسی عورت کو آزادی کی درخواست دینے پر

بے غیر رضامندی شوہر حکم آزادی دے دے تو وہ عقد ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ

کر سکے گی (کفایت المفتی ۶/۱۳۵، طبع ۱۳۰۵ھ-۱۹۸۳ء)۔

(۷) مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاچپوریؒ (۱۳۲۱ھ-۱۹۰۳ تا ۱۴۲۲ھ-۲۰۰۱ء)

ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: بہنئ میں ایک لڑکی کی شادی ہوئی پانچ برس ہوئے لڑکا افریقہ میں ہے،

فی الحال لڑکی کی عمر تیس برس کی ہے، شادی کے بعد لڑکے نے اس کو نہیں بلایا، نہ نفقہ وغیرہ بھیجتا

ہے، خطوط لکھے جواب نہ وارد، طلاق کا مطالبہ کیا تب بھی جواب نہیں دیا۔ بالآخر ممبئی کورٹ میں

مقدمہ دائر کر کے طلاق حاصل کی، کیا یہ طلاق واقع ہوئی؟ ورنہ حصول طلاق کی کیا صورت ہو؟

اب تک کے نفقہ و مہر کی حق دار ہے؟ اگر ہے تو کیا بہ ذریعہ دیوانی اس کی وصول یا بی

درست ہے؟

جواب: صورت مسئلہ میں غیر مسلم مجسٹریٹ ”جج“ کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہے، لہذا

لڑکی نکاح نہیں کر سکتی اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے۔ لہذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دین دار

مسلم پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہو۔ یہ پنچایت شرعی شہادت وغیرہ

کے ذریعہ تحقیق کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے، اب عورت شرعی نقطہ نظر کے بموجب آزاد ہوگی۔

عورت مہر کی حق دار ہے، لیکن ایام گزشتہ کے نفقہ کی حق دار نہیں (فتاویٰ رحیمیہ ۱۳۳۲، مکتبہ رحیمیہ

اندور، سورت، ہجرات، انڈیا ۱۳۰۳ھ)۔

۲- اگر عدالت میں جج نے زبردستی طلاق شوہر سے لکھوائی تحریری طور پر، یا زبردستی طلاق

نامہ پرائگوٹھے کا نشان لگوایا، چاہے حج مسلم ہو یا غیر مسلم ہر حال میں اس طرح سے طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ شوہر نے زبان سے طلاق نہیں دی اور نہ اپنی مرضی سے انگوٹھے کا نشان لگایا، تحریری طلاق اس وقت پڑتی ہے جب شوہر اپنی مرضی سے طلاق لکھ کر بیوی کو دے دے، یا اپنی مرضی سے طلاق نامہ پرائگوٹھے کا نشان لگا دے تب جا کر طلاق پڑتی ہے غیر مسلم حج کے عدالتی طلاق سے طلاق واقع نہ ہوگی، شرعاً عدالت کا فیصلہ اور طلاق غیر معتبر ہے۔ برطانیہ کی عورت کی طرف سے عدالت میں جو درخواست آئی ہے کہ میرا رخصتہ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاج دہی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس صورت کی بھی شریعت اسلامیہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے اور شوہر کے دستخط کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے، گویا کہ یہ ایک قسم کا ظلم و ستم اور جبری طلاق ہوئی تم مانو یا نہ مانو، عدالت کا کارروائی کے بعد جو فیصلہ کرے گی وہی معتبر ہوگا۔ حال اس کہ غیر مسلم حج کا فیصلہ شرعی نقطہ نظر سے معتبر نہیں ہے، لہذا برطانیہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے یہاں دارالقضاء قائم کریں اور اس کے مطابق شرعی فیصلے کریں، نظام قضاء کی اہمیت کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلم حج کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ اس طرح جو عورتیں سرکاری عدالتوں سے اپنا نکاح فسخ کرالیں تو چاہے وہ بجائے خود اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو یہ فیصلے غیر معتبر ہیں۔ وہ عورت اپنے پہلے شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے اور یہ نکاح نادرست ہوتا ہے، نیز اس کے بعد تعلقات معصیت قرار پاتے ہیں۔ ایسی خواتین کے لئے اسلامی اور شرعی زندگی کا واحد نظام قضاء کا قیام ہے۔ اس طرح انگلستان میں نظام قضاء کے بعد ”مسلم پرسنل لا“ کا نفاذ مکمل اسلامی طریقے پر ہوتا رہے گا (سورۃ النساء: ۵۸، ۵۹۔ اس مسئلہ کی مکمل تفصیل دیکھئے معارف القرآن ۲/ ۳۴۳ تا ۳۵۳، فریڈیک ڈیوڈ علی ۱۳۱۸ھ-۱۹۹۸ء)۔

مفتی عزیز الرحمن عثمانی، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کا موقف:

سوال ۲۷۸: طلاق جبراً شوہر سے لی جاوے تو واقع ہوتی ہے یا نہیں، اور زبان سے اقرار کی ضرورت ہے یا نہیں، یا صرف نقل کر دینا طلاق نامہ کا جو دوسرے کا لکھا ہوا ہے، وقوع طلاق کے لئے کافی ہے یا نہیں؟

جواب: شوہر سے جبراً طلاق اگر دلوائی جائے تو طلاق ہو جاتی ہے، لیکن نقل کر دینا طلاق نامہ کا جو دوسرے شخص کا لکھا ہوا ہے۔ محض لوگوں کی زبردستی سے بدون ارادہ طلاق مفید طلاق نہیں اور اس سے طلاق نہیں پڑتی (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ۲۷۶/۹- مزید یہ دیکھئے فتاویٰ محمودیہ ۳۲، ۳۳، ذکر یک ذہب یوبند ۱۹۹۸ء)۔

اگر کوئی طلاق زبان سے کہلائے تو طلاق پڑ جائے گی، لیکن اگر زبردستی تحریر میں لکھا لے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے تو طلاق واقع نہ ہوگی (اسلامی فقہ ۱۸۳/۲، تاج کنبی دہلی طبع ششم ۲۰۰۳ء)۔

جبری طلاق کے سوال کے جواب میں مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی علیہ الرحمہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

جواب ۵۳: اگر تحریر مذکور جبراً لکھوائی گئی ہے اور زبان سے طلاق نہیں دی گئی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ تحریری طلاق اس وقت پڑتی ہے کہ خاندان اپنی مرضی سے تحریر لکھ کر دے (کفایت المفتی ۵۶/۶)۔

”عن ابراہیم قال: اذا كتب الطلاق بیده، وجب علیہ“ (مصنف ابن ابی حنیہ ۵۶۲/۹، ۱۸۳۰۰)۔

(حضرت ابراہیم سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص شوہر کے پیشانی پر تلوار رکھ کر طلاق کا مطالبہ کیا پھر اس نے طلاق دے دی تو وہ طلاق واقع ہو جائے گی)۔

۳- لیکن بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں، کہ اصلاح حال کی تمام کوششیں ناکام ہو جاتی ہیں، اور تعلق نکاح کے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بہ جائے طرفین کا آپس میں

مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے، ایسی حالت میں اس ازدواجی تعلق کا ختم کر دینا ہی طرفین کے لئے راحت اور سلامتی کی راہ ہو جاتی ہے، اس لئے شریعت اسلام نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ رخصتہ نکاح و ازدواج ہر حال میں ناقابلِ فسخ ہی رہے، بلکہ طلاق اور فسخ نکاح کا قانون بنایا، طلاق کا اختیار تو صرف مرد کو دیا، جس میں عادیہ فکر و تدبر اور تحمل کا مادہ عورت سے زائد ہوتا ہے، عورت کے ہاتھ میں اختیار نہیں دیا، تاکہ وقتی تاثرات سے مغلوب ہو جانا جو عورت میں بہ نسبت مرد کے زیادہ ہے وہ طلاق کا سبب نہ بن جائے۔

لیکن عورت کو بھی بالکل اس حق سے محروم نہیں رکھا کہ وہ شوہر کے ظلم و ستم سہنے ہی پر مجبور ہو جائے، اس کو یہ حق دیا کہ حاکم شرعی کی عدالت میں اپنا معاملہ پیش کر کے اور شکایات کا ثبوت دے کر نکاح فسخ کر اسکے یا طلاق حاصل کر سکے، پھر مرد کو طلاق کا آزادانہ اختیار تو دے دیا، مگر اول تو کہہ دیا کہ اس اختیار کا استعمال کرنا اللہ کے نزدیک بہت مبغوض و مکروہ ہے، صرف مجبوری کی حالت میں اجازت ہے (معارف القرآن ۵۵۶/۱ تا ۵۵۷) مکمل تنصیل کے لئے دیکھئے ۵۷۸ تا ۵۸۲۔

فرید بک ڈپو دہلی ۱۳۱۸ھ - ۱۹۹۸ء)۔

صورت مسئلہ میں عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا، یا آیا تو مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا جب کہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے، اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو پہلی صورت اور دوسری صورت کی ہے کہ غیر مسلم عدالت کے غیر مسلم جج کا فیصلہ اسلامی تناظر کی روشنی میں غیر معتبر ہے اور غیر نافذ العمل ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس فیصلے پر عمل کرے گا تو وہ شخص اسلامی تناظر کی روشنی میں عند اللہ و عند الرسول مجرم، خاطی اور عاصی ہوگا۔ لہذا برطانیہ کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی شرعی پنچایت بنالیں جس میں دین دار لوگوں کو شامل کریں اور اس میں ایک ماہر ذی استعداد دیندار عالم کو قاضی بنا دیں پھر اس شرعی پنچایت میں فسخ

نکاح کا معاملہ پیش کریں، شرعی پنچایت کے ارکان عدالت جیسی کاروائی کر کے نکاح کے فسخ کا فیصلہ کریں اس کے بعد عورت عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔
حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی علیہ الرحمہ، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

سوال ۷۵۴: کیا ایسی صورت میں بلا رضامندی شوہر جیل خانہ بھگت لینے پر بھی بعد رہائی عورت کو حاکم شرعی مثل قاضی طلاق دے سکتا ہے اور تفریق کر سکتا ہے یا سوائے شوہر کے اور کوئی طلاق نہیں دے سکتا ہے۔
الجواب: صرف شوہر ہی طلاق دے سکتا ہے۔ قاضی و حاکم تفریق نہیں کر سکتا اور طلاق نہیں دے سکتا (فتاویٰ دارالعلوم مدلل و مکمل ۱۰/۱۲۰)۔

۴- اسلامی تناظر میں مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا۔ قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت منصوص ہے، اجماع امت اور قیاس سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہے۔ فقہاء اس سلسلے میں وضاحت و صراحت کے ساتھ مسائل و احکام تحریر فرما چکے ہیں (موسوعۃ الفقہیہ ۱۳/۷۴-الکویت، طبع دوم ۱۴۱۸ھ-۱۹۸۸ء، الموسوعۃ الفقہیہ ۳۳/۲۹۵)۔

لہذا غیر مسلم کا قاضی و حج بنانا مذہب اسلامی میں ناجائز ہے، اس لئے اس کا کوئی فیصلہ مسلمانوں پر نافذ العمل نہیں ہو سکتا ہے۔

اگر غیر مسلم ممالک کے حکمران اپنے ملک کی عدالت میں مسلمان قاضی کو عہدہ قضاء پر مامور کر دے تاکہ یہاں کے مسلم قوم کا مسلم پرسنل لا کے ماتحت فیصلہ کرے۔ تو اس قاضی کو مسلمانوں پر ولایت حاصل ہو جائے گی اور اس کا فیصلہ مسلمانوں پر نافذ العمل ہوگا۔ صورت مسئولہ میں اس سے کچھ فرق نہیں پر سکتا ہے کہ حج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے، مگر وہ مسلمان ہے، وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام ”یعنی مسلم پرسنل لا“ کے طرز

و طریقہ پر بھی کرتا ہے تو اس صورت حال کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے جہاں اسلام اور مسلمانوں کا نام لینا بھی گوارا نہیں ہے، اس کو نعمت عظمیٰ سمجھ کر ”مسلم قاضی و حاکم“ کی حیثیت دی جائے گی، اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا بھی اعتبار کیا جائے گا، شرعاً اس میں اب کوئی قباحت نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳/۷۴ - الکوئیت، طبع دوم ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸ء، الموسوعۃ الفقہیہ ۳۳/۲۹۵)۔

ایسی صورت میں یورپین، امریکن، افریقین، آسٹریلین ممالک میں جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے، قاضی کے اختیارات، عرف، حالات اور امکانات کی روشنی میں متعین کئے جاسکتے ہیں کہ جن احکام شرعیہ کا اجراء و نفاذ ان حالات میں ممکن ہو، ان کے متعلق قاضی فیصلے کرے گا، اور جن احکام کا اجراء ممکن نہ ہو، وہ اس کے دائرہ اختیار سے خارج ہوں گے، محدود اختیارات کے ساتھ منصب قضاء پر تقرری کی بہت سی نظیریں اسلامی عدلیہ کی تاریخ میں ملتی ہیں اور ایسے حالات میں امیر کا انتخاب اور قاضی کا تقرر مسلمانوں پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ علامہ ابن ہمام نے اپنی کتاب فتح القدر میں لکھا ہے:

”وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقربطیة فی بلاد المغرب الآن وبلنسیة وبلاد الحبشة وأقروا المسلمین عندهم علی مال یؤخذ منهم یجب علیہم أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا أو یكون هو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا لهم إماما یصلی بمصم الجمعة“ (فتح القدر ۷/۲۶۳ - کتاب ادب القضاء، دار الفکر بیروت لبنان، سنن دارمی - رد المحتار ۳/۴۲۲، کتاب القضاء مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلاد غلب علیہا الکفار مکتبہ ماجدیہ عید گاہ طوشی روڈ کوئٹہ، طبع اول ۱۳۹۹ھ، اس کی مکمل تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الصنائع ۷/۱۷۲ - کتاب آداب القاضی، مکتبہ رشیدیہ بمشرفی روڈ کوئٹہ طبع اول ۱۴۱۰ھ - ۱۹۹۰ء، واللفظ فتح القدر)۔

(اور جب کسی ملک میں کوئی مسلم سلطان نہ ہو اور نہ کوئی ایسا حاکم و والی میسر و موجود ہو جس کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہو، جیسا کہ وہ بعض مسلم ممالک کا حال ہے کہ ان کے اوپر

کافروں کا غلبہ و اقتدار ہے جیسے قرطبہ مغرب کے شہروں میں فی الحال موجود ہے اور ہلندسہ اور حبشہ کے شہروں میں کافروں کا غلبہ و اقتدار ہے۔ اور مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے ہی لوگوں میں سے کسی کو زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے عامل مقرر کر لیں تاکہ لوگوں سے زکوٰۃ بروقت وصول کر سکیں۔ ایسے حالات میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو اپنے اتفاق و رضامندی سے اپنا والی مقرر کر لیں جو ان کے لئے قاضی مقرر کرے یا خود وہ والی ہی ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے۔ اور ایسا ہی اپنے لئے کسی کو امام مقرر کر دیں جو لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائے۔

۵۔ غیر مسلم قاضی نہیں بنایا جاسکتا ہے، لیکن اگر امیر اہل ذمہ میں سے کسی شخص کو ان کے باہمی معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کرے تو یہ درست ہوگا۔

اعتقادات، اخلاقیات، معاشرات، عبادات، حدود و قصاص غرضیکہ مسلمانوں کے جو خصوصی مسلم پرسنل لا ہیں اس میں غیر مسلم عدالتوں اور غیر مسلم حکام کو کوئی فیصلے کرنے کا شرعاً حق نہ ہوگا۔

مگر معاملات، معاشیات، تجارت، سیاسیات میں جب باہم اختلاف ہو جائے اور اس کا کوئی تن نہ نکل سکے تو ایسی صورت میں غیر مسلم عدالتیں اور غیر مسلم حکام بھی مسلمانوں کے حق میں فیصلے کر سکتے ہیں۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق ایک تحقیقی جائزہ

مولانا عبید اللہ ندوی ☆

عدالت کے ذریعہ طلاق:

جہاں تک غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا تعلق ہے تو یہ بات طے شدہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے رخصتِ نکاح کو ختم کرنے کا حق (طلاق کی شکل میں) صرف شوہر کو ہی دیا ہے، شوہر کے ماسوا کسی دوسرے کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت میں ہی حاصل ہوتا ہے، یہ نیابت کبھی وکیل کی ہوتی ہے اور کبھی حاکم کو حاصل ہوتی ہے اور اس صورت میں وکیل یا حاکم کی طرف سے رخصتِ نکاح کو ختم کیا جاتا ہے۔

البتہ حاکم کی طرف سے علاحدگی کے فیصلہ میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر موجود نہیں ہوتا یا شوہر راضی نہیں ہوتا پھر بھی حاکم ایسے فیصلے پر مجبور ہوتا ہے، حاکم اگر مسلمان ہے خواہ قاضی شرعی ہو یا امیر تو اس کے فیصلے کا شرعاً اعتبار متفق علیہ ہے، اس لئے کہ شریعت نے اس کو عامۃ المسلمین کے معاملات کے حق میں ولایت عامہ دی ہے، اس کی وجہ سے اس قسم کے فیصلے نافذ بھی ہوتے ہیں، لیکن حاکم کے غیر مسلم ہونے کی صورت میں اس کے فیصلہ کا اعتبار مندرجہ ذیل وجوہات کی بنیاد پر معتبر نہیں ہوگا۔

☆ مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی۔

۳- قرآن مجید کی نص قطعی کی بنا پر مسلمانوں کا کافر حاکم اور کافر عدالت کے سامنے اپنے دینی مقدمات کو فیصلہ کے لئے از خود لے جانا ممنوع ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”ألم تر إلى الذين يزعمون أنهم آمنوا بما أنزل إليك وما أنزل من قبلك يريدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد أمروا أن يكفروا به ويريد الشيطان أن يضلهم ضللاً بعيداً“ (نساء: ۶۰)۔

(محمد ﷺ) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ کی طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نازل کی گئی، اپنے مقدمات شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں، حالانکہ ان کو یہ حکم ہوا کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے)۔

اس آیت کا صریح مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے اپنے مقدمات کو غیر مسلم حاکم کے پاس یا غیر مسلم عدالت میں لے جانا سراسر ضلالت ہے، معصیت ہے، اور ایسا گناہ ہے جس سے ان کو روکا اور منع کیا گیا ہے۔

۲- اسلام نے مسلمانوں کو مکمل دستور حیات اور مکمل قانون دیا ہے جس کا سرچشمہ کتاب و سنت ہے، لہذا اس معاملہ میں جس کی بنیاد کتاب و سنت کے نصوص پر ہوتی ہے غیر مسلم کے فیصلہ کو اس لئے ناجائز ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ اسلامی قانون اور کتاب و سنت کے نصوص کی روح سے ناواقف ہوتا ہے اور اس کو اس کی واقفیت نہیں ہوتی کہ اسلام نے مسلمانوں کو جن قوانین کے ساتھ وابستہ کیا ہے اس میں کیا افادیت و حکمت ملحوظ ہے۔

۳- مسلمان اپنے اسلامی مزاج کے اعتبار سے ساری دنیا والوں کے مقدمات کا (اگر وہ ان سے فیصلہ کرانا چاہیں تو) عدل و قسط کے ساتھ فیصلہ کر سکتا ہے، لیکن وہ خود اپنے مقدمات میں ان کو حکم نہیں بنا سکتا، کیونکہ وہ اس پر مامور ہے کہ کافر کو حکم نہ بنائے اس لئے کہ عادلانہ فیصلہ

کے لئے عادلانہ قانون ضروری ہے اور عادلانہ قانون صرف اور صرف ”وجی الہی“ ہی ہے، (چاہے وہ وجی تملو ہو یا غیر تملو) یا وہ آئین ہے جس کی بنیاد ”وجی الہی“ پر ہو۔

”ومن لم يحكم بما أنزل الله فأولئك هم الكفرون هم الظالمون هم الفاسقون“ (نامہ: ۴۷۳:۳)۔

۴۔ فقہ کی کتابوں میں جہاں فقہانے قضاء اور قضاة کا تذکرہ کیا ہے وہاں قاضی کی اہلیت و صلاحیت کے متعلق حسب ذیل اوصاف ذکر کئے ہیں:

عقل، بلوغ، اسلام، حریت، بصر، سمع اور نطق کی سلامتی، محدود فی القذف نہ ہونا، علم، فہم، مسائل، عدالت۔

وجہ اس کی یہ ہے فقہ کا یہ مسئلہ ہے: ”وأهله أهل الشهادة وشرط أهليتها شرط أهليته“ (الدر المختار علی ہاشم رد المحتار کتاب القضاء ۸/۲۵۲۳)۔

(جو لوگ شہادت کے اہل ہیں وہ قضا کے اہل ہیں اور شہادت کی اہلیت کے لئے جو شرط ہے وہی قضا کی اہلیت کے لئے شرط ہے) شہادت کی اہلیت کے لئے کیا شرط ہے۔

علامہ شامیؒ نے ”أهله أهل الشهادة“ کے تحت بحر کے حوالہ سے لکھا ہے:

”وحاصله أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد في القذف، شروط لصحة توليته ولصحة حكمه بعدها“۔

(حاصل یہ ہے کہ شہادت کے شرائط اسلام، عقل، بلوغ، حریت، اندھانہ نہ ہونا اور محدود فی القذف نہ ہونا ہے، اور قضا کے عہدہ پر کسی شخص کے تقرر کی صحت کے لئے اور تولیت کے بعد اس کے حکم کے صحیح ہونے کے لئے یہی شرطیں ہیں)۔

مذکورہ بالا عبارت کے بعد علامہ شامی نے لکھا ہے: ”مقتضاه أن تقليد الكافر لا يصح وإن أسلم“ اس کا مقتضایہ ہے کہ کافر کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اہلیت قضا کے

لئے ”اسلام“ شرط ہے، ایک جگہ علامہ شامی نے بحر کے حوالہ سے لکھا ہے:

”قال فی البحر: وبہ علم أن تقلید الکافر صحیح وإن لم یصح قضاءہ علی المسلم حال کفرہ“ (رد المحتار کتاب القضاء، ۵/۳۵۳ بجو کیشنل پریس کراچی پاکستان)۔
(البحر الرائق میں فرمایا ہے کہ کافر کو قاضی بنانا اگرچہ صحیح ہے لیکن بحالت کفر مسلمانوں کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں ہے)۔

۵- معین الحکام میں ہے: ”فحقیقة القضاء: الإخبار عن حکم شرعی علی سبیل الإلزام“ (معین الحکام ص ۷)۔

(قضا کی حقیقت بطور الزام کے حکم شرعی کی خبر دینا ہے)، لہذا جب حاکم یا قاضی یا غیر مسلم عدالت کا حجج خود شرعی احکام سے ناواقف ہوگا تو خبر کیسے دے گا۔

۶- ”ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً“ (نساء: ۱۳۱)۔

(اللہ نے کافروں کو مومنوں پر کوئی اختیار نہیں دیا ہے) اس آیت کا متقضا بھی یہی ہے کہ ان کا کیا ہوا فیصلہ بھی معتبر نہیں ہوگا۔

۷- علامہ ابن الہمام نے احناف کی رائے ظاہر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حکومت کو طلاق وغیرہ دینے کا کوئی اختیار نہیں (فتح القدیر ۲/۲۹۱)۔

جب مسلمان حکومت کو اختیار نہیں تو غیر مسلم حکومت اور عدالت کو بدرجہ اولیٰ اختیار نہیں ہوگا، لہذا ان کی طرف سے کئے جانے والے فیصلے بھی شرعاً معتبر نہیں ہوں گے۔

۸- قرآن کی آیت: ”فابعدوا حکماً.....“ کے پیش نظر امام شافعی، امام مالک،

امام احمد اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ نے زوجین کے درمیان اختلاف کی صورت میں انہیں کے گھرانے میں سے حکم کا تقرر پسند کیا ہے، بلکہ امام مالک نے تو اسے شرط قرار دیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ عدالت کا فیصلہ اور حکم معتبر نہیں ہے، خاص طور سے جبکہ عدالت غیر مسلم اور قاضی، حکم اور حج

بھی غیر مسلم ہوں۔

۹- قرآن میں طلاق کے احکام جہاں بھی آئے ہیں وہیں یہ تصریحات بھی آئی ہیں کہ خدا و آخرت پر ایمان کا تقاضا ہے کہ احکام کی بجا آوری کی جائے اور ایمان کے ساتھ اس کا ذکر کر کے بتلا دیا گیا ہے کہ اس کا تعلق صراحتہ دین و مذہب سے ہے نہ کہ عدالت سے۔

۱۰- مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے کہ غیر مسلم حج کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں (فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۳)۔

مفتی صاحب نے یہ بات ہندوستان کے تعلق سے کہی ہے لیکن چونکہ ہندوستان اور مغربی ممالک میں قدر مشترک یہ ہے کہ ہندوستان کی طرح وہاں بھی حکومت و اقتدار غیروں کے ہاتھ میں ہے، عدالتوں کے ججز اور قضاة بھی عموماً غیر مسلم ہی ہیں، اس لئے ان ممالک میں بھی ان کا فیصلہ شرعاً معتبر نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی طرح مغربی ممالک میں بھی حج اور حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، لہذا ان ممالک (جہاں اقتدار مسلمانوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے) میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ کسی کو اپنا امیر منتخب کریں اور کسی قاضی کا تقرر کریں تاکہ مسلمان اپنے معاملات شرعی پنچایت یا دارالقضاء میں لائیں اور مسلمانوں میں اس کی طرف رجوع کرنے کی فکر اور رغبت پیدا کرنے کی کوشش بھی کی جائے، علامہ شامی نے علامہ ابن الہمام کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

”وفی الفتح إذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبة الآن، ینجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم ینجعلونه والیا فیولی قاضیا أو یکون هو الذی یقضی بینہم“ (رد المحتار کتاب القضاء ۳۶۹/۵، فتح القدر ۳۶۵/۶، البحر الرائق کتاب القضاء ۲۷۴/۶)۔

(فتح القدیر میں ہے کہ کسی ملک میں اگر کوئی مسلم سلطان نہ ہو اور نہ کوئی ایسا حاکم ہو جس کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہو، جیسا کہ آج بعض مسلم ممالک مثلاً قریطہ وغیرہ کا حال ہے جہاں غیر مسلموں کا غلبہ و اقتدار ہے، ایسے حالات میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے کسی شخص کو اپنے اتفاق و رضامندی سے اپنا دالی مقرر کر لیں جو ان کے لئے قاضی مقرر کرے یا خود وہ دالی ہی ان کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرے)۔

رہا یہ مسئلہ کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کر سکتے ہیں یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں، تو اس سلسلہ میں تحقیقی بات یہ ہے کہ مسلمان کو تو اسی کا حکم ہے کہ وہ اپنے تمام معاملات میں قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں، چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب سورہ نساء آیت: ”فلا وربک ویسلموا تسلیمًا“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”کہ آیت صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ عقائد و نظریات اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے، اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے رسول اللہ ﷺ کی طرف اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کرنے“ (معارف القرآن ج ۳ سورہ نساء: ۶۵)۔

تاہم پھر بھی اگر مسلمان اپنے تمام معاملات میں کسی خاص سبب یا حالات کی وجہ سے اگر شریعت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تو ان کے احوالِ شخصیہ یعنی پرسنل لاء میں مثلاً نکاح، طلاق، وراثت، وصیت، اوقاف، شفعہ اور حقوقِ عائکہ وغیرہ (جس کے لئے اللہ نے اپنی کتاب قرآن میں احکام اور قوانین نازل فرمائے ہیں اور ان کی تشریح و تفصیل اس کے رسول نے بیان فرمائی ہے) میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو ان کے فیصلوں کا اعتبار کرنا چاہئے۔

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق شرعی تناظر میں

مفتی محمد اقبال قاسمی ☆

غیر مسلم حج کا فیصلہ:

اگر کوئی شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ شرعاً نافذ نہیں ہوگا اور وہ دونوں بدستور میاں بیوی رہیں گے، چونکہ شریعت نے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا حق شوہر ہی کو دیا ہے، شوہر کے علاوہ کو یہ حق اس کی نیابت میں حاصل ہوتا ہے خواہ وہ وکیل ہو یا حاکم اور قاضی ہو یا اس نے کسی کو حکم بنایا ہو، قاضی اور حاکم کا فیصلہ اسی وقت معتبر ہوگا جبکہ اس میں اہلیت شہادت پائی جائے، اور اہلیت شہادت حاصل ہوتی ہے اس وقت جبکہ وہ مسلمان ہو عاقل بالغ اور آزاد ہو، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

”یری الحنفیة أن من یصح تولیته القضاء هو من یكون أهلاً لأداء الشهادة علی المسمین و شروط الشهادة هی الاسلام والعقل والبلوغ والحرية والبصر والنطق فلا یجوز تقلید الكافر والمجنون والصبی - لأن

☆ مدرسہ اسلامیہ شکر پور درہمٹنگ۔

القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليس لهم أهلية أدنى الولايات وهي الشهادة فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى“ (الموسوعة الفقهية ۲۹۱/۳۳-)

(حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ جس شخص کو قاضی بنانا درست ہے، وہ شخص ہے جس میں مسلمانوں کے خلاف پہلے ادائے شہادت کی اہلیت ہو اور شہادت کی شرط یہ ہے، اسلام، عقل، بلوغ، حریت، آنکھ، اور زبان، لہذا کافر، مجنون اور بچہ کو عہدہ قضاء سپرد کرنا درست نہیں، اس لئے کہ قضاء کا تعلق ولایت سے ہے بلکہ یہ اعظم الولاية ہے اور ان لوگوں میں ادنی ولایت کی اہلیت ہی نہیں اور وہ ہے شہادت تو اعلیٰ ولایت کی اہلیت تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگی)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم قاضی اور جج نہیں بن سکتا، قاضی وہی شخص بن سکتا ہے جس کی گواہی قبول کی جائے اور غیر مسلم کی گواہی قبول نہیں ہوگی، فقہاء نے گواہی کی اہلیت میں ایک شرط اسلام کو ذکر کیا ہے، موسوعہ میں ہے:

”الأصل أن يكون الشاهد مسلماً فلا تقبل: شهادة الكفار سواء كانت الشهادة على مسلم أم على غير مسلم لقوله تعالى: ”وأشهدوا ذوی عدل منكم“ والكافر ليس بعدلٍ وليس منا ولأنه أفسق الفساق ويكذب على الله تعالى“ (الموسوعة الفقهية ۲۲۲/۲۶-)

(اصل یہ ہے کہ گواہ مسلمان ہو لہذا کافروں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی چاہے وہ گواہی مسلمان کے خلاف ہو یا غیر مسلم کے خلاف، چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم لوگ اپنے میں سے دو عادل آدمی کو گواہ بناؤ اور کافر عادل نہیں ہے اور نہ ہم میں سے ہے اور وہ اس لئے کہ وہ سب سے بڑا فاسق ہے اور اللہ پاک پر جھوٹ بولتا ہے)۔

فقہاء سب کے سب اس بات پر متفق ہیں کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے۔

لہذا فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی اور انکار شریعت سے بڑا فسق کیا ہوگا؟ لہذا کسی کافر کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

”لا خلاف بین الفقهاء فی اشتراط عدالة الشهود لقوله تعالى: **”وأشهدوا ذوی عدل منکم”** ولهذا لاتقبل شهادة الفاسق“ (الموسوۃ الفقہیہ ۲۶/۲۲۳)۔

(فقہاء میں گواہوں کی عدالت کے شرط لگانے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اپنے میں سے دو عادل آدمی کو گواہ بناؤ، اسی وجہ سے فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی)۔

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ فیملی کورٹ کے فیصلے کے بعد کیا وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

”اگر شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو (جبکہ وہ عورت کے حقوق واجبہ بھی ادا نہیں کر سکتا) تو عدالت از خود فسخ نکاح کا فیصلہ کر سکتی ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ فیصلہ کرنے والا جج مسلمان ہو ورنہ اگر جج غیر مسلم ہو (جیسا کہ پاکستان کی عدالتوں میں غیر مسلم جج موجود ہیں) تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/۱۰۱)۔“

بیوی کا عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دینا:

اگر بیوی کی طرف سے غیر مسلم عدالت میں درخواست آئے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، اس کے بعد عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لے کہ عدالت کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا پڑے گا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا سب سے پہلے تو بیوی کو اس طرح کی درخواست دینا غیر مسلم عدالت میں درست ہی نہیں کیونکہ غیر مسلم عدالت مسلمانوں کا نکاح فسخ نہیں کر سکتی چونکہ اس کے جج شرعی جج نہیں ہے چونکہ اس میں اہلیت

شہادت ہی نہیں پائی جاتی: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“ کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے مسلمانوں کے خلاف کوئی راستہ نہیں بنایا ہے اور یہ فیصلہ مسلم شوہر کے خلاف ہے۔

قرآن پاک میں منافقوں پر نکیر کرتے ہوئے کہا ہے: ”یریدون أن يتحاكموا إلى الطاغوت وقد امروا أن يكفروا به“ کہ یہ لوگ اپنا فیصلہ شیطان کے پاس لے جاتے ہیں، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کا انکار کر دیں، اس آیت سے پتہ چلا کہ مسلمانوں کو حتی الامکان اپنا معاملہ غیر مسلم عدالت میں نہیں لے جانا چاہئے، خصوصاً ایسے امور میں جن میں شرعی قاضی کا ہونا ضروری ہے جیسے نکاح طلاق وغیرہ، لہذا بیوی کو غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست دینے سے کوئی فائدہ نہیں، اس کے نکاح کے فسخ کر دینے سے نکاح فسخ نہیں ہوگا، باقی شوہر کو عدالت میں بلا کر دستخط لینا کہ جو فیصلہ عدالت کرے گی وہ تم کو منظور ہوگا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ غیر مسلم جج کی حیثیت نہ تو قاضی کی ہے جس کو ولایت عامہ حاصل ہے اور جس کو ولایت عامہ حاصل ہو اس کو اس قسم کی تحریر لینے کی کوئی ضرورت نہیں چونکہ اس کو ولایت عامہ حاصل ہے وہ جو بھی فیصلہ کرے گا وہ نافذ ہوگا اس کو منوانے کے لئے دستخط لینے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور چونکہ جج غیر مسلم ہے اس لئے اس کو دستخط لینے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور غیر مسلم جج کی حیثیت حکم کی بھی نہیں ہے چونکہ حکم میں بھی اہلیت شہادت شرط ہے اور اس کا مسلمان ہونا ضروری ہے، موسوعہ میں ہے:

”يشترط في المحكم الاسلام إن كان حكماً بين المسلمين أو كان أحدهما مسلماً وإذا كانا غير مسلمين فلا يشترط اسلام المحكم“ (الموسوعہ: ۲۳۷/۱۰)

(حکم کا مسلمان ہونا شرط ہے اگر وہ حکم ہو دو مسلموں کے درمیان یا ان میں سے ایک

مسلمان ہو اور جب دونوں غیر مسلم ہوں تو پھر حکم کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔)

فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حکم کی حیثیت حکم بنانے والے کے حق میں قاضی جیسی ہوتی ہے، اس لئے حکم قرار پانے کے لئے ضروری ہے کہ وہی اہلیت پائی جائے جو قضاء پر تقرری کے لئے ضروری ہے اور منصب قضاء پر تقرری کے لئے جس طرح اہلیت شہادت ضروری قرار دی گئی ہے حکم میں بھی اہلیت شہادت ضروری ہوگی۔

”کل من تقبل شہادته فی امر جاز ان یکون حکما فیہ ومن لا فلا“

(ہر وہ شخص جس کی شہادت کسی امر میں قبول کی جاتی ہے جائز ہے کہ وہ اس میں حکم ہو اور جس میں قبول نہیں کی جاتی اس میں نہیں)

”وشرطه من جهة المحکم صلاحیتہ للقضاء“

”حکم کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں قضا کی صلاحیت ہو، پس جب غیر مسلم حج میں مسلمانوں کے حق میں نہ تو قضا کی اہلیت ہے اور نہ حکم بننے کی تو پھر غیر مسلم عدالت میں رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کی درخواست دینا شرعاً درست نہیں۔

محض بیوی کی درخواست پر بغیر شوہر کے دستخط اور تفویض کے تفریق کا فیصلہ کرنا:

اگر بیوی کی درخواست کے بعد شوہر عدالت نہیں آئے یا آئے مگر دستخط اور تفویض پر تیار نہ ہو اور عدالت حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دے تو تفریق نہیں ہوگی اور وہ علی حالہ اس کی بیوی رہے گی، بیوی کے لئے کسی دوسری جگہ عقد نکاح کرنا درست نہیں اور غیر مسلم حج کا یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام نہیں ہوگا اور اسکی دو وجہ ہے: سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ فیصلہ کرنے والا حج غیر مسلم ہے اور غیر مسلم حج کو فسخ نکاح کا کوئی اختیار نہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں جس کی بنا پر نہ تو اس نے دستخط کئے اور نہ اس معاملے کو عدالت کے سپرد کیا، جس سے تحکیم کا شبہ ہو، مولانا یوسف لدھیانوی رقم طراز ہیں:

”اگر عدالت نے معاملہ کی صحیح تفتیش اور گواہوں کی شہادت کے بغیر فیصلہ کیا یا شوہر کی غیر موجودگی میں محض عورت کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے نسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام نہیں ہوگا اس فیصلہ کے باوجود عورت کے لئے دوسری جگہ عقد کرنا جائز نہیں“ (آپ کے مسائل اور ان کا حل)۔

غیر مسلم عدالت میں مسلم حج کا فیصلہ:

غیر مسلم عدالت میں اگر حج مسلمان ہو اور وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت مسلمانوں کے عائلی مسائل بھی دیکھتا ہو تو اس کو مسلم قاضی اور حاکم کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے خصوصاً جبکہ اس کی تقرری کا مقصد ہی یہ ہو کہ وہ مسلمانوں کے عائلی مسائل کا فیصلہ کرے، اس کا فیصلہ اسلامی قانون کی رو سے درست ہوگا کیونکہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے خواہ عہدہ قضاء سپرد کرنے والا حاکم مسلمان ہو یا غیر مسلم، فاسق ہو یا عادل، البتہ اگر حاکم اعلیٰ اس کو صحیح فیصلہ کرنے سے روکے تو یہ حرام ہے۔

عز الدین بن عبدالسلام نے کہا کہ جب کفار کسی بڑی سلطنت پر غلبہ پالیں اور عہدہ قضاء کسی ایسے شخص کو سپرد کر دیں جو مسلمانوں کے مصالح کو انجام دے تو ظاہر یہ ہے کہ اس کے تمام فیصلے نافذ ہوں گے مصالح عامہ کو حاصل کرنے اور فساد عامہ کو دفع کرنے کی غرض سے (موسوعہ فقہیہ بحوالہ فتح القدیر بر حاشیہ ابن عابدین ۲۹۷/۳۳)۔

موسوعہ میں ہے: ”یری الحنفیة والحنابلة أنه لا يشترط عدالة المولى (بکسر اللام) لأن ولاية الإمامة الكبرى تصح من كل برو فاجر فتح ولايته كالعدل لكن إذا كان المولى يمنع من القضاء بالحق فيحرم“ (الموسوعہ الفقہیہ بحوالہ فتح القدیر بر حاشیہ ابن عابدین ۲۹۷/۳۳)۔

(حفیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ عہدہ قضاء سپرد کرنے والے حاکم کا عادل ہونا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ امامت کبریٰ کی ولایت ہر نیک و بد کی طرف سے درست ہے تو اس کی ولایت بھی عادل کی طرح صحیح ہوگی لیکن جب حاکم اس کو صحیح فیصلہ کرنے سے روکے تو یہ حرام ہے)۔

اگر فیصلہ کرنے والا مجسٹریٹ مسلمان ہے تو اس کا فیصلہ بندہ کے حق میں نافذ اور درست ہے اور وہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے، کیونکہ فقہانے دارالکفر میں غیر مسلم فرماں روا کی طرف سے مسلمانوں کے لئے انہیں میں سے والی کے تقرر کو جائز قرار دیا ہے (کتاب الفتاویٰ ۶/۶۶)۔

در مختار میں ہے: "وإذ تولى الكافر عليهم قاضيا ورضيه المسلمون صحت ولايته" (در مختار ۵/۳۶۵)۔

(جب کافر مسلمان پر کسی کو قاضی مقرر کر دے اور مسلمان اس کو پسند کر لیں تو اس کی ولایت درست ہے)۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے: "الاسلام ليس بشرط فيمن عين القضاء" (ہندیہ ۳/۳۰۷)۔

(قاضی متعین کرنے والے کے لئے اسلام شرط نہیں ہے)۔

مولانا مجیب اللہ ندوی اپنی کتاب "اسلامی فقہ" میں ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط اور قضاء قاضی کے مسئلہ پر اس وقت کے علماء نے کیا صورتیں اختیار کیں ان کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حالات کے اعتبار سے تیسری صورت انہوں نے یہ اختیار کی کہ سرکار کے مقرر کردہ مسلم منصفوں اور ججوں کو بھی قضاء قاضی کے قائم مقام قرار دیا، ان کے پیش نظر فقہ کا یہ جزئیہ تھا:

"ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو كان كافرا"

(اسلامی فقہ ۲/۲۶۰)۔

غیر مسلم قاضی اور حج:

آخری ثن سوال نامہ کا یہ ہے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں تو اس کا صاف جواب یہ ہے کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام مسلمانوں کے کسی بھی معاملہ کا فیصلہ نہیں کر سکتے، فقہانے قرآن و سنت کی روشنی میں کچھ شرائط مقرر کئے ہیں جن میں سے کچھ متفق علیہ ہے اور کچھ مختلف فیہ، متفق علیہ شرائط میں سے ایک شرط اسلام ہے، تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کے لئے قاضی یا حاکم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ فقہاء نے ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا“ سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ہرگز مسلمانوں کو کوئی راستہ نہیں دیں گے اور لکھا ہے کہ کافر کو مسلمانوں کے معاملات کے فیصلہ کی ذمہ داری نہیں دی جاسکتی، یہ آیت لفظاً تو خبر ہے مگر مفہوم کے اعتبار سے انشاء ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ مسلمان قاضی یا حاکم ہی کرے گا، البتہ اس میں فقہاء کے آراء مختلف ہیں کہ کیا غیر مسلموں کے معاملات میں فیصلہ کے لئے کوئی غیر مسلم حاکم مقرر کیا جاسکتا ہے، تو جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس کے لئے الگ سے کوئی حاکم مقرر نہیں کیا جاسکتا، البتہ حنفی فقہاء کہتے ہیں کہ ان کے لئے کسی غیر مسلم کو مقرر کیا جاسکتا ہے۔

إعلم أن تقليد الكافر صحيح وإن لم تصح قضاءه على المسلم حال

كفره“ (رد المحتار ۳/۴۱۳)۔

(کافر کو عہدہ قضا سپرد کرنا درست ہے اگرچہ اس کا فیصلہ مسلمان کے خلاف کفر کی

حالت میں درست نہیں)، رد مختار میں ہے: ”الكافر يجوز تقليد القضاء ليحكم بين

أهل الذمة ذكره الزيلعي“ (رد مختار ۳/۴۱۵)۔

(کافر کو عہدہ قضا سپرد کرنا درست ہے تاکہ وہ ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرے)۔

اسلامی عدالت میں ہے:

”غیر مسلم کو قاضی نہیں بنایا جاسکتا لیکن اگر امیر اہل ذمہ میں سے کسی شخص کو ان کے باہم معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی مقرر کر دے تو یہ درست ہے۔“

☆☆☆

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا محمد رمضان علی ☆

شریعت مطہرہ نے طلاق دینے کا مالک صرف شوہر کو بنایا ہے اس کے علاوہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں، البتہ اس کی نیابت میں مسلمان قاضی یا امیر رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا فیصلہ کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی یا خود شوہر کسی کو طلاق دینے کا مالک بنا دے تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی، لہذا جب شوہر نے اپنا اختیار عدالت کو سپرد کر دیا اور اپنی درخواست میں یہ واضح کر دیا کہ میں اپنے رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہوں، اس لئے میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، تو اس کی یہ تحریر اس پر واضح طور پر دلالت کر رہی ہے کہ اس نے عدالت کو اپنا وکیل بنا دیا، کیونکہ شریعت میں وکالت کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کے تصرف کا کوئی انسان مالک ہو اس میں کسی کو وہ اپنا نائب بنا دے، فقہاء کرام کے نزدیک وکالت کی تعریف یہ ہے:

”وهو إقامة الغير مقام نفسه في التصرف أي الجائز المعلوم“ (البحر الرائق ۲۳۹/۷، مکتبہ زکریا)۔

(وہ وکالت) جائز معلوم تصرف میں غیر کو اپنا قائم مقام بنانا ہے)۔

”وهو إقامة الغير مقام نفسه ترفهاً أو عجزاً في تصرف جائز معلوم“

(الدر المختار علی الرد ۲۴۱/۸، مکتبہ زکریا)۔

☆ استاذ دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ، پھولاری شریف، پٹنہ (بہار)۔

جب مذکورہ دلائل کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ شوہر اپنی طرف سے کسی کو طلاق کا وکیل بنا سکتا ہے تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس صورت میں شوہر کی اس درخواست کو توکیل ہی مانا جائے گا اور اسی بنیاد پر جب کارروائی کرنے کے بعد غیر مسلم حج طلاق کا فیصلہ کر دے گا تو عند الشرح اس کا اعتبار ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ فقہائے کرام کے نزدیک وکیل کے لئے مسلم ہونا ضروری نہیں ہے، کافر کو بھی وکیل بنانا جائز ہے۔

”ردة الوكيل لاتمنع صحة الوكالة فتجوز وكالة المرد بان وكل مسلم مرتدا، لأن وقوف تصرفات المرد لوقوف ملكه والوكيل يتصرف في ملك الموكل وانه نافذ التصرفات“ (بدائع الصنائع، کتاب الوكالة، ۱۶/۵، مکتبہ زکریا)۔

(وکیل کا مرتد ہونا، وکالت کے صحیح ہونے کے لئے مانع نہیں ہے، لہذا مرتد کی وکالت جائز ہے، بایں طور کہ کوئی مسلم کسی مرتد کو وکیل بنائے، اس لئے کہ مرتد کے تصرفات کا موقوف ہونا اس کی ملک کے موقوف ہونے کی وجہ سے ہے اور وکیل، موکل کی ملک میں تصرف کرتا ہے اور موکل کے تصرفات نافذ ہیں)۔

”وما يرجع إلى الوكيل فالعقل لا البلوغ والحرية وعدم الردة فيصح توكيل المرد“ (المحررات، ۲۳۷/۷، مکتبہ زکریا)۔

(اور وہ (شرط) جو وکیل کی طرف لوٹتی ہے وہ عقل ہے..... بلوغ (شرط) نہیں ہے اور حریت (شرط) نہیں ہے اور مرتد نہ ہونا (شرط) نہیں ہے لہذا مرتد کو وکیل بنانا صحیح ہے)۔

”وتجوز وكالة المرد بان وكل مسلم مرتدا“ (فتاویٰ ہندیہ، ۳/۵۶۳، مکتبہ زکریا)۔

(مرتد کی وکالت جائز ہے بایں طور کہ کوئی مسلمان کسی مرتد کو وکیل بنائے)۔

فقہائے کرام کی مذکورہ عبارتوں سے یہ واضح ہو گیا کہ مسلمان اپنے معاملات میں کسی

کافر کو وکیل بنا سکتا ہے، لہذا اس صورت میں شوہر موکل ہے، اس کی درخواست تو کیل ہے اور غیر مسلم حج وکیل ہے اسی لئے اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

درخواست کے تو کیل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شوہر عدالت میں درخواست دینے کے بعد اگر اس درخواست کو واپس لینا چاہے تو عدالت اسے وہ درخواست واپس کر دیتی ہے۔ اس درخواست کو واپس کرنے کے بعد حج یا عدالت کو شوہر کے حق میں قانوناً کوئی بھی فیصلہ کرنے کا حق نہیں رہتا ہے، اور یہ صورت صرف وکالت میں ہی پائی جاسکتی ہے، کیونکہ وکالت غیر لازم ہے، موکل کو حق ہے کہ جب چاہے وکیل کو معزول کر دے۔

”الوكالة من العقود الغير اللازمة فللموكل العزل متى شاء“ (الدر
الخاص علی الرد باب عزل الوکیل ۲۷۸/۸)۔

(وکالت عقود غیر لازمہ میں سے ہے..... موکل کے لئے وکیل کو معزول کرنا جائز ہے جب چاہے)۔

”انها من العقود الغير اللازمة فكان للموكل العزل متى شاء
بشرط علم الوکیل ولو كان وکیلا بالنکاح والطلاق“ (البحر الرائق، باب عزل الوکیل
۳۱۷/۷، مکتبہ زکریا)۔

(وہ (وکالت) عقود غیر لازمہ میں سے ہے..... اس لئے موکل کے لئے (وکیل کو)
معزول کرنا جائز ہے وہ جب چاہے، وکیل کے علم کے شرط کے ساتھ اگرچہ وہ نکاح اور طلاق کا
وکیل ہو)۔

اسی لئے ضروری ہے کہ شوہر کی درخواست کو تو کیل ہی مانا جائے، تملیک اور تحکیم نہ
مانا جائے کیونکہ تملیک میں مالک کو رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے اور یہاں عدالت میں شوہر کو
درخواست واپس لینے کا پورا پورا حق حاصل ہوتا ہے جو کہ تملیک کے منافی ہے، اسی لئے اس کی

درخواست کو تملیک ماننا درست نہیں ہے، جیسا کہ کسی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے تو مجلس ختم ہونے تک شوہر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس سے رجوع کرے کیونکہ بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دینا تملیک ہے، تو کیل نہیں ہے، اور تملیک میں رجوع صحیح نہیں ہے، اسی لئے اس کا رجوع کرنا بھی درست نہیں ہوگا، البتہ اگر اس نے کسی اجنبی سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دیدو، تو اس صورت میں وہ مجلس ختم ہونے سے پہلے بھی رجوع کر سکتا ہے کیونکہ یہ تو کیل ہے جس میں مالک کے لئے کسی وقت بھی رجوع جائز ہے، البتہ یہ کہ وہ طلاق کو مشیت کے ساتھ معلق کر دے تو وہ تملیک ہو جائے گی اور اس وقت رجوع درست نہیں ہوگا۔

”قال لها: اختاری أو طلقی نفسک فلها أن تطلق فی مجلس علمها به لأنه تملیک فیتوقف علی قبولها فی المجلس لا توکیل فلم یصح رجوعه قال لاجنبی: طلق امرأتی فیصح رجوعه منه لأنه توکیل محض إلا اذا علقه بالمشیة فیصیر تملیکا لا توکیلا“ (الدر المختار علی الرد ۵۵۲/۴-۵۵۵، مکتبہ زکریا)۔

(شوہر نے اپنی بیوی سے) کہا کہ تو اپنے آپ کو اختیار کر لے یا کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے تو عورت کو یہ اختیار ہو جائے گا کہ وہ اپنے کو اسی مجلس میں طلاق دے جس مجلس میں اس کو علم ہو..... اس لئے کہ وہ تملیک ہے تو مجلس میں اس کے قبول کرنے پر موقوف ہوگی۔ وہ تو کیل نہیں ہے اسی لئے اس سے (شوہر کا) رجوع کرنا صحیح نہیں ہے..... (اور اگر شوہر نے) کسی اجنبی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدو۔ تو (اس وقت) رجوع کرنا درست ہے..... اس لئے کہ وہ تو کیل محض ہے۔ الا یہ کہ وہ اس کو مشیت کے ساتھ معلق کر دے تو وہ تملیک ہوگی، تو کیل نہیں ہوگی)۔

اسی طرح شوہر کی درخواست کو تکحیم بھی نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ حکم کے لئے مسلمان ہونا

ضروری ہے اور یہاں حج غیر مسلم ہے، اسی لئے اس کو حکم نہیں بنایا جاسکتا، دوسری بات یہ ہے کہ حکم کی حیثیت حکم بنانے والے فریقین کے حق میں قاضی جیسی ہوتی ہے، اس لئے حکم قرار پانے کے لئے وہی اہلیت ضروری ہے جو قضاء پر تقرر کے لئے ضروری ہے اور وہ غیر مسلم حج میں منفقود ہے، اس لئے اس کو حکم نہیں بنایا جاسکتا۔

”و شرطه من جهة المحکم صلاحیتہ للقضاء“ (الدر المختار)۔

(اور محکم (جس کو حکم بنایا جا رہا ہو) کی جانب سے اس (تحکیم) کی شرط یہ ہے کہ اس میں قضاء کی اہلیت ہو)۔

”الصلاحية للقضاء لها شرائط، منها العقل ومنها البلوغ ومنها

الاسلام“ (بدائع الصنائع، کتاب آداب القاضی، باب من يصلح للقضاء ۵/۳۳۸)۔

(صلاحیت قضاء کی چند شرطیں ہیں، ان میں سے عقل، بلوغ اور اسلام ہے)۔

خلاصہ کلام:

شوہر کی درخواست کو تمسلیک نہیں مانا جاسکتا، کیونکہ تمسلیک میں رجوع جائز نہیں ہے، جبکہ صورت مسئولہ میں شوہر کو درخواست واپس لینے کا پورا حق حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اس کی درخواست کو تحکیم بھی نہیں مانا جاسکتا کیونکہ حکم کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے اور صورت مسئولہ میں حج غیر مسلم ہے، اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کی درخواست کو توکیل مانا جائے کیونکہ صورت مذکورہ میں شوہر عدالت کے حج کو طلاق کا وکیل بنا رہا ہے جس میں تصرف کا وہ خود مالک ہے، اسی طرح جس کو وہ وکیل بنا رہا ہے اس میں وکیل بننے کی اہلیت بھی موجود ہے، لہذا اس درخواست کو توکیل مانا جائے گا اور حج کو وکیل مانا جائے گا اور اسی بنیاد پر جب کارروائی کرنے کے بعد حج طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دے گا تو اس کا فیصلہ معتبر ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ وکیل کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، کوئی مسلمان کسی کافر کو وکیل بنا سکتا ہے۔

۲- یہاں بھی شوہر کے دستخط کی حیثیت تو کیل کی ہوگی کیونکہ جب عدالت نے شوہر کے سامنے یہ بات پیش کر دی کہ یہاں جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور ہوگا، اس کے باوجود شوہر نے اس پر دستخط کر دیا تو اس سے واضح ہو گیا کہ وہ عدالت کی بات سے راضی ہے اور جس چیز کا وہ مالک تھا یعنی طلاق کا اس نے عدالت کو اس کے تصرف کا وکیل بنا دیا، کیونکہ تو کیل کے لئے ایجاب و قبول ضروری ہے اور وہ زبانی بھی ہو سکتا ہے اور لکھ کر بھی ہو سکتا ہے اور یہ تو واضح ہے کہ کوئی بھی انسان کسی تحریر کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اس پر جب دستخط کرتا ہے تو اس سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس میں لکھی ہوئی چیزیں اس کو منظور ہیں۔

”رکن التوكيل فهو الايجاب والقبول، فالايجاب من الموكل ان يقول: وكنتك كذا او افعل كذا او اذنت كذا او نحوه والقبول من الوكيل ان يقول: قبلت“ (بدائع الصنائع كتاب الوكالة ۱۰/۵)۔

(تو کیل کارکن ایجاب و قبول ہے، موکل کی جانب سے ایجاب یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں نے تم کو فلاں چیز کا وکیل بنایا، یا کہے کہ فلاں کام کر لو یا کہے کہ میں نے تم کو فلاں چیز کی اجازت دی اور وکیل کی جانب سے قبول یہ ہے کہ وہ کہے کہ میں نے قبول کیا یا جو اس کے قائم مقام ہو وہ کہے)۔ اس کے علاوہ دوسری بات یہ ہے کہ جس طرح وکیل کی معزولی کے لئے کلام کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ کتابت کے ذریعہ بھی اس کو معزول کیا جاسکتا ہے، اسی طرح کتابت کے ذریعہ کسی کو وکیل بنانا بھی درست ہوگا۔

”ويثبت عزله بالمشافهة به او بكتابة له ككتابا بعزله“ (المحررات، باب عزل

الوكيل ۳۱۸/۷)۔

(اور اس (وکیل) کا معزول ہونا مشابہت (کلام) کے ذریعہ یا اس کی معزولی کی

کتابت کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے)۔

لہذا اگر کارروائی کے بعد عدالت طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دے تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر یہ کہ فیصلہ سے پہلے شوہر رجوع کر لے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے دستخط کی حیثیت توکیل کی ہے اور وکالت میں رجوع جائز ہے۔ اگر حج غیر مسلم ہو جب بھی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ سابق جواب میں گزر چکا کہ مسلمان کسی کافر کو بھی وکیل بنا سکتا ہے، لہذا غیر مسلم حج کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

توکیل کے علاوہ شوہر کے دستخط کی حیثیت تملیک یا تحکیم کی نہیں ہو سکتی، کیونکہ سابق جواب میں حوالوں کے ساتھ گزر چکا کہ تملیک میں رجوع جائز نہیں ہے اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ دستخط کرنے کے بعد بھی شوہر کو اپنا فیصلہ واپس لینے کا حق حاصل ہوتا ہے، اسی لئے اس کے دستخط کی حیثیت تملیک کی نہیں ہوگی بلکہ توکیل کی ہوگی۔

اس کے دستخط کی حیثیت تحکیم کی بھی نہیں ہوگی، کیونکہ حکم کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

خلاصہ کلام:

ماحصل یہ ہے کہ شوہر کی دستخط کی حیثیت توکیل کی ہوگی اور کارروائی کے بعد عدالت اگر طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دے تو اس کا فیصلہ معتبر ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

۳۰۔ شوہر عدالت میں آیا ہی نہیں یا آیا تو مگر دستخط و تفویض پر تیار ہی نہیں ہوا، اس کے باوجود اگر عدالت حالات کا جائزہ لے کر طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دے تو اس کے فیصلہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ طلاق دینے کا حق صرف شوہر کو ہے یا اسباب فسخ و تفریق کے وقت مسلم امیر یا قاضی کو ہے، اس کے علاوہ طلاق دینے کا حق کسی کو نہیں ہے، من جانب الشرع بیوی بھی طلاق کی مالک نہیں ہے بلکہ وہ محل طلاق ہے۔

”ومحلہ المنکوحہ وأهلہ زوج عاقل بالغ مستیقظ“ (الدر المختار علی الرد ۴/۳۱۱)۔

(اس طلاق) کی محل منکوحہ (بیوی) ہے اور اس کا اہل عاقل بالغ بیدار شوہر ہے۔

لہذا جب شوہر نے نہ خود طلاق دی اور نہ کسی کو طلاق دینے کا مالک بنایا اور نہ وکیل بنایا اس کے باوجود اگر عدالت نے فیصلہ کر دیا تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، کیونکہ شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی ہی نہیں پائی گئی۔

خلاصہ کلام:

خلاصہ یہ ہے کہ طلاق کا حق صرف شوہر کو حاصل ہے اور صورت مسئولہ میں نہ تو خود شوہر نے طلاق دی اور نہ ہی اس نے کسی کو طلاق دینے کا مالک بنایا اور نہ ہی کسی کو وکیل بنایا، لہذا ایسی صورت میں اگر عدالت طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دے تو اس کے فیصلہ کا اعتبار نہیں ہوگا اور طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴- غیر مسلم حکومت یا غیر مسلم عدالت میں اگر مسلمان حج ہے اور وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے اور مسلمان اس سے راضی ہیں تو اس کو مسلم قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار بھی ہوگا، کیونکہ فقہائے کرام نے دارالکفر میں غیر مسلم فرماں روا کی طرف سے مسلمانوں کے لئے مسلم والی کے تقرر کو جائز قرار دیا ہے، لہذا جب اس کا قاضی ہونا جائز ہو گیا تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ بھی نافذ ہوگا اگر وہ تمام شرائط و قیود کے ساتھ ہو۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین رقمطراز ہیں:

”اذا ولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلا

شبهة“ (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب فی حکم تولیۃ القضاء فی بلاد غلب علیہم الکفار ۸/۴۴)۔

(جب کافر، مسلمانوں پر مسلم قاضی مقرر کرے اور مسلمان اس حج سے راضی ہوں تو اس کو مسلم قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے) اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا بھی اعتبار ہوگا۔

۵- مسلمانوں کے جن معاملات میں قضائے قاضی شرط نہیں ہے ان میں غیر مسلم عدالتیں

اور حکام فیصلہ کر سکتے ہیں اور ان فیصلوں میں مسلمان ان کا اعتبار بھی کر سکتے ہیں جیسا کہ طلاق ہے کہ اگر مسلم قاضی کے سامنے شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اس میں اس کے فیصلہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح غیر مسلم جج کے سامنے اگر شوہر بیوی کو طلاق دے تو وہاں پر بھی طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ جو طلاق کے وقوع کا فیصلہ کرے گا اس کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اصلاً طلاق شوہر کی وجہ سے واقع ہوئی، اسی طرح نکاح کہ اس میں زوجین کا ایجاب و قبول ضروری ہے، پس اگر لڑکا، لڑکی غیر مسلم جج کے سامنے دو مسلم گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کریں تو شرعاً نکاح ہو جائے گا اور اس کے بعد کورٹ نفاذ نکاح کا جو فیصلہ کرے گا اس کا اعتبار ہوگا، البتہ جن مسائل میں قضائے قاضی شرط ہے ان میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام فیصلہ نہیں کر سکتے اور نہ ان کے فیصلوں کا اعتبار ہوگا جیسے کہ فسخ نکاح کہ اس میں مسلم قاضی کا فیصلہ ہی معتبر ہوگا۔



غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کے فیصلے

مفتی الحنفی الرحمن ولایت علی، ممبئی

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ نظام قضاء واجب ہے، ”لا خلاف بین الأنمة ان القیوم بالقضاء واجب“۔ نظام قضاء کے قیام کا واجب ہونا قرآن سے بھی ثابت ہے اور حدیث سے بھی، اللہ پاک نے حضرت داؤد کو فریضہ قضاء کی ادائیگی کا حکم فرمایا: ”فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی“۔

اور متعدد مواقع پر خود آپ ﷺ کو حکم شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا گیا: ”فاحکم بینہم بما أنزل اللہ“ (ماکہ: ۳۸)۔

حدیثوں سے بھی قضاء اور نظام قضاء کے قیام کا واضح ثبوت ملتا ہے، خود آپ ﷺ نے بہت سے مقدمات فیصل فرمائے ہیں، اور آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں متعدد صحابہ کو عہدہ قضاء پر مامور فرمایا ہے (قاموس الفقہ ۵۱۲/۳)۔

در اصل نظام قضاء کا قیام امت کا اجتماعی فریضہ ہے، اسی لئے کسی زمانہ میں اگر ایک ہی شخص اس عہدہ کا اہل ہو تو اس کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا واجب ہے اور قاضی مقرر کرنے کا حق اصل میں مسلمانوں کے فرماں رواں (امام المسلمین) کا ہے لیکن اگر کسی علاقہ پر غیر مسلموں کا قبضہ ہو جائے اور زمام اقتدار مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ رہے تو وہاں نصب قاضی کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں: اول یہ کہ اگر حکومت نے کسی مسلمان کو مسلمانوں پر ذمہ دار مقرر کر دیا ہو تو وہ ذمہ دار

قاضیوں کا تقرر کرے، اور اگر حکومت کی طرف سے کسی مسلمان کو بحیثیت ذمہ دار مقرر نہ کیا گیا ہو تو پھر مسلمانوں پر شرعی فریضہ ہے کہ وہ خود باہمی اتفاق رائے سے ایک امیر منتخب کر لیں، اس امیر کی طرف سے قاضی کا تقرر درست ہوگا اور اگر خدا نخواستہ مسلمان اپنے اوپر کسی امیر کے انتخاب میں بھی ناکام رہیں تو پھر مسلمانوں میں ارباب حل و عقد باہمی اتفاق سے کسی شخص کو قاضی مقرر کر لیں اور وہ ایسے ممالک میں شریعت کے مطابق فیصلہ کریں (قاموس الفقہ ۴/۵۱۳)۔

جواب ۱، ۲، ۳:

اس بارے میں شوہر کی درخواست کو تحکیم کا درجہ نہیں دیا جاسکتا اور غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔ ایک کافر مسلمان کے فیصلہ کی اہلیت نہیں رکھتا، شہادت کی قبولیت کے لئے شاہد کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔ شاہد میں پانچ صفات عالیہ کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں سے ایک صفت صفت اسلام ہے۔

بدایۃ الجہد میں ہے: ”والنظر فی الشہود فی ثلاثة أشياء: فی الصفة، والجنس، والعدد، فاما عدد الصفات المعبرة فی قبول الشاهد بالجملة فہی خمسة: العدالة، والبلوغ، والاسلام، والحرية ونفی التهمة“ آگے علامہ ابن رشد اسلام کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ”واما الإسلام فاتفقوا علی أنه شرط فی القبول، وإنه لا تجوز شہادة الکافر“ (بدایۃ الجہد ۴/۳۰۸)۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”يجب أن يعلم بان التحکيم جائز و شرط جوازہ أن يكون الحکم من أهل الشہادة وقت التحکيم و وقت الحکم أيضا. ولا يجوز تحکيم الکافر والعبد والذمی“ (۳/۳۹۷)۔

دکتور وہبہ الرحمی تحریر فرماتے ہیں کہ شاہد کا عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہونا شرط ہے، بلکہ ایک لازمی صفت ہے، لہذا کافر کی شہادت مسلمان کے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

”اتفق العلماء على اشتراط كون الشاهد مسلماً فلا تقبل شهادة الكافر على المسلم، لانه متهم في حقه“ (اللقح الاسلامي وادلتہ ۶۰۳/۸)۔ آگے تحریر فرماتے ہیں: ”فقال الجمهور غير الحنابلة لا تقبل شهادتهم على المسلمين لأن الشهادة ولاية ولا ولاية للكافر على المسلم لقوله تعالى: ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“ (النساء: ۱۳۱/۳، ۶۰۶/۸)۔

حضرت فقیہ الامت اس فیصلہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: اگر لڑکی کی درخواست پر عدالت نے شوہر کو بلوا کر اس سے طلاق دلوائی اور شوہر نے اپنی زبان سے طلاق دے دی تو شرعاً طلاق واقع ہوگئی، عدت گزرنے پر لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق ہے، لیکن شوہر سے طلاق نہیں دلوائی بلکہ لڑکی کی درخواست پر خود فعل مختاری کی اجازت دے دی جیسا کہ ہوتا ہے تو اس سے شرعی طلاق نہیں ہوئی، لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں (فتاویٰ محمودیہ ۱۳ ص ۱۶۵)۔ آپ اپنے فتاویٰ میں ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: کہ باکرہ کے والدین نے اگر طلاق کا عدالت میں دعویٰ کیا اور عدالت نے یک طرفہ درخواست پر باکرہ کو نکاح ثانی کی اجازت دے دی تو شرعاً وہ طلاق نہیں ہوگی، نکاح فسخ نہیں ہوگا، اور باکرہ کو دوسری جگہ نکاح کا حق نہیں ہوگا اور اگر دوسری جگہ نکاح کر لیا تو حرام کاری اور معصیت ہوگی جس کا وبال دنیا و آخرت میں بہت سخت ہے (فتاویٰ محمودیہ ۱۳ ص ۱۶۸)۔

حضرت مفتی عبدالرحیم لاہوری تحریر فرماتے ہیں: سوال ہے، غیر مسلم حج تفریق کرے تو کیا شرعاً اس کا فیصلہ معتبر ہے؟ جواب میں لکھتے ہیں: غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں، لہذا لڑکی نکاح نہیں کر سکتی اور اگر کر لے تو وہ غیر معتبر ہے، لہذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دیندار مسلم پنجابیت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہو، یہ پنجابیت شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ معاملہ کی تحقیق کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے، اب عورت شرعی نقطہ نظر کے

بموجب آزاد ہوگی (۳۷۷)۔ اس کے چند صفحات آگے حضرت مفتی صاحب نے ایسا ہی جواب ایک اور تحریر فرمایا ہے (ج ۸۳ / ۸۷)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں (غیر مسلم حج کے فیصلہ کے متعلق): اس بارے میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ سیشن حج غیر مسلم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کر دے کہ وہ شرعی فیصلہ کر دے اور پھر سیشن حج اس کے فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کر دے (کفایت المفتی ۱۳۲ / ۶)۔

آپ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ کر سکے گی (۱۶۶ / ۶)۔

بہر حال عبارات مذکورہ سے اتنی بات واضح طور پر ثابت ہوگی کہ چاہے شوہر خود غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ میں اپنا رشتہ ازدواج ختم کرنا چاہتا ہوں یا دوسری صورت کہ عورت درخواست دے کہ میرا نکاح ختم کر دیا جائے یا تیسری صورت عورت کی درخواست پر شوہر عدالت میں حاضر نہ ہو لیکن عدالت حالات کا جائزہ لے کر تفریق کر دے تو تینوں صورتوں کا حکم یکساں ہوگا کہ طلاق نہیں پڑے گی جب تک شوہر از خود عدالت میں آ کر طلاق نہ دے دے، مجموعی اعتبار سے تینوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ ان تینوں میں اگر عورت تفریق چاہتی ہے تو اس کی فقط ایک ہی صورت ہے جس کو حضرت اقدس تھانوی نے اپنی کتاب ”الجملة الناجزة“ میں تحریر فرمایا ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعت المسلمین کے سامنے پیش کرے وہ معاملہ کی شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے اور اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو ورنہ ہم تفریق کریں گے۔ اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق

واقعہ کر دے اس میں کسی مدت کے انتظار و مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں (حیلہ ناجزہ ص ۸۲)۔

۴- البتہ ہندوستان یا وہ ممالک جہاں پر عدالت غیر مسلم کی ہے لیکن جج اور مجسٹریٹ مسلمان ہے تو اس کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ ”حیلہ ناجزہ“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہو اور شرعی قاعدہ کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے ”لما فی الدر المختار: ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو كافراً ذكروه مسكين وغيره“ (۳۱/۸ بحوالہ الحیلہ ناجزہ ص ۴۵)۔

امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: سوال: جن مسائل میں قضا اور قاضی کی ضرورت ہے ان میں انگریزی عدالت کا حکم و فیصلہ وہی حکم رکھتا ہے یا نہیں؟

جواب: اگر صاحب اجلاس مسلم ہو، وہ شرعاً قاضی ہے (۳۳۳/۳)۔

حضرت مفتی عبدالرحیم لاچپوری فتاویٰ رحیمیہ میں تحریر فرماتے ہیں: جہاں قاضی شرعی موجود نہ ہو وہاں اگر حکومت کی جانب سے اس قسم کے مقدمات کے تصفیہ کے اختیارات مسلم مجسٹریٹ کو حاصل ہوں اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے موافق فیصلہ کریں تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کر لینا درست ہو جاتا ہے (ج ۸ ص ۳۸۰)۔

حضرت فقیہ الامت فتاویٰ محمودیہ میں تحریر فرماتے ہیں: مسلم جج کا فیصلہ جب کہ شریعت حقہ کے مطابق ہو شرعاً نكاح کے متعلق معتبر ہے (۱۷۰/۱۳)۔

علامہ ظفر عثمانی نے اپنی کتاب اعلیٰ السنن میں مستقل باب باندھا ہے: ”باب صحۃ تقلد القضاء من السلطان الجائر“ کہ ظالم بادشاہ کی طرف سے اگر کوئی قاضی بنا دیا جائے تو اس کا قاضی بننا درست ہے، اور پھر ظالم بادشاہ کی اطاعت کے بارے میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث نقل فرمائی ہے، اس کے بعد غیر مسلم عدالت میں مسلمان مجسٹریٹ قضاء قاضی کے قائم مقام ہے اس کے متعلق بہت اہم نکتہ تحریر فرمایا ہے: غیر مسلم حکومت میں منصب طلب کرنا تا کہ اسلامی شریعت کے مطابق قوانین جاری کر سکے درست ہے، دیکھو حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام مصر میں کافر حکومت سے منصب کو طلب کیا، اور قرآن نے حضرت کے الفاظ یوں نقل کیا ہے: ”اجعلنی علی خزائن الأرض انی حفیظ علیم“ اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم حکومت میں مسلم جج کا قیام اور اس کا فیصلہ جب کہ شرعی ہو درست اور جائز رہے گا، اعلیٰ السنن میں ہے: تقلد الولاية والقضاء من کافر، یہ تو عنوان ہے، آگے تحریر فرماتے ہیں:

”ولأجل ذلك۔ والله اعلم۔ طلب سیدنا یوسف علیہ السلام الولاية والعمل من ملک کافر فقال: ”اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم، وفيه دلیل علی جواز التقليد من الکافر فالمسلم الجائر بالاولی“ (۱۵/۵۳)۔

البحر الرائق میں ہے: ”ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل، والجائر ومن أهل البغی۔ وأطلق فی الجائر، تشتمل المسلم، والکافر كما ذکره مسکین معزیا إلى الاصل وظاهره صحة سلطنة الکافر علی المسلمین وصحة توليته القضاء“ (۲/۳۹۳)۔

۵- سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر مسلمان پر لازم اور ضروری ہے کہ وہ اپنے معاملات کو غیر اسلامی عدالتوں میں لیجانے سے بالکل پرہیز کریں، چاہے وہ معاملہ نکاح اور طلاق کا ہو یا خرید و فروخت اور وصیت اور وقف کا ہو، ماننے اور منوانے کا سوال تو درکنار لیجانا ہی شرعاً ممنوع

ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ وہ اپنے نزاعات میں قانون شریعت کو حکم بنائیں اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق جو فیصلہ ہوا اپنے دل میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

”فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم

لا یجدو فی أنفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً“ (النساء: ۶۵)۔

اس آیت کی وجہ سے فقہاء نے یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہو اور حکومت پر بھی انکا تسلط ہو تب بھی ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے لئے امیر منتخب کریں جو ان کے باہمی مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی کا تقرر کرے اور اگر حکومت اس سے جان چراتی ہو تو مسلمانوں کا شرعی فریضہ ہے کہ خود اپنے سے امیر منتخب کر لیں اور وہ امیر ان کے لئے قاضی کا تقرر کر دے، لیکن اگر مسلمان بھی اس میں ناکام ہو تو پھر خود مسلمانوں کی جماعت کے ارباب حل و عقد ایک قاضی کا تقرر کر لیں اور وہ قاضی ان کے درمیان شریعت کے مطابق فیصلہ کر دیں۔ اس کے علاوہ کسی مسلمان مرد یا عورت کا یہ حکم چھوڑ کر غیر اسلامی سرکاری عدالتوں کے فیصلوں کا طلب گار ہونا قطعاً ناجائز اور سخت گناہ ہوگا، اور بلاشبہ معصیت ہوگی، اور اگر ان سرکاری عدالتوں نے کسی بھی معاملہ میں مسلمانوں کے مقدمات کا فیصلہ کر بھی لیا (مسلمان مرد اور عورت کے سرکاری عدالتوں میں مقدمہ دائر کرنے کی وجہ سے) جب بھی وہ فیصلے مردود ہوں گے اور نامقبول ہوں گے، اور شریعت کے نزدیک غلط قرار دیئے جائیں گے، لہذا غیر مسلم عدالتیں مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کرنے کی بالکل بھی مجاز نہیں ہے اور مسلمان ان کا اعتبار بالکل بھی نہیں کر سکتے۔ دوسری جگہ قرآن میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

”یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم، فإن

تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول الخ“ (النساء: ۵۸)۔

اب یہ کفار بھلا اولوالامر میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں، لہذا اگر مثال کے طور پر اگر زوجین کا مسئلہ سرکاری عدالت میں چلا جاوے اور اگر ایک کے مطابق مفید ہوا تب بھی دوسرے کے خلاف تو لازم ہے، لہذا اس کو بھی ہم نہیں مانیں گے، البتہ ایک صورت ہے کہ اگر ایک کافر اور مسلمان کے درمیان باہمی نزاع ہو اور غیر مسلم حج نے مسلمان کے حق میں فیصلہ کر دیا اور واقعی میں مسلمان حق پر بھی تھا، تو یہ فیصلہ قابل قبول ہو گا اس وجہ سے نہیں کہ اس نے موافقت میں فیصلہ کر دیا بلکہ یہ تو شرعاً اس کے حق میں فیصلہ پہلے سے ہی موجود ہے، ظاہر اس فیصلہ کی نسبت غیر مسلم حج کی طرف ہو گئی ہے۔

رد المحتار میں ہے: ”وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار - كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولى قاضيا ويكون هو الذي يقضى بينهم“ (۸/۴۲ وکذا فی البحر الرائق ۱۶/۳۹۳)۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

☆ مولانا محمد موسیٰ شمس قاسمی ☆

موجودہ دور میں مسلمان متعدد ممالک میں اقتدار سے محروم ہیں اور اقلیت کی زندگی گزار رہے ہیں، مسلمانوں کے لئے ان کی سماجی اور سیاسی زندگی میں متعدد مسائل پیدا ہو گئے ہیں، ان مسائل میں ایک اہم ترین مسئلہ باہمی نزاعات میں غیر مسلم عدالتوں سے رجوع کرنے کا ہے؛ سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ مسلمانوں کے لئے خدائی نظام اور شرعی قوانین پر عمل پیرا ہونا بہر صورت لازم ہے خواہ دارالکفر کا باشندہ ہو یا دارالاسلام کا، حضرت امام ابو یوسف کا قول ہے:

”المسلم ملتزم بأحكام الإسلام حيث ما كان“ (ابو یوسف، بحوالہ بحث و نظر شمارہ نمبر ۳۳-۳۴ جلد نمبر ۹)۔

رب ذوالجلال نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے تمام امور میں خواہ اتفاقی ہوں یا نزاعی خدا اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کریں:

”قل أطيعوا الله والرسول فإن تولوا فإن الله لا يحب الكافرين“ (سورۃ آل عمران: ۳۲)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو اللہ کو محبت نہیں کافروں سے)۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد بانی ہے:

☆ المعهد العالی للحدیث ریپن القضاة والافتاء امارت شرعیہ چکوالاری شریف پٹنہ۔

”يأياها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولى الامر منكم فان تنازعتهم فى شئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر“
(سورة النساء: ۵۹)۔

(اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں، پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ اور اس کے رسول کی طرف، اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر)۔

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”ان كنتم تؤمنون الخ فدل على أن من لم يتحاكم فى محل النزاع الى الكتاب والسنة ولا يرجع إليها فى ذلك فليس مؤمنا بالله واليوم الآخر“ (تفسیر القرآن العظيم: ۳۹۱)۔

یہ آیت اس پر دال ہے کہ جو محل نزاع میں کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ نہ کرائے اور ان دونوں کی طرف رجوع نہ کرے تو وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا نہیں ہے۔

ان تفصیلات کے بعد اب ہم زیر بحث مسئلہ میں غور کرتے ہیں، سب سے پہلے یہ کہ غیر مسلم عدالت میں درخواست کی حیثیت شرعاً کیا ہوگی؟ اور اس کے مطابق غیر مسلم حجج کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا؟

۱- سب سے پہلے ہم حکیم و تفویض کی تفصیل کرتے ہیں:

حکیم: شریعت مطہرہ نے طلاق دینے کا اختیار صرف مرد ہی کو دیا ہے، البتہ زوجین کو اختیار ہے کہ اپنا معاملہ حکیم و تفویض کے ذریعے سے بھی حل کر سکتے ہیں:

”فابعثوا حکما من اہله و حکما من اہلها“ (النساء: ۳۵)۔

(تو کھڑا کر دے ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک منصف عورت والوں میں

سے)۔

لیکن حکم صرف مسلمان ہی بن سکتا ہے جیسا کہ التفسیر الکبیر میں ہے:

”قال بعضهم: إنه هو الإمام أو من يلي من قبله وقال آخرون:

المراد كل واحد من صالحى الأمة“ (التفسیر الکبیر ۲۰۲/۵)۔

(بعض نے کہا کہ وہ امام یا امام کی طرف سے کوئی والی ہو، اور بعض نے کہا کہ اس سے

مراد امت کے نیک افراد ہیں)۔

علامہ ابوبکر صاص رازیؒ لکھتے ہیں:

”لا يحل لمؤمن أن يتخذ كافراً ولياً فى دينه“ (احکام القرآن ۱۲/۳)۔

(کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین میں کسی کافر کو ولی بنائے)۔

العلامة الإمام علاء الدين ابوالحسن على بن خليل الطرابلسي الحنفىؒ لکھتے ہیں:

”كل من تقبل شهادته فى أمر جاز أن يكون حكماً فيه ومن لا فلا“

(معین الاحکام: ۲۵)۔

(ہر وہ شخص جس کی شہادت کسی معاملہ میں مقبول ہو اس میں وہ حکم بن سکتا ہے اور اگر

ایسا نہیں ہے تو نہیں بن سکتا ہے)۔

اس سے مفہوم ہوا کہ غیر مسلم مسلمانوں کے معاملات میں حکم نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اس

کے اندر اس کی اہلیت نہیں ہے۔

تو کیل:

وکالت میں اسلام شرط نہیں ہے، بلکہ غیر مسلم بھی مسلمانوں کے معاملات میں وکیل بن

سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے طرز عمل سے اس کا ثبوت ملتا ہے:

”إن عبد الرحمن بن عوف وهو مسلم فى دار الاسلام كاتب إلى أمية

بن خلف وهو كافر في دار الحرب بتفويضه إليه لينظر فيما يتعلق به هو معنى التوكيل“ (عمدة القاری ۸/۶۷۱)۔

(عبدالرحمن بن عوفؓ نے (اور وہ دارالاسلام میں مسلمان تھے) امیہ بن خلف (جو دار الحرب میں کافر تھا) کو تفویض کرتے ہوئے لکھا کہ اس سے متعلق چیزوں کے بارے میں نظر رکھے، اور یہی توكيل کا مطلب ہے)۔

اس روایت کی تفسیر میں علامہ عینیؒ ابن منذر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وقال ابن المنذر: توكيل المسلم حربيا مستامناً وتوكيل الحربى المستامن مسلماً لا خلاف فى جوازه“ (عمدة القاری ۸/۶۷۱)۔

(ابن منذر نے کہا: کہ مسلم کا حربی متامن کو اور حربی متامن کا کسی مسلمان کو وکیل بنانے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔
اسی طرح فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”وإذا وكل المسلم أو الذمى حربياً مستامناً فى دار الاسلام أو غیر ذلك جاز“ (فتاویٰ ہندیہ ۳/۵۶۳)۔

(اور جب مسلمان یا ذمی دارالاسلام میں حربی متامن کو یا اس کے علاوہ کو وکیل بنایا تو جائز ہے)۔

ان تفصیلات سے نفس توكيل کا ثبوت ہو رہا ہے، کہ مسلمان اپنے معاملات میں غیر مسلم کو وکیل بنا سکتے ہیں، لیکن کیا یہ وکالت طلاق و فرقت میں بھی معتبر ہو سکتی ہے؟ کتب فقہ سے پتہ چلتا ہے کہ فسخ نکاح ایسا مسئلہ ہے جس میں محض اسباب فسخ کے پائے جانے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں قضاء قاضی بھی ضروری ہے، اور قاضی کی اہلیت کے لئے اسلام شرط ہے، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

”ومنها الاسلام، لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات هي الشهادة، فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى“ (بدائع الصنائع ۳۹۵-۳۳۸)۔

(شرائط قضاء میں سے یہ ہے کہ قاضی مسلمان ہو، کیونکہ قضاء باب الولايات میں بڑی ولایت ہے، اور یہ (بچے، کافر، مجنون وغیرہ) ادنی ولایت کے بھی اہل نہیں ہیں اور ادنی ولایت شہادت کا درجہ ہے، پس یہ لوگ اعلیٰ درجہ کی ولایت کے بدرجہ اولیٰ اہل نہیں ہونگے)۔
لہذا غیر مسلم کا قاضی نہیں ہو سکتا۔ ارشاد باری ہے:

”لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين“ (آل عمران: ۲۸)۔

(نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر)۔

علامہ ابوبکر صا ح رازئی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”وهو يدل على أن الكافر لا يستحق الولاية على المسلم بوجه ولدأ

كان أو غيره“ (اکام القرآن ۳۱۵/۲)۔

(اور یہ اس پر دال ہے کہ کافر مسلمان پر ولایت کا حق کسی بھی طرح سے نہیں رکھتا ہے

خواہ ولد ہو یا اس کے علاوہ)۔

جائزہ:

ان تفصیلات کی روشنی میں غیر مسلم حج کو طلاق و فرقت کے سلسلے میں وکیل بنا نا درست نہیں ہے، کیونکہ گرچہ ہم اپنے اعتبار سے اس کو وکیل سمجھ رہے ہیں لیکن وہ جو فیصلہ کرے گا پوری کارروائی کے بعد بحیثیت حج ہی فیصلہ کرے گا، لہذا مسلمان کا غیر مسلم عدالت میں فسخ نکاح کی درخواست کو تفویض و تحکیم قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔

لیکن دوسری طرف ہم غیر مسلم ممالک میں اقلیتی طبقہ میں بننے والے مسلمانوں کا

جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بعض ایسے ممالک ہیں جہاں باہمی رضامندی سے بھی طلاق دینا ممنوع ہے اور طلاق پر زوجین کے اتفاق کو باطل تصور کیا گیا ہے کیونکہ یہ عام نظام کے خلاف ہے (فدوالاقلیات، ۵۳)۔

اور زوجین کسی سبب کی بنیاد پر فسخ نکاح چاہتے ہیں، خود سے شوہر طلاق دیتا ہے تو قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے اور اگر عدالت سے رجوع کرتا ہے تو مذکورہ پریشانیاں درپیش ہیں، ایسی صورت میں وہ کیا کرے، جبکہ شریعت میں حرج مدفوع ہے: ”ما جعل علیکم فی الدین من حرج“ (سورۃ الحج)۔

ایسی شکل میں وہاں کے مسلمانوں کو چاہئے کہ جتنا جلد ہو سکے حکومت سے مطالبہ کر کے اپنا الگ شرعی پنچایت یا عدالت قائم کر لیں اور اپنے عائلی مسائل کے حل کے لئے وہیں سے رجوع کریں، جیسا کہ علامہ شامیؒ ارقام فرماتے ہیں:

”وفی الفتح وإذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیاً ویكون هو الذی یقضی بینهم“ (شامی ۳۳/۸)۔

(جب کوئی سلطان نہ ہو اور نہ وہ شخص جو اس کی طرف سے مقرر ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے میں سے کسی پر اتفاق کر کے اس کو ولی بنا لیں پھر وہ قاضی ہو جائے گا اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا)۔

لیکن جب تک شرعی عدالت قائم نہیں ہو رہی ہے اور قانونی جرم کا خدشہ بھی دامن گیر ہے تو عدالتی فیصلہ کے بعد چند باوثوق مسلمانوں کی کمیٹی تیار کر کے ان کے سامنے فسخ نکاح کر لیں۔

۲- یہیں سے دوسرا جزئیہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر شوہر بخوشی دستخط بھی کر دے اور اس کے مطابق بعد کارروائی عدالت فیصلہ کر دے تو اس فیصلہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور نہ ہی شوہر کے دستخط

کی کوئی حیثیت ہوگی۔

۳- ایسی صورت میں غیر مسلم حج کے فتح نکاح کا فیصلہ معتبر نہیں ہے، ان کا فتح کیا ہوا نکاح باقی رہے گا اور نکاح ثانی جائز نہیں ہوگا۔

۴- غیر مسلم عدالت میں فیصلہ کرنے والا اگر مسلمان ہے تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

”يجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو كافراً“ (رد المحتار کتاب القضاء ۸/۲۳)۔

(اور جائز ہے قضاء کو سپرد کرنا منصف اور ظالم سلطان کی طرف سے گرچہ وہ کافر ہو)۔ اس سے مفہوم ہوا کہ جس طرح عادل مسلمان بادشاہ کے مقرر کرنے سے قاضی بن جاتا ہے، اسی طرح کافر کے قاضی مقرر کرنے سے بھی شرعی قاضی ہو جائے گا۔ اور اس کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ ہوگا اور اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار ہوگا۔

خلاصہ بحث:

- ۱- شوہر کا غیر مسلم عدالت میں رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کے لئے درخواست دینے کو تفویض و تحکیم نہیں مانا جاسکتا۔ اس کی بنیاد پر غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔
- ۲- شوہر کے دستخط کے مطابق بعد کاروائی عدالت کے فیصلہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اور نہ ہی شوہر کے دستخط کی کوئی حیثیت ہوگی۔
- ۳- ایسی صورت میں غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر نہیں ہے، اس کا فتح کیا ہوا نکاح باقی ہے اور نکاح ثانی جائز نہیں ہوگا۔

مذکورہ تینوں صورتوں میں وہاں کے مسلمان حکومت سے مطالبہ کر کے اپنی شرعی عدالت

قائم کرالیں۔ اور اپنے معاملات میں وہیں سے رجوع کریں۔ لیکن جب تک شرعی عدالت قائم نہیں ہو رہی ہے اور قانونی جرم کا خدشہ بھی دامن گیر ہے، تو پہلے عدالت سے فسخ نکاح کرالیں پھر بعد میں باوثوق مسلمانوں کی کمیٹی قائم کر کے ان کے سامنے فسخ نکاح کرالیں۔

۴- غیر مسلم عدالت میں مسلمان حج مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

۵- غیر مسلم عدالتیں یا حکام نے ایسی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا جو شرعاً غیر معتبر ہیں تو وہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ نہیں ہوگا، اور اگر وہ شہادتیں شرعاً معتبر ہیں تو اب یہ مقدمات دو طرح کے ہوں گے: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے، تو ایسے معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا، لیکن جن امور میں صرف سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں ہے بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے، تو ان میں غیر مسلم منصف کا فیصلہ معتبر نہیں ہے۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا ارشد شاداب ☆

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جس طرح شوہر خود سے طلاق دے سکتا ہے اسی طرح کسی دوسرے کو اپنا نائب بھی بنا سکتا ہے، مثلاً شوہر کسی اجنبی سے کہتا ہے کہ میں تم کو اپنے بیوی کو طلاق دینے کا وکیل بنا تا ہوں اور وہ اجنبی طلاق دیدیتا ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی، اسی طرح بیوی سے کہتا ہے کہ تم خود پر طلاق واقع کر سکتی ہو اور وہ طلاق واقع کر لیتی ہے، تو طلاق واقع ہو جائے گی، اس کی اصل قرآن کی یہ آیت کریمہ ہے:

”یا ایہا النبی قل لأزواجک إن کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتھا فنتعالن أمتعنک وأسرحکن سراحاً جمیلاً، وإن کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الآخرة فإن اللہ أعد للمحسنات منکن أجراً عظیماً“ (سورۃ الاحزاب: ۲۸-۲۹)۔

(اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرمادیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی (کا عیش) اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ مال و متاع دنیوی دیدوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے)۔

اس آیت کے تحت صاحب احکام القرآن حنفیہ کا متفقہ مسئلہ بیان کرتے ہوئے لکھتے

☆ المعهد العالی للتدریب فی القضاء والاقاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پشہ۔

ہیں: ”إن اختارت زوجها فلا شيء وإن اختارت نفسها فواحدة بائنة إذا أراد الزوج الطلاق“ (احکام القرآن للجصاص ۳/۲۶۹)۔

(اگر عورت اپنے شوہر کو اختیار کر لے تو کوئی طلاق واقع نہ ہوگی اور اگر اپنے نفس کو اختیار کرے تو ایک طلاق بائن پڑے گی بشرطیکہ شوہر نے طلاق کی نیت کی ہو)۔

مصنف ابن شیبہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے موقوفاً منقول ہے کہ: ”إذا خير الرجل امرأته فاختارت نفسها فواحدة بائنة وإن اختارت زوجها فلا شيء“ (مصنف ابن شیبہ ۹/۵۸۳ مطبوعہ پاکستان کراچی)۔

اس سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق تفویض کرتا ہے اور بیوی اختیار کر لیتی ہے تو بیوی پر ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے، کیا اجنبی شخص کو بھی طلاق تفویض کیا جاسکتا ہے، اور وکیل طلاق بنایا جاسکتا ہے، تو مبسوط میں ہے:

”إذا قال لأجنبي: طلق إمرأتي فإن ذلك توكيل والتوكيل لا يتوقف بالمجلس ولو قال طلقها: إن شئت كان ذلك على المجلس عندنا، لا يملك الإيقاع بعد قيامه عن المجلس“ (مبسوط ۲۰۲-۲۰۳)۔

(اگر اجنبی شخص سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق دیدو تو یہ توکیل ہے اور توکیل مجلس تک محدود نہیں ہوتی ہے اور اگر کہا کہ اگر تم چاہو تو طلاق دیدو تو یہ ہمارے نزدیک مجلس تک ہی محدود رہے گا اور مجلس سے اٹھنے کے بعد ایقاع طلاق کا مالک نہیں ہوگا)۔

اس عبارت سے پتہ چلا کہ بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا بنیادی طور پر توکیل ہے اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے، لیکن اگر تیسرے شخص کے چاہت و مشیت پر طلاق کو موقوف کر دیا جائے تو توکیل کے بجائے تفویض ہے، اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا، قنوی ولو لاجبیہ میں ہے: ”لو قال لأجنبي: طلقها إن شئت كان تمليكا حتى

اقتصر على المجلس ولا يقبل الرجوع فيه“ (فتاویٰ ولولہ الجیہ ۹۶/۲)۔

(اجنبی شخص سے اپنی بیوی کے بابت کہے کہ اگر چاہو تو اسے طلاق دیدو یہ تملیک ہے جو مجلس تک رہے گی اور اس میں رجوع نہیں ہو سکتا ہے)۔

فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ اختیار صرف مجلس تک ہی محدود رہے گا، مجلس کے بعد کوئی اختیار باقی نہیں رہے گا، کیونکہ شرط کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ عموم کو نہیں بتاتا ہے، اگر ”ان شئت“ کے بجائے متی شئت (جب بھی چاہے) کہا جائے تو بعد از مجلس بھی اختیار باقی رہے گا، لہذا اس درخواست کو تفویض مان لیا جائے گا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک غیر مسلم کو تفویض درست ہے یا نہیں؟

میرے خیال میں غیر مسلم کو بھی کوئی چیز تفویض کی جاسکتی ہے اور اس کو کسی معاملہ میں وکیل بنایا جاسکتا ہے، ہندیہ میں ہے:

”إذا وكل المسلم أو الذمي حربيا مستأمنًا في دار الإسلام بخصوصة أو بيع أو غير ذلك جاز“ (ہندیہ ۵۶۳/۳)۔

امام بخاری نے غیر مسلم کے وکالت کے جواز پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے، جس سے صراحتاً پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم کو وکیل بنانا درست ہے، چنانچہ امام بخاری نے باب قائم کیا ہے:

”إذا وكل المسلم حربيا في دار الحرب أو في دار الإسلام“ ”عن عبد الرحمن بن عوف“ قال: كاتبت أمية بن خلف كتابا بأن يحفظني في صياغتي بمكة، وأحفظه في صياغته بالمدينة“ (بخاری: کتاب الوکالۃ، رقم الحدیث ۲۶۳۶)۔

(جب مسلمان کسی حربی کو دار الحرب یا دار الاسلام میں وکیل بنائے تو یہ وکیل بنانا جائز ہے، عبد الرحمن بن عوف سے مروی ہے کہ میں نے امیہ بن خلف کو ایک خط لکھا کہ وہ مکہ میں

میرے اہل و عیال کی حفاظت کرے، میں مدینہ میں اس کے اہل و عیال کی حفاظت کروں گا۔
اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن ملقن تحریر فرماتے ہیں:

”وما ترجم البخاری لائح، وهو جواز توکیل المسلم الحریمی المستامن وكذا توکیل الحریمی المستامن المسلم“ (التوضیح لابن ملقن ۱۵/۱۶۲ مطبوعہ قطر)۔

(امام بخاری نے جو ترجمہ الباب باندھا ہے وہ بہت ہی مناسب ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان کے لئے حربی مستامن کو وکیل بنانا جائز ہے، اسی طرح حربی مستامن مسلمان کو وکیل بنا سکتا ہے)۔

عمدۃ القاری میں ہے: ”قال ابن المنذر: توکیل المسلم حربیا مستامنا ونوکیل الحریمی المستامن مسلما لاخلاف فی جوازہ“ (عمدۃ القاری ۱۸/۶۷۱)۔
ان تمام عبارتوں سے واضح ہو گیا کہ غیر مسلم کو اپنا معاملہ تفویض کرنا اور اپنا وکیل بنانا درست و جائز ہے۔

غیر مسلم حج کو حکم بنانا:

اگر غیر مسلم عدالت کا حج بھی غیر مسلم ہے تو پھر اس کو مسلمانوں کے حق میں حکم بنانا درست نہیں ہوگا، کیونکہ فقہاء نے حکم میں ”اسلام“ کی شرط لگائی ہے، جو یہاں مفقود ہے۔ چنانچہ معین الحکام میں ہے:

”کل من تقبل شهادته فی امر جاز ان یکون حکما ومن لا فلا بان حکم عبداً، ذمیا او صبیاً ثم أسلم او اعتق او بلغ الصبی ثم حکم لم یجز“ (معین الحکام: ۵۲)۔

(ہر وہ شخص جس کی گواہی کسی معاملہ میں قبول کی جاسکتی ہے وہ شخص اس معاملہ میں حکم

بھی بن سکتا ہے، جو گواہ نہیں بن سکتا اس کو حکم بنانا بھی درست نہیں ہے۔ اگر فریقین نے کسی غلام، غیر مسلم یا نابالغ کو حکم بنایا، پھر کافر اسلام لے آیا، غلام آزاد ہو گیا اور بچہ بالغ ہونے کے بعد فیصلہ کیا تو یہ فیصلہ درست نہیں ہوگا۔

اس سے پتہ چلا کہ غیر مسلم کو حکم نہیں مان سکتے ہیں، کیونکہ اس میں ”حکم“ بننے کے شرائط میں سے ایک اہم شرط اسلام موجود نہیں ہے، البتہ اس درخواست کو تفویض و توکیل مان کر غیر مسلم حج کے فیصلہ کو معتبر قرار دیا جاسکتا ہے۔

۲- عورت درخواست کے ذریعہ رشتہ نکاح ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے اور عدالت اس پر شوہر سے دستخط لیتی ہے کہ طلاق کے سلسلے میں عدالت کا جو فیصلہ ہوگا وہ ہم کو منظور ہوگا اور کارروائی کے بعد عدالت جدائیگی کا فیصلہ کرتی ہے تو یہ فیصلہ درست ہوگا، اور اس کو طلاق سمجھا جائے گا، اور شوہر کے دستخط کو توکیل طلاق مان کر عورت پر ایک طلاق واقع ہوگی، گویا یہ طلاق خود شوہر نے اپنی بیوی کو دی ہے۔ جیسا کہ گذشتہ عبارتوں سے وضاحت ہو چکی ہے۔

۳- اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا، فقہاء کے یہاں اس سلسلے میں ضراحت موجود ہے، اس لئے غیر مسلم حج کی طرف سے فسخ نکاح کر دیا جائے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ ایک بار نکاح وجود میں آ جانے کے بعد پھر شوہر ہی اس رشتہ کو ختم کرنے کا اختیار رکھتا ہے، لیکن چونکہ قاضی کو مسلمانوں پر عمومی ولایت حاصل ہوتی ہے، اس لئے وہ بحیثیت ولی عورت سے ظلم دفع کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ اور اس بات پر اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اگر باپ (نعوذ باللہ) مرتد ہو جائے تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك

فليس من الله في شيء إلا أن تتقوا منهم تقية“ (آل عمران: ۲۸)۔
اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“ (نساء: ۱۳۱)۔
امام ابو بکر صاں اس آیت کے تفسیر میں لکھتے ہیں:

”واقضت الآية النهی عن الاستنصار بالكفار والاستعانة بهم
والركون إليهم والثقة بهم وهو يدل على أن الكافر لا يستحق الولاية على
المسلم بوجه كان أو غيره“ (احکام القرآن للجصاص ۲/۳۶۵)۔

(آیت میں کفار سے استعانت و طلب کرنے اور ان پر بھروسہ و اعتماد کرنے سے
منع کیا گیا ہے، اس سے پتہ چلا کہ کافروں کو مسلمانوں پر کسی بھی صورت میں ولایت حاصل نہیں
ہو سکتی)۔

بدائع الصنائع میں ہے:

”الصلاحية للقضاء لها شرائط: منها العقل والبلوغ والإسلام والحرية
..... فلا يجوز تقليد المجنون والصبي والكافر والعبد“ (بدائع الصنائع ۵/۳۳۸)۔

(یعنی اہلیت قضاء کے لئے چند شرطیں ہیں اور وہ یہ ہیں: عقل، بلوغ، اسلام اور آزاد
ہونا لہذا پاگل، نابالغ، کافر اور غلام کو منصب قضاء سپرد کرنا جائز نہیں ہے)۔

شامی میں ہے:

”قوله أهله الشهادة: أن شروط الشهادة من الإسلام والعقل والبلوغ
والحرية“ (شامی ۸/۲۳)۔

(قضاء کا اہل وہی ہے جو شہادت کا اہل ہے اور شہادت کے شرائط میں سے یہ ہے کہ
مسلمان ہو عاقل ہو بالغ ہو اور آزاد ہو)۔

قضاء کی مشہور کتاب معین الحکام میں ہے:

”کل من صلح شامدا صلح قاضیا ومن لا فلا“ (معین الحکام ۲۵)۔

(ہر وہ شخص جو گواہ بن سکتا ہے وہ قاضی بھی بن سکتا ہے اور جو گواہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے وہ قاضی بھی نہیں بن سکتا ہے)۔

ان تمام عبارتوں سے پتہ چلا کہ غیر مسلم مسلمانوں کے حق میں قاضی نہیں بن سکتا، اس لئے غیر مسلم حج کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہ ہوگا۔

چنانچہ شامی میں ہے: ”وبه علم أن تقلید الکافر صحیح، وإن لم یصح قضاؤه علی المسلم حال کفره“ (رد المحتار ۲۴/۸)۔

(اس سے پتہ چلا کہ کافر کو قاضی بنانا درست ہے، اگرچہ حالت کفر میں مسلمانوں کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں ہے)۔

لہذا عورت غیر مسلم عدالت میں تفریق کے لئے درخواست دیتی ہے، اور شوہر کے مرضی کے خلاف عدالت تفریق کر دیتی ہے تو عدالت کا یہ فیصلہ غیر معتبر ہوگا۔ خواہ وہ فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، اور وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح میں علیٰ حالہ باقی رہے گی۔ اب چونکہ عورت غیر اسلامی عدالت سے رجوع نہیں کر سکتی ہے اور وہاں کوئی اسلامی دارالقضاء بھی نہیں ہے تو اب چھٹکارا کی کیا صورت ہوگی؟

اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ شرعی کمیٹی قائم کی جائے جس میں کم از کم تین آدمی ہوں اور وہ احکام شرعیہ سے بھی واقف کار ہوں، تو یہ جماعت قاضی کے قائم مقام ہوگی، اور وہ مسلمانوں کے خصومات کا فیصلہ کر سکتی ہے، دوسری صورت نکاح کے وقت تفویض طلاق کی ہے، خواہ ایجاب و قبول ہی میں تفویض طلاق کر دیا جائے یا نکاح سے پہلے ہی تفویض پر معاہدہ ہو جائے اور کابین نامہ پر فریقین کے دستخط ہو جائیں۔

۴- اگر حج غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے؟ اس بارے میں اصل یہ دیکھنا ہے کہ غیر مسلم کسی مسلمان کو قاضی متعین کر سکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء کرام کی عبارتوں سے اس کی صراحت ملتی ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں کے لئے مسلم قاضی متعین کر سکتا ہے۔ اور وہ قاضی شرعی ہوگا اور اس کا کیا ہوا فیصلہ معتبر ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

”ولكن إذا ولي الكافر قاضيا ورضيه المسلمون صحت توليته بلا شبهة“ (رد المحتار، ۸/۴۴)۔

علامہ شامی فتح القدیر و بحر الرائق کے حوالہ سے اس مسئلہ پر بحث کرنے کے بعد آخر میں خلاصہ کلام تحریر کرتے ہیں:

”ثم أن الظاهر أن البلاد التي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغليب أو باتفاقهم عليه يكون ذلك الأمير في حكم السلطان، فيصح منه تولية القاضي عليهم“ (شامی، ۸/۴۴)۔

(خلاصہ کلام یہ کہ ایسے ممالک جو کسی سلطان کے تحت نہیں ہے بلکہ کافروں میں سے ہی مسلمانوں کا بھی امیر ہے خواہ غلبہ کے وجہ سے ہو یا لوگوں کے اس پر اتفاق کر لینے کی وجہ سے ہو تو ایسا امیر سلطان کے حکم میں ہوگا، چنانچہ اس کا مسلمانوں پر قاضی مقرر کرنا درست ہے)۔

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں مفتی کفایت اللہ صاحب لکھتے ہیں: ”ہاں! ضرورۃً انگریزی عدالتوں کے مسلم جج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتے ہیں غیر مسلم حکومت کی عدالت کے حاکم کا یہ فیصلہ درست ہوگا بشرطیکہ حاکم مسلمان ہو“ (کفایت المفتی، ۶/۱۳۴)۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی اسی کے قائل نظر آتے ہیں: ”حکومت کے علاقوں میں

جن مقامات پر شرعی قاضی نہیں ہیں ان میں وہ حکام، جج اور مجسٹریٹ وغیرہ جو کہ گورنمنٹ کے جانب سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور وہ قانونی شریعت کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ بھی شرعی قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے“ (الحلیۃ النازہۃ: ۶۰)۔

اور الدر المختار میں ہے:

”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كان كافرا“

(الدرمخ الرد ۸/۳۲)۔

(عادل اور ظالم و جابر حاکم اگرچہ کافر ہو اس کا قاضی مقرر کرنا درست و جائز ہے)۔
ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم حاکم کی طرف سے مقرر کردہ جج اگر مسلمان ہے تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ اگر وہ شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کرے تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

۵- غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلہ کر سکتے ہیں؟
سب سے پہلے ہم کو غیر مسلم عدالتوں کا جائزہ لینا ہوگا، کیونکہ ان کے یہاں جو قوانین مرتب و مروج ہیں اسی کے مطابق فیصلہ کریں گے، اس لئے قوی امکان ہے کہ عدالت نے اپنے فیصلہ کی بنیاد جن چیزوں پر رکھی ہو وہ کبھی اسلامی اصول و ضوابط سے ہم آہنگ ہوں گے اور کبھی متصادم ہوں گے۔

لہذا اگر حاکم نے ایسی شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کیا ہے جو شرعاً غیر معتبر ہیں تو وہ فیصلہ مسلمانوں کے حق میں نافذ نہیں ہوگا، اور فریقین کے لئے اس سے استفادہ کرنا شرعی طور پر ناجائز ہوگا، جیسا کہ بخاری میں ہے:

”من قضی له بحق أخیه فلا يأخذہ فإن قضاء الحاکم لا یحل حراما“

ولایحرم حلالاً“ (رواہ البخاری ۲/۱۰۶۳)۔

(جس کے لئے اس کے بھائی کے حق کا فیصلہ کر دیا گیا تو وہ اس کو نہ لے کیونکہ حاکم کا فیصلہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا ہے)۔

لیکن جن فیصلوں کی بنیاد ایسی شہادتوں پر ہو جو شریعت کے نظر میں معتبر ہو، تو اب مقدمات دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن میں محض سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے، قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے، تو ایسے معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا، جن امور میں سبب شرعیہ کا پایا جانا کافی نہیں ہے بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر نہیں ہے۔ پہلے مقدمہ کی مثال مورث کی موت سے وراثت کے لئے میراث کا حق اور خرید و فروخت کی وجہ سے بیع پر خریدار کی ملکیت وغیرہ اور دوسرے مقدمہ کی مثال فسخ نکاح کا معاملہ ہے، اس میں محض اسباب فسخ کا پایا جانا کافی نہیں ہے بلکہ قضاء قاضی بھی ضروری ہے (بحث و نظر: شمارہ ۵۱)۔

خلاصہ بحث:

۱- طلاق شوہر کا حق ہے جس طرح شوہر خود طلاق دے سکتا ہے اسی طرح بیوی کو طلاق تفویض کر سکتا ہے اور دوسرے کو اپنے بیوی پر طلاق واقع کرنے کا وکیل بھی بنا سکتا ہے، اگر یہ دوسرا شخص اس کی بیوی کو طلاق دیتا ہے یا بیوی تفویض کو اختیار کر لیتی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی۔

۲- اگر اجنبی شخص کے مشیت پر معلق کر دے تو یہ تفویض ہے شوہر اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے لیکن یہ مجلس تک محدود رہے گا، البتہ اگر عام لفظ استعمال کیا گیا ہے تو مجلس کے بعد بھی اختیار رہے گا۔

۳- غیر مسلم کو وکیل بنانا درست ہے، لہذا شوہر کے عدالت میں داخل کردہ درخواست کو تفویض و توکیل مانا جائے گا، اس طرح غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر ہوگا۔

۴- غیر مسلم بچ کو حکم ماننا درست نہیں ہے کیونکہ حکم بننے کے لئے اسلام شرط ہے جو یہاں مفقود ہے۔

۵- شوہر کے دستخط کو وکالت مان کر عورت پر ایک طلاق واقع کر دی جائے گی۔

۶- عورت غیر مسلم عدالت میں تفریق کے لئے درخواست دیتی ہے اور شوہر کی مرضی کے خلاف عدالت تفریق کر دیتی ہے تو عدالت کا یہ فیصلہ غیر معتبر ہوگا، خواہ وہ فیصلہ اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔

۷- اگر تفریق کی ضرورت پڑ جائے اور کوئی مسلم قاضی نہ ہو تو شرعی کمیٹی یا نکاح کے وقت تفویض طلاق کے ذریعہ علیحدگی اختیار کی جاسکتی ہے۔

۸- غیر مسلم حاکم کی طرف سے مقرر کردہ مسلم بچ ”مسلم حاکم و قاضی“ کے مرتبہ میں مانا جاسکتا ہے اگر وہ شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کرے تو مسلمانوں کے حق میں اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔

۹- اگر مقدمہ ایسا ہے جن میں صرف سبب شرعی کا پایا جانا کافی ہے اور قاضی کا حکم ضروری نہیں ہے تو ایسے معاملات میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا۔ جن امور میں سبب شرعی کا پایا جانا کافی نہیں ہے بلکہ قاضی کا حکم بھی ضروری ہے تو ان میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

۱۰- جہاں غیر مسلموں کا غلبہ ہے وہاں رہنے والے مسلمانوں سے ایک ہمدردانہ اپیل یہ ہے کہ وہ امارت شرعیہ کے قیام کی کوشش کریں۔



بصیرت فقہی تحقیقات

تیسرا باب

منتصر تلویزیر

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ

مفتی شیری علی گجراتی ☆

شریعت اسلامیہ نے رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کا حق شوہر ہی کو دیا ہے، شوہر کے علاوہ کسی اور کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت ہی میں حاصل ہوتا ہے، پس اگر یہ نیابت مسلمان حاکم کو حاصل ہو تو اس کے فیصلہ کا اعتبار شرعاً متفق علیہ ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ حاکم مسلمان نہ ہو تو پھر شرعاً اس کا فیصلہ معتبر ہوگا یا نہیں؟

رشتہ نکاح کے انقطاع کی مختلف صورتیں سوالنامہ میں مذکور ہیں، ہر شکل کا حکم جداگانہ لکھا جاتا ہے:

۱- اگر غیر مسلم عدالت میں شوہر اپنے رشتہ نکاح کے انقطاع کی درخواست دیتا ہے اور پھر عدالت ضابطہ کی کارروائی کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کرتی ہے تو عدالت کے اس فیصلہ کا اعتبار نہ ہوگا، شوہر سے کہا جائے گا کہ اگر وہ فرقت کا خواستگار ہے تو وہ از خود اپنے رشتہ نکاح کو ختم کر دے، اس کو اس سلسلہ میں عدالت کا سہارا لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

۲- دوسری صورت کہ جس میں عورت اپنی طرف سے غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، چنانچہ عدالت شوہر کو بلاتی ہے اور اس سے اس بات پر دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ عدالت کی طرف سے کیا جائے گا تم کو منظور کرنا ہوگا، پھر باضابطہ کارروائی کے

☆ فلاح دارین، ترکیسر، گجرات۔

مختصر تحریریں

بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے، اس شکل میں جبکہ شوہر فرقت کے لئے دستخط پر رضامند ہے تو صرف اس کا دستخط کرنا کافی نہیں سمجھا جائے گا بلکہ شوہر کو چاہئے کہ وہ از خود زبان سے طلاق دے کر رشتہ نکاح کو ختم کر دے۔

۳- تیسری صورت کہ جس میں عورت کی طرف سے فرقت کی درخواست دی گئی اور عدالت نے شوہر کو بلایا لیکن وہ حاضر نہ ہوا یا حاضر تو ہوا لیکن دستخط و تفویض کے لئے تیار نہ ہوا، عدالت نے اس کے باوجود حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو عدالت کا یہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا، اس لئے کہ فرقت و طلاق کا یہ حق شریعت کی طرف سے شوہر ہی کو دیا گیا ہے، جب شوہر رضامند نہیں ہے تو عدالت کی طرف سے فرقت کا فیصلہ معتبر نہ سمجھا جائے گا۔

رہا سوال یہ کہ پھر عورت اپنے اس مسئلہ کا حل کیسے نکالے، اس لئے کہ بعض اوقات شوہر کی طرف سے اس کے حقوق کی ادا نیگی نہیں ہوتی ہے اور وہ فرقت چاہتی ہے۔

اس قسم کے مسائل کے حل کے لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ خود اپنے درمیان کسی مسلمان کو والی مقرر کریں اور مسلم پرسنل قوانین میں اس کے ذریعہ سے تمام مسائل حل کئے جائیں، چنانچہ وہی قاضی مقرر کرے گا، امام و شرعی پنچایت کا انتظام کرے گا، اس طرح حاکم دوالی کے ذریعہ مسلمانوں کے تمام مسائل کو حل کیا جائے گا، بہر حال فرقت و طلاق، نکاح وغیرہ اسلامی پرسنل قوانین میں کسی غیر مسلم کا فیصلہ معتبر نہ سمجھا جائے گا۔

مشہور فقیہ علامہ ابن عابدین شامی رقم طراز ہیں:

”وفی الفتح: إذا لم یکن سلطان ولامن یجوز التقلد منه کما هو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبة الآن، یجب علی المسلمین أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیاً فیولی قاضیاً ویکون هو الذی یقضی بینہم وکذا ینصبوا اماماً یصلی بہم الجمعة ۵. وهذا هو الذی تطمنن إلیہ

النفس فلیعتمد نہر“ (شامی ۸/۳۴-۳۳: ذکر یاد یومئذ)۔

(جب کسی جگہ نہ سلطان ہو اور نہ ایسا شخص ہو کہ جس کے ذریعہ قضاء وغیرہ کی ذمہ داری قبول کی جاسکتی ہو، جیسے قریبہ وغیرہ کہ وہاں پر کفاروں کا غلبہ ہے تو اس صورت حال میں مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے درمیان کسی کو والی مقرر کریں کہ پھر وہ شخص کسی کو قاضی مقرر کرے گا اور پھر وہی قاضی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، اسی طرح ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ امام متعین کریں کہ وہ ان کو جمعہ کی نماز پڑھائے (انتہی) نیز انہر الفائق سے نقل کیا ہے کہ یہی رائے جی کو لگتی ہے چنانچہ اسی پر اعتماد کیا جائے گا)۔

۴- چوتھی صورت کہ جس میں حج اگرچہ غیر مسلم عدالت کا ہو لیکن وہ مسلمان ہو تو کیا اس کے فیصلہ کا اعتبار ہوگا؟

اس سلسلہ میں جبکہ غیر مسلم عدالت کا حج مسلمان ہو تو دیکھا یہ جائے گا کہ اس مسلمان حج کا فیصلہ مذہبی قانون کی رو سے درست ہے یا نہیں؟

اگر مذہبی قانون کی رو سے درست ہو تو اس کا فیصلہ معتبر سمجھا جائے گا، لیکن اگر قوانین کی رو سے شریعت کے خلاف ہو تو اس کا یہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

رہی یہ بات کہ غیر مسلم عدالتیں اور حکام کس حد تک مسلمانوں کے معاملات میں فیصلے کر سکتے ہیں، یا کس حد تک ان کے فیصلوں کا اعتبار مسلمان کر سکتے ہیں؟

جیسا کہ یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ اس وقت زیادہ تر حکومتیں جمہوری ہیں اور وہ حکومتیں مفاد عامہ کو ملحوظ رکھ کر قوانین وضع کرتی ہیں، چنانچہ ان کے فیصلے اور قوانین امور دنیویہ میں معتبر ہوں گے بشرطیکہ وہ شرعی قوانین سے متصادم نہ ہوں۔

اور اگر وہ متصادم ہوں تو پھر ایسے مسائل کا حل شرعی عدالتوں کے ذریعہ کیا جائے گا۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا زہرا احمد قاسمی ☆

عنوان بالا سے متعلق پہلے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر جسے شریعت نے بنفس خود طلاق دیکر بیوی کو جدا کر دینے کا حق دیا ہے، اپنی کسی مصلحت یا مجبوری کے تحت خود طلاق نہ دیکر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں اپنے رشتہ نکاح کو ختم کرنا چاہتا ہوں، لہذا میرے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے تو اس صورت کا کیا حکم ہوگا؟ الی آخرہ۔

میرے خیال میں چونکہ تحکیم میں اولاً رضاء فریقین ضروری ہے ثانیاً کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کو اپنا حکم بنا ہی نہیں سکتا، چنانچہ فقہاء کی صراحت ہے: "لأن المحکم بمنزلہ القاضی فیما بینہما فتشترط اہلیۃ القضاء فلا یجوز تحکیم الکافر" (ہدایہ ثالث ۱۲۷)۔

اس لئے مذکورہ بالا صورت میں درخواست دینے کو تحکیم تو نہیں کہا جاسکتا، ہاں اس کو تفویض و توکیل کہا جاسکتا ہے، کتب فقہ میں "التوکیل صحیح لرجل کافر و مرتد" جیسی عبارت موجود ہے اور پھر یہ بھی مسلم ہے کہ تفویض طلاق اگر خود بیوی کو کیا جائے تو یہ تملیک طلاق ہو کر مجلس کے ساتھ مقید ہو جاتی ہے لیکن کسی مرد ثالث کو کیا جائے تو یہ توکیل طلاق ہو کر مقید بائجلس بھی نہیں ہوتی ہے، اس طرح صورت مسئلہ میں اس غیر مسلم حج کا فیصلہ نافذ قابل اعتبار ہوگا۔

☆ ناظم جامعہ اشرف العلوم کہواں، بیتا مزہمی۔

دوسرے سوال کا حاصل یہ ہے کہ غیر مسلم عدالت میں بیوی ہی درخواست دیتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے اور عدالت شوہر کو بلا کر کہتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور اس پر شوہر سے دستخط لے لیتی ہے اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے تو اس فیصلہ کا کیا حکم ہوگا؟ اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

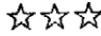
اس صورت حال کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ جب شوہر علی الاطلاق ہر فیصلہ کی منظوری دیکر اپنا دستخط کر دیتا ہے تو اسکی حقیقت و حیثیت یوں نکلے گی کہ شوہر اس رفع نزاع کی ہر متوقع صورت خواہ بشکل تفریق و علاحدگی ہی ہو اس کا مکمل اختیار اور علی الاطلاق حق حاکم کو دیکر گویا تفویض تفریق تک بھی کر دیتا ہے، اس لئے جب حاکم کارروائی کے بعد رفع نزاع کو تفریق و علیحدگی میں مضمحل جان کر علیحدگی کا فیصلہ کر دے گا تو یہ بھی نافذ و قابل اعتبار ہوگا اور شوہر کو تسلیم کرنا ہوگا کیونکہ اس نے پہلے ہی علی الاطلاق ہر فیصلہ کو تسلیم کرنے کا دستخط جو مضمحل تو کیل و تفویض فرقت تھا، کر کے التزام تسلیم بھی کر چکا ہے۔

تیسری صورت جس میں عورت کی درخواست تفریق کے بعد شوہر عدالت میں آیا ہی نہیں آیا بھی تو حاکم کے ہر فیصلہ کو تسلیم کرنے کا نہ التزام کیا نہ منظوری کا دستخط کیا اور حاکم کے فیصلہ تفریق کے بعد بھی اسے تسلیم کرنے پر آمادہ بھی نہیں تو چونکہ اس صورت میں شوہر کی طرف سے ضمناً بھی تفریق کی تفویض و توکیل نہیں پائی گئی، اس لئے غیر مسلم حاکم کا فیصلہ تفریق نا قابل اعتبار اور غیر نافذ ہوگا۔

جب ہمارے بعض اکابر مثلاً حضرت اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ اور حسین احمد مدنی علیہم الرحمہ وغیر ہم تقلید قضا من الکافر کے جواز و صحت کی طرف رجحان رکھتے تھے تو اس بنیاد پر غیر مسلم حکومت کا متعین کردہ حج اگر مسلمان ہے تو اسکو مسلم قاضی و حاکم کا درجہ دیا جاسکتا ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار ہو جانا چاہئے۔

ہمارے خیال میں نزاع کی ہر وہ صورت جس میں قضاء قاضی کو شرط کی حیثیت حاصل ہو، مثلاً خیابلوغ وخیار کفایت کی بنا پر فسخ نکاح والی صورت ہے تو اس میں کسی غیر مسلم حاکم و جج کے فیصلوں کا کسی مسلمان کو بالکل یہ اعتبار ہی نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے علاوہ دیگر نزاعی امور میں اگر فیصلہ مسلمان کے حق میں ہو مگر خلاف شرع ہو تب بھی فیصلہ کے مطابق مسلمانوں کے لئے عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ لیکن جب خلاف شرع فیصلہ مسلمان کے اوپر لاگو کیا جائے تو رفا للفساد اور فتنہ وفساد کے باب کو بند کرنے کی نیت سے اسی فیصلہ کو تسلیم کر لینے کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق و تفریق

مولانا محمد قاسم مظفر پوری ☆

غیر مسلم ممالک میں آباد مسلمان جن اہم شرعی مسائل سے دوچار ہیں، ان میں ایک اہم مسئلہ ان کے باہمی عائلی مسائل میں ان ممالک کی عدالت کے فیصلہ کی حیثیت کا ہے، فقہاء کی تصریحات کے مطابق زوجین کے درمیان طلاق و تفریق کے معاملہ میں قاضی شرعی کا فیصلہ ہی معتبر مانا جاسکتا ہے، جب کہ ان ممالک میں اسلامی نظام حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے قاضی شرع کا وہ تصور ہی ناممکن ہے جن کی تصریح فقہاء کرام نے کی ہے۔

اب لاکھوں کی تعداد میں بسنے والے ان ممالک کے مسلم باشندے اپنی ان عائلی مسائل میں کسی جماعت المسلمین یا شرعی امارت کے نہ ہونے کی وجہ سے ان ممالک کی عدالتوں کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ طلاق فسخ جیسے احکام صادر ہوتے ہیں، تو کیا طلاق و فسخ جیسے معاملات میں ان عدالتوں کا فیصلہ ایک شرعی فیصلہ سمجھا جائے گا، اور اس فیصلہ کی بنیاد پر زوجین کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔

زیر نظر مسئلہ میں غور و فکر سے پہلے بنیادی طور پر اس مسئلہ کی اصل بنیاد پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ قاضی شرع کے کیا شرائط ہیں، اس سلسلہ میں فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک قاضی کے لئے وہی شرائط ہیں، جو ایک گواہ کے ہیں، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: ”وما یشرط لاهلیة

☆ نائب صدر، المعهد العالی الاسلامی، امارت شرعیہ، پٹنہ۔

الشهادة يشترط لأهلية القضاء“ (ہدایہ ۱۱۲/۳)، یعنی جس شخص کے اندر گواہ بننے کی اہلیت ہے ایسا شخص قاضی بھی بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔

اب یہاں فقہاء کرام کے اس جزئیہ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کیا ایک غیر مسلم آدمی کی گواہی مسلمان کے حق میں قبول کی جاسکتی ہے، اور کسی واقعہ میں اگر مسلمان گواہ موجود نہ ہوں تو کیا غیر مسلم شخص کو گواہ بنایا جاسکتا ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی علیہم الرحمہ کے نزدیک غیر مسلموں کو گواہ بنانا مطلقاً ناجائز ہے، ان حضرات نے آیت قرآنی ”لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“ (النساء: ۱۳۱) سے استدلال کیا ہے، کہ گواہی ایک درجہ میں ولایت کی حیثیت رکھتی ہے اور کافروں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ آیت اس مسئلہ پر اس صریح نہیں ہے، چنانچہ عام طور پر مفسرین کرام نے اس آیت میں کافروں کی مسلمانوں پر بالادستی کے نہ ہونے سے ان کا مسلمانوں کو غلام بنانا مراد لیا ہے، علامہ قرطبی اس آیت کے ذیل میں یہی لکھتے ہیں: ”یريد الاسترقاق والملك والعبودية ملكا مستقرا دائما“ (الجامع الاحکام القرآن ۷/۱۹۰)۔

اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ اگر مسلمان گواہ موجود نہ ہوں تو ضرورتاً کافر کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے، ”وأجازها الحنابلة في السفر للضرورة إذا لم يوجد غيرهم وكذا في كل ضرورة حضراً وسفراً“ (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۶/۵۰۳)۔

امام احمد نے آیت قرآنی: ”يا أيها الذين آمنوا شهادة بينكم إذا حضر أحدكم الموت حين الوصية اثنان ذوا عدل منكم أو آخران من غيركم إن أنتم ضربتم في الأرض فأصابكم مصيبة الموت“ (المائدة: ۱۰۶) سے استدلال کیا کہ اس آیت قرآنی میں حالت سفر میں اگر کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو دو غیر مسلم شخص کو بھی اپنی وصیت پر گواہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، جس سے ضرورتاً کافر کا گواہ بنانا جائز معلوم ہوتا ہے۔

آیت قرآنیہ ”أو آخیران من غیر کم“ سے مراد غیر مسلم ہی ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس، سعید بن المسیب، شععی اور قاضی شریح سے منقول ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/۲۶۲)۔ بعض ائمہ کرام نے اس آیت کے منسوخ ہونے کی بات کہی ہے، مگر قول راجح یہی ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، یہی رائے حضرت ابن عباس اور حضرت حسن وغیرہ کی ہے (دیکھئے: الجامع لاحکام القرآن ۸/۲۶۲)۔

فقہ حنبلی کے دو بڑے امام شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی بھی یہی رائے ہے کہ ضرورتاً کافر کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

قال شیخنا ابن تیمیہ رحمہ اللہ وقول الإمام أحمد فی قبول شہادتهم فی هذا الموضوع (هو ضرورة) یقتضی هذا التعلیل قبولها فی کل ضرورة حضرا و سفرا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۶/۵۰۳)۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ضرورتاً کافر کو گواہ بنایا جاسکتا ہے اور فقہاء کی تصریحات کے مطابق جو شرائط اہلیت گواہ کے ہیں وہی قاضی کے بھی ہیں، تو یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ ضرورتاً غیر مسلم حج کا کیا ہوا فیصلہ بھی معتبر مانا جانا چاہئے، کیوں کہ ان ممالک میں مسلمان کا مضطر کے درجہ میں ہیں، اور اس اضطراری صورت حال میں غیر مسلم حج کا وہ فیصلہ جو اسلام کے اصولی احکام اور خصوصی مسائل کے خلاف نہ ہو ان پر عمل کرنا ان کے لئے ایک ضرورت ہوگی اور جسے اختیار کرنا ان کی مجبوری ہے۔

ان تفصیلات کے پیش نظر سوالنامہ میں مذکور سوالات کے جوابات حسب ذیل ہیں:

- ۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں رشتہ مناکحت کو ختم کرنے کی درخواست دے اور عدالت اس رشتہ کو ختم کرنے کا حکم جاری کر دے تو احوال و ظروف کی روشنی میں غیر مسلم حج کا یہ فیصلہ معتبر ہونا چاہئے۔

۲۔ اسی طرح اگر کوئی عورت علاحدگی کے لئے عدالت میں مقدمہ دائر کرے اور عدالت شوہر سے دستخط لے لے کہ وہ اس کے فیصلہ کو قبول کرے گا، پھر کارروائی کے بعد عدالت کا جو فیصلہ ہو اسے بھی معتبر مانا جانا چاہئے، اور وہ زوجین کا تسلیم کردہ فیصلہ کہا جاسکتا ہے۔

۳۔ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت نہیں آیا، یا تفویض حکم پر آمادہ نہیں ہوا اور عدالت نے جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا، جب بھی اس فیصلہ کو معتبر ہونا چاہئے، کیوں کہ دنیا کی تمام عدالتوں میں فی الجملہ انسانی حقوق کی حفاظت و رعایت رکھی گئی ہے، اس لئے یہی توقع کی جاتی ہے کہ عدالت کے اس فیصلہ میں بھی حق رسانی کا جذبہ کارفرما ہوگا، بس معاملہ یہاں پر عقدہ لاخیل بنا ہوا ہے کہ جملہ کاروائیاں اسلامی قانون عدالت کے مطابق ہوئی یا نہیں، پھر فیصلہ مسلمان قاضی کے ذریعہ انجام نہیں پایا، مگر عدالت کے اس فیصلہ کو قبول کرنا مسلمانوں کی مجبوری ہوگی، کیوں کہ اگر کوئی فریق اس فیصلہ کو مسترد کر دے اور عدول حکمی کرے تو اس کے نتیجے میں عدول حکمی کرنے والا وہ فریق ملکی قانون کے مطابق تادیبی و تعزیری سزاؤں سے بھی دوچار ہو سکتا ہے، آیت قرآنی: "إِلا أن تتقوا منهم تقاة" (آل عمران: ۲۸) سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب ہے کہ ان ممالک کے عدالتی نظام میں کارروائی کے کیا طریقے ہوتے ہیں، جب تک اس سلسلہ میں چند مسلوں کی تحریروں کا بغور مطالعہ نہ کر لیا جائے ان کے بارے میں مطابق شرع ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔

۴۔ غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا کوئی مسلمان جج اپنے فرائض کو انجام دیتا ہے، تو اس کی حیثیت مسلمان قاضی کی حیثیت جیسی ہو سکتی ہے گرچہ اسے مسلمان حاکم نے عہدہ قضاء سپرد نہیں کیا ہے، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "الحلیۃ الناجزہ" میں علامہ شامی کی ایک عبارت سے اس کی صراحت کی ہے، آپ لکھتے ہیں:

ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں تو معاملہ سہل ہے اور

گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے: ”لما فی الدر المختار ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والعاجز ولو كافر ا ذکرہ مسکین وغیرہ“ (الجلید: النازہ: ۴۵، ۴۶: مکتبہ رضی دہلوی)۔

- ۵- یہ احکام حالت اضطرار کے ہیں اس لئے اگر ممکن ہو تو طلاق و تفریق کے مقدمہ میں غیر مسلم جج کے کئے ہوئے فیصلے کی تصدیق کسی علماء کمیٹی کے سربراہان سے بھی کرا لینی چاہئے۔
- ۶- ان ممالک کے مسلم باشندوں کو چاہئے کہ وہ ایسے معاملات کے فیصلہ کے لئے حکومت سے یہ مطالبہ کریں کہ ان کے پرسنل لاء سے متعلق مقدمات کے فیصلہ کے لئے کسی مسلمان جج کی تعیین کی جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے عائلی مسائل سے متعلق مقدمات کا اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کر سکے، اور مسلمان ان جمہوری ممالک میں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزار سکیں۔



غیر مسلم ملکوں میں بذریعہ عدالت طلاق کا فیصلہ

مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی ☆

۱- ایسے ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ کتاب و سنت اور فقہاء کے بتلائے ہوئے ضابطہ کے مطابق قضائے شرعی کا نظام قائم کریں۔ بحث و نظر شمارہ ۲۶، ۱۹۹۳ء میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کا ایک تفصیلی مقالہ موجود ہے جس پر موصوف نے مالکی فقیہ ابن فرحون اندلسی کی تبصرۃ الحکام اور حنفی فقیہ علاء الدین خلیل طرابلسی کی معین الحکام کے حوالہ سے لکھا کہ جب امام اور سلطان موجود نہ ہوں یا کفار مسلمانوں کے ملک پر غالب آجائیں تو عام لوگوں کی جانب سے یا ارباب حل و عقد مسلمانوں کی طرف سے قاضی مقرر کرنا صحیح ہے، شافعی فقیہ صاحب فتح المعین اور امام ابوالحسن الماوردی، امام ابن الہمام کی بھی یہی رائے ہے (ص ۵۲۳)۔

پھر یہ کہ ہر ملک میں اقلیتوں کے لئے ان کا پرسنل لاء تو ہوگا ہی اس کے مطابق ان کے مقدمات و معاملات کا فیصلہ ہونا چاہئے۔ اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں اور غیر مسلم حاکم کو فتح نکاح وغیرہ کی ضرورت پیش آجائے تو مفتی کفایت اللہ صاحب اس کی بابت یوں فرماتے ہیں کہ سیکشن جج غیر مسلم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کر دے کہ وہ شرعی فیصلے کرے اور پھر سیکشن جج اسکے فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کر دے (کفایت المفتی ۱۳۲)۔

www.KitaboSunnat.com

☆ پرنسپل و شیخ الحدیث دارالعلوم ہنو۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ دونوں صورتیں موجود نہ ہوں اور جائین سے رشتہ ازدواج کے ختم کرنے پر رضامندی ہو تو شوہر کی یہ درخواست تحکیم و تقویض ہوگی ورنہ نہیں، کیوں کہ تحکیم ایک فریق کی طلب پر نہیں ہوتی (دیکھئے کفایت المفتی ۱۶/۱۵۳)۔ معلوم ہوا کہ تحکیم کے لئے ضروری ہے کہ فریقین کی جانب سے تحریری یا زبانی ایسا لفظ یا ایسا جملہ ہو جو ان دونوں کی رضامندی پر دال ہو۔ معلوم ہوا کہ یک طرفہ فیصلہ دائرہ تحکیم سے خارج ہوگا۔ صورت مسئلہ میں تحریر ”اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے“ اس کارروائی میں اگر عورت کی رضا بھی شامل ہے تو اسے تحکیم مانا جاسکتا ہے۔ غیر مسلم حج کے فیصلہ کی بابت علامہ ابن عابدین تحریر فرماتے ہیں:

”ولکن إذا ولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلا شبہة“ (رد المحتار علی الدرر ۸/۲۴۲)۔

(جب کافر نے مسلمانوں پر کسی کو قاضی بنایا اور مسلمان عہدہ قضا سے راضی ہوں تو یہ تولیت بلا شبہ درست ہو جائے گی)۔ مولانا تقی عثمانی صاحب رقمطراز ہیں: ”ولذالک قال الفقہاء: یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجاتر ولو کافرا الخ“ (تکملہ فتح المہم ۲/۵۳۸)۔

یورپی کونسل برائے تحقیق و افتاء کے پانچویں اجلاس کے فیصلوں میں سے ایک یہ بھی ہے: ”اصل تو یہ ہے کہ مسلمان اپنے فیصلوں کے سلسلہ میں کسی مسلمان قاضی یا اس کے نائب کی طرف ہی رجوع کر سکتا ہے، لیکن چونکہ اب تک غیر مسلم ممالک میں ایسی کوئی اسلامی عدالت موجود نہیں جہاں مسلمان اپنے مقدمات فیصل کر سکیں اس لئے ان غیر مسلم ممالک میں جس مسلمان نے یہاں کے قانون کے مطابق اپنا نکاح کیا ہے، اس کے لئے یہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ غیر مسلم قاضی کے فیصلہ طلاق کو نافذ کرے، کیوں کہ اس مسلمان شخص نے جب غیر اسلامی

قانون کے مطابق اپنا عقد نکاح کیا تو اس نے ضمناً اس قانون کے نتائج کو بھی قبول کر لیا جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس عقد کو صرف قاضی ہی توڑ سکتا ہے۔ اسے شوہر کی طرف سے غیر مسلم قاضی کو تفویض طلاق تصور کرنا ممکن ہے جو جمہور کے نزدیک شرعاً اس کے لئے جائز ہے اگرچہ اس نے اس کی صراحت نہ کی ہو، اس لئے کہ فقہی قاعدہ ہے: ”المعروف عرفاً كالمشروط شرطاً“ (جو چیز عرفاً معروف ہو، وہ شرط لگانے کی طرح ہے) اور غیر اسلامی عدالت کے فیصلے نافذ کرنا از روئے مصلحت و دفع مفسدہ و ازالہ مظلومیت جائز ہے جیسا کہ متعدد اکا بر علماء جیسے عز بن عبد السلام، ابن تیمیہ اور شاطبی نے ذکر کیا ہے (بحث و نظر شمارہ جنوری، فروری، مارچ ۲۰۰۱ء)۔

۲- عورت اگر شوہر سے الگ ہونا چاہتی ہے تو اس کے لئے احوط اور انسب یہ ہے کہ وہ شوہر کو خلع پر راضی کرے۔ بصورت دیگر عدالت کا شوہر کو بلا کر اس سے اس بات پر (جو فیصلہ ہوگا وہ تم منظور کرنا ہوگا) دستخط لے لینا اس کی رضامندی پر دال ہے، اسے تکلیف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور شوہر کے دستخط کی حیثیت تفویض کی ہوگی۔

۳- اگر قاضی خواہش نفس کا پھیر و کار نہ ہو، فیصلہ کرنے میں لوگوں کی رعایت نہ کرتا ہو حق اور دلائل و شواہد سے جو راجح ہو اس پر فیصلہ کرتا ہو، لالچی اور حریص نہ ہو، دوسری جانب اگر شوہر معصمت ہے اور وہ عدالت کی جانب سے نوٹس ملنے کے بعد حاضر نہیں ہوا یا ہو مگر دستخط پر راضی نہیں تو ایسی صورت میں قاضی کا فیصلہ قضاء علی الغائب کے قبیل سے ہوگا جس پر ائمہ فقہ کا اختلاف ہے پھر بھی فقہاء اس فتح کو نافذ مانتے ہیں:

”وفى نفاذ القضاء على الغائب روايتان عندنا فعلى القول بنفاذه

ليسوغ للحنفى أن يزوجهما من الغير بعد العدة“ (شامی ۷۱۳/۲، خیر القنادی ۱۷۰/۵)۔

عبارت محولہ سے معلوم ہوا کہ کسی مختلف فیہ مسئلہ میں اگر قاضی فیصلہ کر دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا اس لئے یہ نکاح فتح ہو گیا اور وہ عورت عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے شادی

کر سکتی ہے، قضاء علی الغائب مسئلہ مختلف فیہا ہے، جس کی وضاحت درج ذیل عبارت سے ہو رہی ہے:

”وعند الشافعی حضرة المدعی علیہ لیست بشرط لسماع الدعوی
والیئنة والقضاء فیجوز القضاء علی الغائب عنده وعندنا لایجوز (بدائع الصنائع
۳۲۲/۵)۔

حضرت امام بخاری قضاء علی الغائب کے جواز کے قائل ہیں، حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی جواز کا قول کیا ہے اور استدلال میں حضور اکرم کا قول ابو سفیان کی بیوی ہند سے ”خذی مایکفیک وولدک“ کو پیش فرمایا۔ جبکہ بیشتر حضرات اسے فتویٰ کے باب سے قرار دیتے ہیں (اعلاء السنن ۱۵/۱۰۷)۔

مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی ”اسلامی عدالت“ (۳۸۳) پر لکھتے ہیں کہ اگر مدعی علیہ مقدمہ کی اطلاع سے گریز کرے اسے رفع الزام سے عاجز تصور کرتے ہوئے قاضی مقدمہ کی سماعت کرے گا اور فیصلہ بھی۔

۴- جب غیر مسلم حکومت میں ارباب حل و عقد کے استصواب رائے سے قضائے شرعی کا نظام قائم کیا جاسکتا ہے اور وہ معتبر قرار پاتا ہے تو پھر ایسے مسلم حاکم و قاضی کا فیصلہ فرقت کیوں درست نہ ہوگا جسے غیر مسلم حکومت نے مقرر کیا ہے بشرطیکہ اس مسلمان قاضی و حاکم کا فیصلہ حدود شرع میں رہ کر ہو۔ بندہ کے نزدیک اس مسئلہ میں اسے مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دیکر فرقت کے فیصلہ کو درست قرار دیا جانا چاہئے۔

اس کی تائید فتاویٰ دارالعلوم (۱۳۸/۸) سے بھی ہو رہی ہے: ”اور حاکم عدالت جو کہ مسلمان ذی اختیار ہو جیسے حج وغیرہ ان کو بھی حکم قضاء کا اس بارے میں (یعنی فسخ میں) دیا گیا ہے کہ ان کا فیصلہ معتبر ہوگا۔“

فتاویٰ محمودیہ (۳۵۵/۹) پر ہے: ”کسی مسلم حاکم سے باقاعدہ نکاح فسخ کرایا جائے“ اسی طرح غیر مسلم ممالک کے مسلمان جج سے متعلق آپ کے مسائل اور ان کا حل (۴۰۰/۵) پر ہے: ”اگر عدالت معاملہ کی پوری چھان بین اور گواہوں کی شہادت کے بعد اس نتیجہ پر پہنچی کہ عورت واقعی مظلوم ہے اور شوہر اس کے حقوق ادا نہیں کر رہا ہے اور عدالت کے حکم کے باوجود وہ طلاق دینے پر راضی نہیں تو اس کا تنسیخ نکاح کا فیصلہ صحیح ہے“۔

مولانا کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اور اس کے فیصلہ سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہو سکتا اور جہاں قاضی شرعی نہیں وہاں پر وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو حکومت کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے مطابق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور جہاں وہ بھی نہ ہوں تو وہاں مسلمانوں کی پنچایت کو بھی کچھ شرائط کے ساتھ نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے (حاشیہ کفایت المفتی ۱۶۷/۱)۔

حاکم جو گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے اگر وہ مسلمان ہے تو قائم مقام قاضی ہو جاتا ہے کما صرح بہ فی الدر المختار: ”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کان کافراً“ (فتاویٰ دارالعلوم ۱۳۸/۸)۔

۵- وہ مسائل جن میں مسلم و غیر مسلم مساوی ہوں جیسے معاملات یعنی بیع و شراء، ہبہ، وصیت، ہنگ عزت اور تعزیر مالی و تعزیر جسمانی، نزاعات مالی (منقولہ و غیر منقولہ) جس و قیود وغیرہ میں غیر مسلم عدالتیں فیصلے کی مجاز ہیں۔ اور جن امور میں دونوں باہم مساوی نہیں جیسے طلاق، عتاق، حضانت، وراثت وغیرہ ان میں غیر مسلم عدالتیں اور حکام کسی عالم دین کو مکلف بنائیں گے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کر دے اور پھر غیر مسلم سیشن جج اس کے فیصلہ کو نافذ کر دے جیسا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی تحریر ماقبل میں پیش کی جا چکی ہے۔

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

۱- شوہر طلاق دینے کا غیر مسلم کو وکیل بنا سکتا ہے اور وکیل ہونے کی حیثیت سے شوہر کی طرف سے غیر مسلم طلاق دے سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

”لو ارتد الوکیل والعیاذ باللہ کان علی الوکالة“ وکیل مرتد ہونے کے بعد

بھی وکالت پر برقرار رہے گا (فتاویٰ عالمگیری ۴/۳۰۹)۔

غیر مسلم عدالت میں شوہر نے درخواست دیکر گویا اپنی طرف سے غیر مسلم بیچ کو وکیل بنا دیا لہذا غیر مسلم بیچ زوجین کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کرے گا تو وہ شوہر کی طرف سے طلاق ہی مانی جائے گی اور شرعی طلاق معتبر ہوگی۔

۲- مفتی محمود حسن گنگوہی نے تحریر فرمایا ہے کہ مرد اگر حاکم وقت کے سامنے درخواست پیش

کرتا ہے یا مطبوعہ فارم پر سمجھ کر بغیر جبر و اکراہ کے دستخط کر دیتا ہے جس میں یہ لکھا ہوتا ہے کہ مذکورہ نکاح فسخ کر دو تو اس صورت میں حاکم وقت کو مرد اپنا وکیل بنا تا ہے کہ وہ اس کا وکیل بن کر اس کی تکمیل کرے اور اس کا جو نکاح مسأمة کے ساتھ ہے اس کو فسخ کرے یا طلاق دیدے اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا اور شرعی طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ غیر مسلم کو بھی وکیل بنا کر اس طرح کا کام کرانا درست ہے (اسلامی قانون نکاح و طلاق ۱۵۰)۔

☆ مرکز دعوت و ارشاد و افتاء ناظم جامعہ خیر العلوم، نور محل روڈ، بھوپال۔

۳- مفتی محمود صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے: اگر عورت عدالت میں جس کا حاکم غیر مسلم ہو طلاق یا فسخ نکاح کے لئے رجوع کرے اور حج اس کی درخواست پر اپنے قانون کے مطابق فسخ نکاح یا طلاق کا حکم نافذ کرے تو اس سے شرعاً طلاق واقع نہ ہوگی، اور دونوں کے درمیان ازدواجی تعلقات ختم نہ ہوں گے، کیونکہ عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار شریعت نے نہیں دیا، لہذا اس کام کے لئے اس کا وکیل بنانا یا غیر اسلامی قانون کا سہارا لینا درست نہیں (قانون نکاح و طلاق ۱۵۱)۔

۴- مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے: آپ عدالت میں مقدمہ کر کے اس لڑکی کا نکاح فسخ کرالیں اگر مسلمان حج نکاح فسخ کرے تو وہ کافی ہے اور غیر مسلم حج نکاح فسخ کرے تو پھر مسلمان پنچایت سے بھی نکاح فسخ کرایا جائے، اس کے بعد لڑکی آزاد ہوگی (کفایت المفتی ۱۳۴/۶)۔

عورت کو لازم ہے کہ کسی مسلمان مجسٹریٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے خواہ جدید فیصلہ حاصل کر لے یا فیصلہ سابق کی اس سے سمفید کرالے اس کے بعد نکاح باقی کر سکے گی (کفایت المفتی ۲۳۶/۶)۔

۵- شامی میں ہے: ”ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضائہ علی المسلم حال کفرہ“ (کافر کو فیصلہ کرنے کا ذمہ دار بنانا صحیح ہے، اگرچہ اس کے کفر کی حالت میں مسلمان کے متعلق اس کا فیصلہ صحیح نہیں) (شامی ۲۹۸/۳)۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے اگر عدالت کا غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو پھر مسلمان بچوں سے فسخ کرائے پھر عدت گزارے تو آزاد ہو جائے گی، اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو عورت آزاد نہ ہوگی (کفایت المفتی ۱۳۵/۶)۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے تحریر فرمایا ہے: غیر مسلم مجسٹریٹ (حج) کا فیصلہ

شرعاً معتبر نہیں، لڑکی نکاح نہیں کر سکتی اور اگر کرے تو وہ غیر معتبر ہے، لہذا اس مقدمہ کو مسلم جماعت یعنی دیندار مسلم پنجایت کے سامنے پیش کیا جائے جس میں ماہر عالم بھی ہوں یہ پنجایت شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ معاملہ کی تحقیق کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ کرے، اب عورت شرعی نقطہ نظر کے بموجب آزاد ہوگی (فتاویٰ رحمیہ ۱۳۳۲)۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا سلطان احمد اصلاحی ☆

۳- برطانیہ، امریکہ یا ہندوستان جیسے کسی سیکولر ملک میں وہاں کی غیر اسلامی عدالت میں مسلمان شوہر بیوی کے درمیان طلاق یا تفریق کی درخواست شوہر یا بیوی جس کی طرف سے بھی آئے یا اس مقصد سے فریقین میں سے کسی ایک کی درخواست سیکولر عدالت میں آئے اور دوسرا فریق حاضر عدالت نہ ہو یا حاضر تو ہو لیکن ہونے والے فیصلے کے حق میں اپنی طرف سے تفویض اور رضامندی کا اظہار نہ کرے، ان تمام طرح کی صورتوں میں غیر مسلم عدالت کی طرف سے طلاق، تفریق اور فسخ نکاح کا فیصلہ درست ہوگا اور عورت کو عدت گزرنے کے بعد نکاح ثانی کا اختیار ہوگا، اسلامی عدالت کے مسلمان قاضی کا فیصلہ بھی اس معاملے میں اس سے مختلف نہیں ہوگا۔ سو جبکہ یہ فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہو تو عدالت اور اس کے جج کے غیر مسلم ہونے سے اس میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا۔ اس مسئلے میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے دو فیصلوں سے روشنی پڑتی ہے جس کا ذکر ان کے آخری دور کی یادگار ”ملفوظات آزاد“ میں ہے۔

مولانا کا پہلا جواب جناب عبدالعزیز منڈل ڈاکخانہ چھوٹا شجاع پور ضلع مالہ مغربی بنگال کے استفسار کے جواب میں ہے۔ سائل کا یہ خط ۲۵ دسمبر ۱۹۵۲ء کا ہے۔ اس میں مسئلہ بی بی لطیف النساء بیگم کا ہے جن کا نکاح نابالغی کی حالت میں ان کے والد کی ولایت میں میاں

☆ ادارہ علم و ادب، دود پور، علی گڑھ۔

معبود بخش کے ساتھ ہوا تھا۔ تقسیم کے وقت میاں معبود بخش پاکستان چلے گئے۔ اور بار بار کی یاد دہانی کے باوجود نہ اپنی زوجہ کو ہندوستان سے پاکستان لانے کو تیار ہوئے نہ اس کو طلاق دینے کے لئے آمادہ ہوئے۔ مجبور ہو کر لڑکی کی طرف سے ہندوستان کی عدالت میں تفریق کا مقدمہ داخل کیا گیا۔ عدالت کے غیر مسلم حاکم نے پاکستان میں میاں معبود بخش کے خلاف نوٹس جاری کیا۔ اور اس کی طرف سے انکار ہو جانے پر فسخ نکاح اور زوجین میں تفریق کا فیصلہ دیدیا۔ لڑکی کے اطراف کے علماء کی طرف سے اس فیصلے کی مخالفت ہوئی کہ فسخ نکاح اور تفریق زوجین کے لئے حاکم کا مسلم ہونا شرط ہے، اس معاملے میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ شریعت میں معتبر نہیں۔ اس کے لئے مولانا اشرف علی تھانوی کی امداد الفتاویٰ جلد دوم کتاب النکاح ص ۴۹ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس استفسار کے جواب میں مولانا ابوالکلام آزاد ارشاد فرماتے ہیں:

”عدالت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شریعت کے مطابق کیا ہے وہ نافذ ہو گیا۔ لڑکی عدت کاٹ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے“ (ملفوظات آزاد ص ۱۲۱-۱۲۲، اس سے پہلے اس استفسار کا مسئلہ ص ۱۱۹ سے ہے۔ ملفوظات آزاد مرتبہ اجمل خاں۔ حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔ بار اول جولائی ۱۹۵۹ء)۔

مولانا کا دوسرا فیصلہ جناب محمد عاشق الہی کیر آف خطیب الدین احمد لیک روڈ تواری محلہ رانچی کے سوال کے جواب میں ہے۔ اس پر تاریخ ۲۵ ستمبر کی ہے۔ سن کا اندراج نہیں ہے۔ لیکن اس سے آگے کے خطوط ۱۹۵۲ء کے ہیں۔ اس لئے اغلب ہے کہ یہ خط ۲۵ ستمبر ۱۹۵۲ء کا ہوگا۔ اس میں مسئلہ یہ ہے کہ ایک لڑکی شادی کے بعد سسرال نہیں جانا چاہتی ہے، اس لئے کہ اس کے خاوند کو جذام کا سخت عارضہ لاحق ہے۔ اس کی وجہ سے اس نے عدالت میں فسخ نکاح کا مقدمہ دائر کیا۔ عدالت نے اس مسئلے میں ڈاکٹروں کی رائے پر اعتماد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا کہ لڑکی اپنے خاوند کے یہاں نہیں جا سکتی۔ عدالت نے فسخ نکاح کے اپنے فیصلے کی دوسری وجہ ۱۹۲۹ء کے خلع بل کو قرار دیا جس کی رو سے اس طرح کے مرض کی صورت میں عورت

اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ چنانچہ ان سب نظریوں کے ماتحت (ماہرین فن اور وکلاء کی بحث خلع بل کے نقطہ نظر سے) عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ لڑکی اپنے شوہر کے یہاں نہیں جاسکتی ہے اور اس لئے اس کا نکاح فسخ کر دیا جاتا ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں سائل کی طرف سے پوچھا گیا ہے کہ عدالت کا یہ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں اور اس فیصلے کے مطابق اس کا نکاح فسخ ہو یا نہیں۔ اب مولانا اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

”جو صورت آپ نے بیان کی ہے کہ ڈاکٹر کی تصدیق پر عدالت نے تفریق کا فیصلہ کیا ہے یہ ٹھیک ہے اور قابل عمل ہے“ (ملفوظات آزاد ص ۲۸-۲۸-۲۸ بحوالہ بالا۔ یہ استفسار اس سے پبلص ۷۷ سے جاری ہے)۔

ملفوظات آزاد کا یہ حصہ جو دینی مسائل کے سلسلے میں مولانا کے جوابات پر مشتمل ہے، اس میں مولانا کے نام ۱۹۵۲ء سے لیکر ۱۹۵۷ء یعنی کہ ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء مولانا کے انتقال کے چند ماہ پہلے تک کے استفسارات شامل ہیں۔ مولانا سے یہ جوابات ان کے سکرٹری محمد اجمل خان زبانی لے کر اسے ضبط تحریر میں لائیتے تھے۔ جوابات کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی حد تک اس میں مولانا کے الفاظ کی پابندی کی گئی ہے۔ مولانا کے یہ ملفوظات ان کے انتقال کے ایک سال بعد ۲۲ فروری ۱۹۵۹ء کو تیار ہوئے اور اس کے کچھ ماہ بعد جولائی ۱۹۵۹ء میں اشاعت پذیر ہوئے۔ یہ مجموعہ بڑے نوادرات پر مشتمل ہے۔ اور اس کی بنیاد پر مولانا آزاد کی فقہی بصیرت، کے عنوان سے باقاعدہ پی ایچ ڈی کی جاسکتی ہے۔ اوپر کے دونوں فیصلوں کی تاریخی اہمیت کے پیش نظر ان کا مکمل عکس اس جواب کے ہم رشتہ ہے۔

۴- غیر اسلامی عدالت کے جج کے مسلمان ہونے سے بہت بڑا فرق نہیں پڑتا، اصل اہمیت اس کی ہے کہ فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق ہو۔ غیر اسلامی عدالت کا مسلمان جج اپنے اختیار سے فیصلہ کا رخ بہت کچھ اسلامی شریعت کی طرف موڑ سکتا ہے۔ لیکن فیصلہ اصلاً ملک کے

دستور اور اس کے نظام عدل کے مطابق ہی ہوتا ہے، اس لئے حج کے مسلمان یا غیر مسلم ہونے سے عام حالات میں بہت زیادہ فرق نہیں پڑتا۔

۵- برطانیہ، امریکہ اور ہندوستان جیسی سیکولر عدالتوں کے سلسلے میں ان ملکوں کے مسلمانوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ مذہب پر عمل اور پرسنل لا کی آزادی کی دستوری دفعات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ متعلقہ عدالتوں میں شریعت کے ماہرین کا فاضل عدالتوں کے ججوں کے معاونین کی حیثیت میں تقرر کرائیں۔ جو مسلمانوں سے متعلق معاملات میں فاضل ججوں کی صحیح فیصلوں تک رسائی میں معاونت کر سکیں۔ ہندوستان میں بھی یہاں کے علماء و عمائدین اور پرسنل لا بورڈ کو سرکار سے الگ اپنی دارالقضاؤں کے قیام سے زیادہ موجودہ عدالتوں پر اپنی گرفت بڑھانے کی ضرورت ہے۔ قوت نافذہ حکومت کے پاس ہی ہوتی ہے۔ اور اس کے بغیر فیصلوں کو وقار اور اعتبار حاصل نہیں ہوتا۔ آخری محمدی شریعت سراپا عدل اور انسانیت کے لئے سراپا خیر و رحمت ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سیکولر عدالتوں کے ججوں کو اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کی صحیح تفہیم کرائی جائے، اس صورت میں مسلمانوں سے آگے غیر مسلم انسانیت تک بھی ان کی توسیع ہو سکے۔ حکمت عملی کے طور پر سیکولر عدالتوں کے شرعی ماہرین کا خرچہ مسلمان امت اٹھائے تو ان کی تقرری کی راہ مزید آسان ہو سکتی ہے۔

☆☆☆

غیر اسلامی عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا اختر امام عادل قاسمی ☆

شریعت اسلامیہ نے طلاق کا اختیار صرف مرد کو دیا ہے خواہ اس اختیار کو وہ خود استعمال کرے یا کسی کو اس معاملہ میں اپنا نائب وکیل بنا دے، شوہر کی اجازت کے بغیر کوئی شخص کسی کا رشتہ نکاح ختم نہیں کر سکتا، خود بیوی بھی اس باب میں شوہر کے فیصلہ کی پابند ہے، اس مسئلہ میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

البتہ مسلمانوں کی بڑی تعداد غیر مسلم ملکوں میں رہتی ہے جہاں رشتہ نکاح ختم کرنے کا حق مرد و عورت دونوں کو مساوی طور پر دیا گیا ہے، اور دونوں کو قانونی طور پر یہ اجازت دی گئی ہے کہ عدالت کے ذریعہ رشتہ نکاح سے آزاد ہو سکتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر شرعی عمل ہے جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، فقہاء نے ایسے حالات میں دارالقضاء یا شرعی پنچایت کی تجویز پیش کی ہے، یعنی اگر غیر اسلامی عدالت شوہر کی مرضی و اجازت کے بغیر طلاق کا فیصلہ سناتی ہے تو وہ طلاق معتبر نہیں ہوگی بلکہ ضروری ہوگا کہ مسلمان باہم مشورہ سے اپنا امیر یا قاضی (جو مسلمان ہو) منتخب کریں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو چند ارباب حل و عقد اور اصحاب علم و دیانت پر مشتمل ایک شرعی پنچایت تشکیل کریں جو ان کے عائلی شرعی مسائل کا فیصلہ کرے، یہ مسئلہ بھی غیر اسلامی عدالت کے فیصلے کے بعد اسی شرعی عدالت یا پنچایت کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس کا فیصلہ مسلمانوں

☆ مہتمم جامعہ ربانی منورہ اشرفیہ، بہار۔

کے حق میں معتبر قرار پائے گا، یہی اس دور میں جمہور علماء کا منفقہ فیصلہ ہے۔

اس اصولی گفتگو کے بعد اس سلسلے میں پیدا ہونے والے بعض سوالات پر نظر ڈالی جاتی

ہے:

۱- اگر شوہر خود غیر اسلامی عدالت میں رہنے ازدواج ختم کرنے کی درخواست دے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ معتبر ہوگا اور زوجین کے درمیان فرقت واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ اس صورت میں غیر مسلم حاکم کو شوہر کا وکیل قرار دیا جائے، غیر مسلم شخص کو طلاق کا وکیل بنانا درست ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ غیر اسلامی عدالت میں عورت رہنے نکاح ختم کرنے کی درخواست دے اور عدالت شوہر کو طلب کر کے یا نوٹس بھیج کر اس سے منظوری حاصل کرے اور پھر عدالت ضابطہ کی کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کرے تو فرقت واقع ہو جائے گی اور اس صورت میں بھی غیر مسلم حاکم کو شوہر کا وکیل سمجھا جائے گا۔

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت حاضر نہیں ہوا یا آیا مگر دستخط و تقویض پر راضی نہیں ہوا اور عدالت نے کارروائی کے بعد تفریق کا فیصلہ کر دیا تو شرعی طور پر تفریق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ عورت نہ خود طلاق دینے کی مجاز ہے اور نہ کسی کو اس کے لئے نائب و وکیل بنا سکتی ہے، اس صورت میں عورت پر لازم ہے کہ وہ کسی شرعی پنچایت یا دارالقضاء سے رجوع کرے جو اس معاملے میں فیصلہ کرے یا غیر اسلامی عدالت کے فیصلہ فرقت کو قابل تنفیذ قرار دے (کمانی کفایت المثنیٰ ۶/۱۶۵)۔

۴- اگر کسی جگہ دارالقضاء یا شرعی پنچایت کا نظام نہ ہو اور اس مجبوری کے تحت عورت کسی

ایسے مسلم حاکم یا مجسٹریٹ سے رجوع کرے، جو غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مقرر لالہ اللہ

حاکم اس سلسلے میں تفریق کی کارروائی کرے تو کیا یہ کارروائی شرعاً معتبر ہوگی؟.....
 فقہاء کی بعض تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسے حاکم کا فیصلہ معتبر ہوگا بشرطیکہ وہ
 شریعت کے مطابق فیصلہ کرے اور اسے اس کا قانونی اختیار بھی ہو، فقہاء نے غیر اسلامی حکومت
 کے تحت عہدہ قضاء قبول کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ حق فیصلے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، شامی
 میں ہے:

”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کافراً ذکرة
 مسکین وغیره الا اذا کان یمنعه من القضاء بالحق فیحرم“ (درمختار) وبہ علم ان
 تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضائہ علی المسلم حال کفرہ (رد المحتار ۴/۱۸۸
 کتاب القضاء)۔

(عہدہ قضا قبول کرنا سلطان عادل اور ظالم دونوں کی طرف سے جائز ہے بشرطیکہ کوئی
 چیز حق فیصلے سے مانع نہ ہو ورنہ پھر حرام ہو جائے گا، اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا قاضی بنانا درست
 ہے حالانکہ حالت کفر میں مسلمان کے خلاف اس کا فیصلہ درست نہیں ہے)۔
 اسی جزئیہ کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے
 ہیں:

”عورت کو لازم ہے کہ کسی مسلمان مجسٹریٹ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرے خواہ وہ
 جدید فیصلہ حاصل کر لے یا سابق فیصلہ کی اس سے تنفیذ کرالے اس کے بعد نکاح ثانی کر سکے گی“
 (کفایت المفتی ۲۷۶)۔

الحلیۃ الناجزۃ اور اسی طرح دوسری فقہ کی کتابوں میں بھی یہ مضمون تھوڑے فرق کے
 ساتھ آیا ہے۔

ہندوستان جیسے ملکوں میں جہاں اقلیتوں کو عائلی مسائل میں اپنے مذہب کے مطابق

فیصلہ کی آئینی اجازت ہے اور باقاعدہ یہاں مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا فعال، قابل اعتماد اور ذمہ دار ادارہ موجود ہے جس کے پاس عائلی مسائل کا باقاعدہ طور پر مرتب مجموعہ موجود ہے، یہاں مسلم ججوں کے لئے بہر حال اس گنجائش سے پورا فائدہ اٹھانے کا موقعہ موجود ہے لیکن برطانیہ، امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں مسلمان ججوں کو شاید اس قدر آئینی اختیار حاصل نہ ہو، اس لئے ان ملکوں میں شرعی دارالقضاء، پچھایت یا کونسل سے ہی رجوع کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اس سلسلے کی مزید تفصیلات حضرت تھانویؒ کی کتاب ”الحلیۃ الناجزۃ“، حضرت مولانا عبدالصمد رحمانیؒ کی کتاب ”کتاب الفسخ والتفریق“ اور مولانا یعقوب اسماعیل قاسمی مہتمم برطانیہ کی کتاب ”اسلامی قانون نکاح و طلاق“ میں موجود ہیں۔

☆☆☆

کیا غیر مسلم حج مسلمانوں کا نکاح فسخ کر سکتا ہے؟

مولانا عبدالقیوم پالنپوری ☆

شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دینا تملیک ہے، چاہے اس کی مشیت کے ساتھ مقید ہو یا نہ ہو، وفي البدائع (۱۲۲/۳): ”واما قوله (الأمر آية) طَلَّقِي نَفْسِكَ فهو تمليك عندنا، سواء قيده بالمشية أولا، ويقتصر على المجلس كقوله انِّ طالق ان شئت، وعند الشافعي هو توكيل ولا يقتصر على المجلس قيده بالمشية أو لم يقيدہ“۔ اور ہمارے نزدیک عورت کا یہ اختیار مجلس علم پر منحصر ہے گا۔

اور شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا اس بیوی کے علاوہ کسی اور کو اختیار دینا، اگر یہ اس شخص کی مشیت کے ساتھ مقید ہو تو یہ شرعاً تملیک و تفویض ہے، اور تملیک و تفویض اگر مطلق عن الوقت ہو تو مجلس علم پر منحصر ہے گی، علامہ کا سائی تحریر فرماتے ہیں:

”واجمعوا على أن قول الزوج لأجنبي: طلق امرأتی توكيل ولا يتقيد بالمجلس فإن قيده بالمشية بأن قال له: طلق امرأتی إن شئت فهذا تمليك عند أصحابنا الثلاثة وعند زفر هو توكيل“ (بدائع الصنائع ۱۲۲/۳)۔

(اور فقہاء نے اتفاق کیا ہے اس بات پر کہ شوہر کا قول کسی اجنبی سے کہ میری بیوی کو طلاق دیدے تو کیل ہے، اور تو کیل مجلس پر منحصر نہیں رہے گی، پس اگر اجنبی کے طلاق کے اختیار

کو اس کی مشیت کے ساتھ مقید کیا اس طور پر کہ اس سے کہا کہ ”اگر تو چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے“ پس یہ تملیک ہے ہمارے تینوں اصحاب (ابوحنیفہ و ابو یوسف و محمدؒ) کے نزدیک اور امام زفرؒ کے نزدیک یہ صورت بھی تو کیل ہے۔

تو کیل و تملیک میں ایک فرق یہ ہے کہ موکل وکیل کو طلاق دینے سے پہلے معزول کر سکتا ہے جبکہ تفویض و تملیک میں اختیار دینے کے بعد معزول نہیں کر سکتا ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی تحریر فرماتے ہیں:

”بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا بنیادی طور پر تو تو کیل ہے، اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے، لیکن اگر کسی تیسرے شخص کی چاہت و مشیت پر طلاق کے استعمال کو موقوف کر دیا جائے تو تو کیل کے بجائے تفویض ہے، اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا..... اور سراجیہ میں ہے: ”لو قال لأجنبي: طلقها إن شئت ثم عز له لا يصح“ (جدید فقہی مسائل ۵۱۳)۔

۱- اس مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ صورت مسئلہ میں غیر مسلم حج کو رشتہ ختم کرنے کا فیصلہ کرنے کی درخواست دینا یہ درحقیقت بیوی کے علاوہ اجنبی کو طلاق کا اختیار دینا ہے جو مشیت کے ساتھ مقید نہیں، لہذا یہ تو کیل ہے اور تو کیل مجلس پر منحصر نہیں رہتی ہے، لہذا وہ حج جب بھی فیصلہ کرے گا طلاق واقع ہو جائے گی، اور غیر مسلم کو بھی طلاق کا وکیل بنانا جائز ہے، جیسا کہ فقہی عبارتوں کے اطلاق سے سمجھ میں آتا ہے اور حسب ذیل جزئیہ سے بھی مستفاد ہوتا ہے:

”ولو كان أحد الزوجين مسلماً و الوكيل (بالخلع على خمر أو خنزير) كافرأجاز الخلع ويطلق الجعل كذا في المبسوط“ (فتاویٰ ہندیہ ۶۱۲/۳)۔

(اگر میاں بیوی میں سے ایک مسلمان ہو اور خمر یا خنزیر پر خلع کا وکیل کافر ہو تو خلع جائز ہے اور جعل یعنی خمر یا خنزیر باطل ہے)۔

۳- اس صورت میں کہ محض عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آگے دستخط یا تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، وہ عورت بدستور شوہر کی بیوی باقی رہے گی۔ حضرت مفتی محمود صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: محض لڑکی کی خواہش پر کورٹ علیحدگی کر دے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی بلکہ وہ بدستور آپ کی بیوی رہے گی (محمودیہ ۱۶/۱۶)۔ ایک دوسرے جواب میں تحریر کرتے ہیں: غیر مسلم حج کا فیصلہ ایسے مسائل میں شرعاً معتبر نہیں ہے (محمودیہ ۱۶/۱۶)۔

الحیلۃ الناجزہ میں ہے: اگر کسی جگہ فیصلہ کنندگان حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا، ”لأن الكافر ليس باهل القضاء على المسلم كما هو مصرح في كتب الفقه“ (بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ۳۸۹/۶)۔

۴- غیر مسلم حکومت کا حج اگر مسلمان ہو اور اس کو حکومت نے طلاق و فسخ جیسے مقدمات میں شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم حج شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور اس صورت میں طلاق واقع ہوگی، مفتی عبدالرحیم صاحب لاچپوری تحریر فرماتے ہیں: اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم حج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم حج شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے..... غیر مسلم حج کا فیصلہ ایسے مقدمات میں معتبر نہیں ہوتا (فتاویٰ رحیمیہ ۳۸۶/۶)۔

مفتی کفایت اللہ دہلوی تحریر فرماتے ہیں: ہاں ضرورتاً انگریزی عدالتوں کے مسلم حج یا منصف قائم مقام قاضی شرعی کے ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان کو حکومت کی طرف سے معاملات مخصوصہ اہل اسلام مثل طلاق، نکاح، میراث وغیرہ میں احکام شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے الخ (کفایت المفتی ۲۳/۲)۔

۵۔ مسلمانوں کو اپنے تمام نزاعات میں شرعی قاضی یا شرعی پنچایت سے فیصلہ کرانے چاہئے اور اپنے مقدمات کو غیر مسلم عدالت میں نہیں لے جانا چاہئے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی تحریر فرماتے ہیں: یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات میں ضروری ہے کہ مسلمان حاکم فیصلہ کرے: ”لأنه لا ولاية للكافر على المسلم“، لیکن نزاعات کی ایک قسم تو ایسی ہے کہ ان کے لئے قاضی مسلم با اختیار کا ہونا اشد ضروری ہے، جس کے نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی اسلامی ضرورتیں معطل ہی نہیں بلکہ مسلمان سخت مؤاخذات شرعیہ میں مبتلاء ہوتے ہیں، صرف مثال کے طور پر اس قسم کے چند مسائل ذکر کئے جاتے ہیں (کفایت المفتی ۲۲۰/۲)۔

مثلاً کسی عورت کا خاوند مفقود ہو یا مجنون یا عینین یا غیر مفقود یا معتنت ہو یا عورت طلاق کا دعویٰ کرے اور گواہ بھی پیش کرے وغیرہ مسائل میں قاضی شرعی یا شرعی پنچایت کا فیصلہ ضروری ہے۔ وہی نکاح فسخ کر سکتا ہے، غیر مسلم حج کا فیصلہ بالکل معتبر نہیں، (کفایت المفتی حذف و زیادتی کے ساتھ ۲۲۰/۲)۔



غیر مسلم عدالت میں طلاق و تفریق کا فیصلہ

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سمیلی ☆

شریعت اسلامی نے رخصت نکاح کو ختم کرنے کا اصل اختیار شوہر کو دیا ہے، شوہر اگر کسی کو وکیل بنائے، یا عورت حاکم یا قاضی کے پاس جا کر فسخ نکاح کا مطالبہ کرے، اور شوہر انکار کرے، یا وہ غائب ہو تو ولایت عامہ حاصل ہونے کی وجہ سے مسلم قاضی طلاق دے سکتا ہے، ولایت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وکیل، قاضی اور حاکم مسلم ہو، کیوں کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے، اس سلسلہ میں قرآن کی واضح آیات موجود ہیں:

۱- "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً" (النساء: ۱۳۱)۔

(اللہ تعالیٰ نے ہرگز کافروں کے لئے مومنوں پر کوئی راستہ نہیں بنایا)۔

۲- "لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء" (آل عمران: ۸۲)۔

(مومن ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور مددگار نہ بنائیں، اور جس نے

ایسا کیا تو اس کا اللہ سے کوئی سروکار نہیں رہا)۔

۳- "يا أيها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء، بعضهم

أولياء، بعض، ومن يتولاهم منكم فإنه منهم" (المائدہ: ۵۱)۔

☆ لکچر گورنمنٹ جوئیر کالج، ظہیر آباد، آندھرا پردیش۔

(اے ایمان والو! تم یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور جو شخص ان سے دوستی کرے گا بے شک وہ ان ہی میں سے ہوگا)۔

۴- ”یا ایہا الذین امنوا لاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزوا ولعبا من الذین اوتوا الكتاب من قبلکم والکفار اولیاء، واتقوا الله ان کتتم مومنین“
(المائدہ: ۵۷)۔

(اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے، جو ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور دوسرے کفار کو دوست مت بناؤ، اور اللہ سے ڈرو، اگر تم ایمان دار ہو)۔

۵- ”یا ایہا الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء تلقون الیہم بالمودۃ“ (الممتحنہ: ۱)۔

(اے ایمان والو! تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو)۔

۱- شوہر کی طرف سے طلاق کی درخواست:

شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دے کہ وہ اپنا رشتہ ازدواج ختم کرنا چاہتا ہے، اس کے حق میں اس رشتہ کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، یہ درخواست گرچہ تفویض و حکیم کے درجہ میں ہے، لیکن تفویض کی شرط یعنی ولایت نہ پائی جانے کی وجہ سے غیر مسلم حاکم اور جج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

”وکذا الکافر لا ولاية له علی المسلم حتی لاتقبل شهادته علیہ، ولأن هذه ولاية نظرية فلا بد من التفویض إلى القادر المشفق لیحقق معنی النظر، والرق یزیل القدرة والکفر یقطع الشفقة علی المسلم فلا تفوض

إليهما“ (الہدایہ ۱۹۳/۳ کتاب الوکالت)۔

(اسی طرح کافر کو مسلم پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، یہاں تک کہ اس کی گواہی مسلمان کے لئے قبول نہیں کی جائے گی، کیوں کہ یہ ولایت نظری ہے، تو ضروری ہے کہ قادر مشفق کو تفویض کیا جائے تاکہ مصلحت کی صفت متحقق ہو، اور غلامی قدرت کو اور کفر مسلم پر شفقت کو زائل کر دیتا ہے، لہذا ان دونوں کو تفویض نہیں کیا جائے)۔

۲- عورت کی طرف سے طلاق کی درخواست:

عورت کی طرف سے غیر مسلم عدالت میں درخواست دی جائے کہ اس کا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ اس کو منظور ہوگا، اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کر دیا جائے، تو یہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا، کیوں کہ غیر مسلم حج کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہے، فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

”ولانصح ولاية القاضی حتی یجتمع فی المولی شرط الشهادة کذا

فی الہدایة من الإسلام والتکلیف والحرية“ (الفتاویٰ الہندیہ ۳۰۷/۳، کتاب ادب القاضی)۔

(قاضی کی ولایت صحیح نہیں ہوگی، یہاں تک کہ ولی بنائے جانے والے قاضی میں

شہادت کی شرائط یعنی اسلام، تکلیف (مکلف ہونا) اور آزادی جمع ہوں)۔

اب رہا عدالت کا شوہر کو بلا دستخط لینا، یہ گویا عدالت زبردستی شوہر سے تو کیل حاصل کر

رہی ہے، اسلامی عدالت میں اس کی ضرورت نہیں ہے، شوہر کے دستخط کرنے اور نہ کرنے سے اس مسئلہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

۳- شوہر عدالت میں حاضر نہ ہو:

تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں حاضر نہیں ہوا،

یا حاضر تو ہو اگر دستخط نہیں کیا، اور عدالت نے حالات کا جائزہ لے کر تفریق کا فیصلہ کر دیا، تو بھی غیر مسلم حج کی تفریق سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴- غیر مسلم حکومت کے مسلم حج کا فیصلہ:

غیر مسلم حکومت کی طرف سے مقرر کردہ مسلم حج کا فیصلہ طلاق و تفریق کے مسئلہ میں معتبر ہوگا، کیونکہ کہ قاضی یا حج کا مسلمان ہونا کافی ہے، مسلم قاضی کا تقرر کرنے والے حاکم کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

”وذكر في الملتقط: والإسلام ليس بشرط فيه، أي في السلطان

الذي يقلد كذا في التتارخانية، ويجوز تقلد القضاء من أهل البغى“ (الفتاویٰ الہندیہ: ۳۰۷۳)

(ملتقط میں بیان کیا گیا ہے کہ قاضی مقرر کرنے والے سلطان کے لئے اسلام کی شرط

نہیں، جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے، اہل بغاوت کی طرف سے قاضی مقرر کرنا جائز ہے)۔

۵- غیر مسلم عدالت کے فیصلے:

جن مسائل میں سبب شرعی کا وجود کافی نہیں، بلکہ قاضی کا فیصلہ اور حکم ضروری ہے، اور

جن مسائل میں شہادت ضروری ہے، جیسے حدود، قصاص، فسخ نکاح، رویت ہلال کا فیصلہ اور کسی

شخص کو دیوالیہ (مفلس) قرار دینا وغیرہ۔ ان مسائل میں غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔ اسی

طرح شرعی امور کے خلاف فیصلہ کسی صورت میں قابل قبول نہیں ہوگا، ان کے علاوہ دوسرے

مسائل جو شریعت کی نگاہ میں ناجائز نہ ہوں، ان میں غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر ہوگا، جیسے: ٹریفک،

حفظان صحت، ماحول کا تحفظ، جان و مال اور عزت و آبرو وغیرہ کی حفاظت سے متعلق فیصلے۔

غیر مسلم حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے شرعی معاملات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے

علاحدہ شریعت نبی قائم کرے اور مسلمانوں کے عائلی اسلامی قوانین سے متعلق مقدمات کو مسلم

بجوں کے ذریعہ حل کرائے۔ اگر اس کا انتظام نہ ہو سکے تو علاقہ کے مسلمان اپنے طور پر کسی ایک کو امیر منتخب کر لیں، اور امیر مسلمانوں کے شرعی و عائلی مسائل حل کرنے کے لئے دارالقضاء کا قیام عمل میں لائے، اور مسلمان شرعی مسائل میں دارالقضاء کی طرف ہی رجوع کریں، شرعی دارالقضاء کی موجودگی کے باوجود مسلمانوں کا شرعی مسائل میں غیر مسلم عدالت کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہوگا۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق شرعاً معتبر ہے یا نہیں

مولانا نجی الدین بڑودوی ☆

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں، رشتہ ازدواج ختم کرنا چاہتا ہوں (جبکہ شریعت نے طلاق دینے کا پورا اختیار شوہر کو دے رکھا ہے) تو شوہر کی یہ درخواست اس پر دلالت کر رہی ہے کہ وہ مجبوراً ملک کے قانون سے عاجز ہونے کی وجہ سے درخواست دے رہا ہے۔ تو اس کو شرعاً تحکیم نہیں مانا جاسکتا۔

کیونکہ تحکیم کی تعریف یہ ہے کہ ”تولية الخصمین حاکما یحکم بینہم ورنکہ لفظ الدال علیہ مع قبول الآخر وشرطہ من جهة المحکم بالکسر العقل لا الحرية والإسلام، فصح تحکیم ذمی ذمیا وشرطہ من جهة المحکم صلاحیتہ للقضاء“۔

تحکیم فریقین کی طرف سے کسی کو اپنے معاملہ کا فیصلہ بنانا، ظاہر ہے مذکورہ صورت میں قانونی گرفت سے بچنے کے لئے وہ عدالت میں جا رہا ہے۔ اس لئے تحکیم کی تعریف ہی صادق نہیں آتی۔

☆ خادم دارالفقہ والافتاء بزم نصر المومنین، جامعہ شخص العلوم بڑودہ۔

حاکم پر بحث کرتے ہوئے علامہ شامیؒ نے ایک تشبیہ بزاز یہ سے جو البحر المرائق میں ہے نقل فرمائی ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں اکثر قضاة رشوت وغیرہ کے ذریعہ منصب قضاء پر آتے ہیں، اس لئے وہ حقیقی قاضی نہیں ہیں بلکہ ان کی حیثیت مصالِح کی سی ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں: ویجوز أن يجعل حاکما بترافع القضية۔ یعنی ایسے قاضی کے یہاں جب مقدمہ پیش آئے تو اس کو حاکم (حکم) کا درجہ دیا جاسکتا ہے یہ قاضی حاکم (حکم) ہوگا۔ اس پر علامہ شامیؒ نے اعتراض نقل فرمایا ہے کہ مقدمہ کی یہ پیشی تحکیم کے طور پر نہیں ہے، بلکہ مدعی یہ سمجھ کر اس کے پاس گیا ہے کہ وہ حکم جاری کرے گا، اور مدعی علیہ کی حاضری ایسی صورت میں کبھی اشخاص یا جبر کی وجہ سے ہوتی ہے، اس لئے ایسے حاکم کو شرعاً (حکم) نہیں بنایا جاسکتا۔

”واعترض بأن الدفع ليس على وجه التحكيم بل على اعتقاد انه ماضى الحكم، وحضور المدعى عليه قد يكون بالاشخاص والجبر فلا يكون حكما“ (رد المحتار، ج ۸، ص ۱۲۵، ذکر یاد پوند)۔

اس لئے سوال کی پہلی شق میں حج کو حکم نہیں مانا جاسکتا، پھر حکم کے لئے اہلیت کی وہی شرط ہیں جو قاضی شرعی کے لئے ہے، یعنی مسلم قاضی ہونا چاہئے اور قاضی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ مسائل مجتہد فیہ میں اختلاف فقہاء سے اچھی طرح واقف ہو۔

اس لئے مذکورہ صورت میں شوہر کی اس درخواست کو تحکیم قرار نہیں دے سکتے، اور یہ تفویض بھی نہیں ہے۔ تو کیل قرار دینے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ وکیل سے مؤکل نے جو کچھ کہا ہے وہ کرے گا، اپنی مرضی کو اس میں دخل نہیں ہے۔ اور مذکورہ صورت میں عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی وہ خود مختار ہے، اس لئے عدالت کی حیثیت وکیل کی نہیں ہے کیونکہ وکیل کے بعد اس سے رجوع جائز ہے اور وکیل کو معزول بھی کیا جاسکتا ہے اور عدالت

میں رجوع نہیں ہو سکتا۔ تفویض کا مطلب تملیک ہے اس کا خاص مفہوم و شرائط ہیں، اس لئے تفویض بھی نہیں ہے۔

”والفرق بینہما فی خمسة احکام ففی التملیک لایرجع ولا یعزل ولا یبطل بجنون الزوج ویتقید بمجلس لایعقل فیصح تفویضہ بمجنون وصبی لایعقل بخلاف التوکیل، ای فی مسائل الخمس“ (در مختار مع الشامی ۳/۵۵۵، زکریا دیوبند)۔

۲- یہ بھی جبر کی صورت ہے، اس کو تحکیم یا تفویض نہیں قرار دیا جاسکتا، شوہر کے دستخط کی حیثیت اس فارم کی تفصیل سامنے آنے کے بعد طے کی جاسکتی ہے۔

۳- اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

۴- مسلم قاضی یا حاکم یا تو بادشاہ مسلم کی طرف سے مقرر ہو یا تراضی مسلمین سے ہو، اسی طرح حکم بھی مسلم ہو اور تراضی طرفین سے ہو تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم ہوگا، اگر غیر مسلم حکومت نے خاص مسائل مسلمین کے لئے مسلم جج تجویز کیا ہو اور وہ مسائل شرعیہ سے واقف ہو جیسے کہ معلوم ہوا کہ اجتہادی اختلاف سے بھی واقفیت ضروری ہے تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم ہوگا، لیکن وہ مسلم جج حکومت اور عدالت کی طرف سے اس کا مجاز نہیں ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کے ماتحت فیصلہ کرے، بلکہ وہ اپنے ملک کے عام قانون کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا مجاز ہو تو اس کا فیصلہ شریعت میں قابل تسلیم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اسلامی اصول کے ماتحت فیصلہ کا مجاز تو ہے مگر وہ اسلامی اصول سے متنازع فیہ مسئلہ میں واقفیت ہی نہیں رکھتا، جیسے آج کل مسلم جج تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

”ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کافرا ذکرہ

مسکین وغیرہ إلا إذا کان یمنہ عن القضاء بالحق فیحرم“ (در مختار مع الشامی ج ۸/۳۳، زکریا دیوبند)۔

۵- غیر مسلم عدالتوں کے وہ فیصلے جو معاملات و املاک و جائیداد متعلق ہوں جب تک نصوص شرعیہ سے ٹکراؤ نہ ہو قابل تسلیم ہو سکتے ہیں۔ جو فیصلے نصوص شرعیہ اور ضوابط شرعیہ سے ٹکراتے ہوں وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

خلاصہ:

۱- شوہر کی یہ درخواست اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مجبوراً قانون سے عاجز ہونے کی وجہ سے درخواست دے رہا ہے تو اس کو شرعاً تحکیم نہیں مانا جاسکتا۔ تحکیم کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی۔

۲- یہ بھی جبر کی صورت ہے اس کو تجزیہ! نفویض نہیں قرار دیا جاسکتا۔ شوہر کے دستخط کی حیثیت فارم کی تفصیل سامنے آنے کے بعد طے کی جاسکتی ہے۔

۳- اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

۴- اگر مسلمانوں نے اپنی تراضی سے یا طرفین نے اپنی مرضی سے یا مسلم قاضی یا مسلم حاکم یا بادشاہ مسلم نے کسی کو حکم بنایا تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم ہوگا۔ غیر مسلم حکومت نے مسائل مسلمین کے لئے مسلم جج تجویز کیا ہو، اور وہ مسائل شرعیہ سے واقفیت رکھتا ہو، تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم ہوگا۔

اگر جج مسلم ہے لیکن خاص مسلمانوں کے مسائل کے لئے مقرر نہیں ہوا بلکہ وہ اپنے ملک کے عام قانون کے مطابق ہی فیصلہ کرنے کا مجاز ہو تو اس کا فیصلہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

۵- غیر مسلم عدالتوں کے وہ فیصلے جو معاملات املاک و جائیداد میں ہوں اور نصوص شرعیہ سے ٹکراتے نہ ہوں تو قابل تسلیم ہو سکتے ہیں۔ جو فیصلے نصوص شرعیہ اور ضوابط شرعیہ سے ٹکراتے ہوں وہ قابل تسلیم نہیں ہے۔

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق - ایک تحقیقی جائزہ

مولانا صفحہ اختر ☆

۱- شوہر کا غیر مسلم عدالت میں رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کی درخواست دینا نہ تفویض طلاق ہے نہ تو کیل، تفویض تو اس لئے نہیں مان سکتے ہیں کہ تفویض کے الفاظ و عبارات متعین ہیں جو یہاں نہیں پائے جاتے ہیں اور بالفرض تفویض مان بھی لیں تو تفویض مجلس ہی کے ساتھ خاص ہوتی ہے جبکہ عدالت کی کارروائی ایک ہی مجلس میں نہیں ہوتی۔

”والفاظ التفویض ثلثة: تخيير وأمر بيد ومشيئة“ (شرح توير الابصار ۳۱۵/۳)۔ ”فلوقال له امر امرأتى بيدك فانه يقتصر على المجلس“ (۳۳۵/۳، درمختار باب تفویض الطلاق) اور تو کیل بھی نہیں مان سکتے ہیں، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

”إن صاحب الهداية جعل مناط الفرق بين التمليك والتوكيل مرة بأن المالك يعمل برأى نفسه بخلاف الوكيل ومرة بأنه عامل لنفسه بخلافه ومرة بأنه يعمل بمشيئة نفسه بخلافه ثم قال: بعد ما يبحث في الأولين أن الفرق الثالث أصوب“ (باب تفویض الطلاق، رد المحتار ۳۱۵/۳، دارالکتب دیوبند)۔

(صاحب ہدایہ نے تملیک اور تو کیل کے درمیان ایک مرتبہ یہ فرق بیان کیا ہے کہ مالک اپنی ذاتی رائے پر عمل کرتا ہے برخلاف وکیل کے اور ایک مرتبہ یہ فرق بیان کیا ہے کہ مالک

☆ جامعہ جلالیہ، ہوجائی، آسام۔

اپنی ذات کے لئے عمل کرتا ہے برخلاف وکیل کے اور تیسرا فرق یہ بیان کیا ہے کہ مالک اپنی ذاتی چاہت پر عمل کرتا ہے برخلاف وکیل کے، پھر پہلے دونوں فرق پر کلام کرنے کے بعد بیان کیا ہے کہ تیسرا فرق ہی زیادہ صحیح ہے۔

پہلے اور تیسرے فرق کے اعتبار سے یہاں تملیک کی صورت بن رہی ہے نہ کہ توکیل کی، اس لئے شوہر کی درخواست کو حکیم اور تملیک مانیں گے اور غیر مسلم حج کو اپنے فیصلے کا حاکم بنانا جائز ہے اور غیر اسلامی سرکاری عدالتوں کے غیر مسلم ججوں کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں غیر معتبر ہے، ارشاد ربانی ہے: ”فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك الخ“ (النساء ۶۵)۔

اسی طرح قرآن کا فرمان ہے: ”لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين

سبيلا“ (النساء ۴۱)۔

(ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ)۔

دونوں آیتوں کے منفی خبر میں نبی کا معنی پوشیدہ ہے، اس لئے تمام فقہاء نے قضا کے شرائط میں مسلمان ہونا بیان کیا ہے، چنانچہ صاحب بدائع فرماتے ہیں:

”وأما بيان من يصلح للقضاء فنقول: الصلاحية للقضاء لها شرائط:

منها العقل ومنها البلوغ ومنها الاسلام“ آگے فرماتے ہیں: ”فلا يجوز تقليد المجنون والصبي والكافر، لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليس لهم أهلية أدنى الولايات وهي الشهادة فلا يكون لهم أهلية أعلاها أُولَى“ (بدائع الصنائع ۳۳۸-۳۳۹، مکتبہ دارالکتب دیوبند، کتاب ادب القاضی)۔

(اور بہر حال ان لوگوں کا تذکرہ جو قضا کی صلاحیت رکھتے ہیں سو ہم کہتے ہیں کہ قضا

کی صلاحیت کے لئے چند شرائط ہیں: (۱) عقل (۲) بلوغ (۳) اسلام۔ آگے فرماتے ہیں: لہذا مجنون، بچہ اور کافر کو قاضی بنانا جائز نہیں، اس لئے کہ قضا ولایت کے باب میں سے ہے بلکہ سب

سے اہم ولایت ہے اور یہ لوگ ادنیٰ ولایت یعنی شہادت کی اہلیت نہیں رکھتے لہذا اعلیٰ ولایت کی اہلیت بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگی) (بکدانی الفتاویٰ الہندیہ ۳۰۷/۳ کتاب ادب القاضی وفی الدرہلہ اہل الشہادۃ ۱۲۳ الدر الخارمغ راجع رد المحتار کتاب القضاء)۔

۲، ۳، ۴۔ اگر کسی غیر اسلامی عدالت میں عورت رشتہ نکاح کو ختم کرنے کی درخواست دیتی ہے اور غیر مسلم حج تفریق کا فیصلہ کر دیتے ہیں تو اس سے تفریق نہیں ہوتی ہے خواہ شوہر سے دستخط لیکر ضابطہ کی کارروائی کریں یا بغیر دستخط لئے، غیر مسلم حجوں کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں غیر معتبر ہے کما مرنی جواب سوال الاول، چنانچہ مفتی محمود حسن صاحب فرماتے ہیں: غیر مسلم حج کا فیصلہ فتح نکاح میں کافی نہیں: (از محشی: اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے اس کے حکم سے فتح وغیرہ ہرگز نہیں ہوگا "لان الکافر لیس باهل القضاء علی المسلم کما هو مصرح فی جمیع کتب الفقہ") (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۱۳۱، مکتبہ ادارہ صدیق ڈھائی، بکدانی کتاب الفتاویٰ ۵۶/۶)۔

اور اگر حج مسلمان ہو اور اس کا فیصلہ شریعت حقہ کے مطابق ہو تو فتح نکاح صحیح ہوگا خواہ شوہر دستخط کرے یا نہ کرے (کتابیہ المفتی ۲/۲۱۳، امداد الفتاویٰ جدیدہ ۳/۳۳۳ و ۲/۲۶۹، محمودیہ ۱۳/۱۳۱، کتاب الفتاویٰ ۶/۶۲)۔

۵۔ یوں تو مسلمانوں کے تمام نزاعات میں ضروری ہے کہ مسلم حاکم فیصلہ کرے، غیر مسلم عدالتوں سے اپنے نزاعات کا فیصلہ کرانا مسلمانوں کے لئے بالکل مناسب نہیں، "لأنه لا ولاية لكافر علی مسلم کما مر" لیکن وہ عالمی مسائل جن میں قضاء قاضی کی ضرورت ہوتی ہے ان کے لئے مسلم قاضی کا ہونا اشد ضروری ہے۔ مثلاً:

۱۔ بسا اوقات کسی عورت کا خاوند مفقود ہو جاتا ہے اور عورت بھی نو عمر اور محتاج ہوتی ہے، متاخرین حنفیہ کے فتویٰ کے بموجب گنجائش ہے کہ وہ اپنی خلاصی کی سبیل بہم پہنچائے لیکن اس

کی تکمیل بغیر مسلم قاضی کے فیصلے کے ممکن نہیں۔

۲۔ بہت سی نابالغ لڑکیوں کا نکاح ان کے ولی کر دیتے ہیں، نکاح شرعاً درست ہو جاتا ہے مگر لڑکی اگر خیار بلوغ کو استعمال کر کے نکاح فسخ کرانا چاہے تو فسخ کے لئے مسلم قاضی کا فیصلہ ضروری ہے۔

۳۔ اگر کوئی اپنی ساس سے ناجائز حرکت کرے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے مگر تفریق کے لئے مسلم قاضی کا ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح فسخ و تفریق کے بہت سے مسائل نیز رویت ہلال کی شہادت قبول کرنے نہ کرنے میں مسلم قاضی کا ہونا ضروری ہے۔ ان مسائل میں غیر مسلم عدالتوں کے غیر مسلم ججوں کا فیصلہ کافی نہیں (مستفاد از کفایۃ المفتی ۲/۲۲۰)۔

البتہ وہ مسائل جن میں قضاء قاضی کی ضرورت نہیں صرف رفع نزاع کے لئے مجبوری میں غیر مسلم عدالتوں کی طرف رجوع کرے تو گنجائش ہونی چاہئے۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مفتی معز الدین قاسمی ☆

عام طور پر حاکم و محکوم حکمران و رعایا عوام اور عدلیہ ان میں آپس میں جو معاملات پیش آتے ہیں وہ تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) عبادات (۲) معاملات (۳) عقوبات (حدود)۔

عبادات:

جیسے نماز (جمعہ و عیدین کا قائم کرنا)۔ زکوٰۃ (جیسے اجتماعی زکوٰۃ کے وصول کرنے و خرچ کرنے کا نظم) اور حج وغیرہ وغیرہ۔

معاملات:

جیسے طلاق، خلع، نکاح، خرید و فروخت، ملازمت، لین دین۔ اسی میں معاشرت کے وہ احکام بھی داخل ہوں گے جو فریقین سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے آپسی تنازعات گھروں کی یا مال و جائیداد کی تقسیم پڑوسی کے حقوق وغیرہ۔

عقوبات:

(حدود) قصاص (جان کے بدلے جان) یا کسی نے کسی کی آنکھ پھوڑی تو جواب میں اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے، اسی طرح حد زنا، حد زنا، حد زنا، لعان وغیرہ اس میں تعزیرات (سزائیں

☆ مہتمم دارالعلوم اورنگ آباد، مہاراشٹرا۔

مختلف قسم کی (وہ بھی شامل ہوں گی)۔

ظاہر ہے کہ عبادات میں قول کافر کے قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، چنانچہ فقہاء کرام نے اس کی صراحت کر دی ہے۔

اسی طرح عقوبات اس کے لئے دارالاسلام کا ہونا شرط ہے، چونکہ حدود و شریعت دارالحرب میں جاری نہیں ہوتی ہیں، درمختار میں ہے: "لانه لا احد بالذنی فی دار الحرب" (کتاب الحدود ۱۳۱/۳)۔

اب رہا مسئلہ معاملات کا جیسے نکاح، طلاق، خلع وغیرہ تو اس بارے میں عرض یہ کرنا ہے کہ ہندوستان میں علماء کرام کی مسلسل جدوجہد کے طفیل میں شریعت بل پارلیمنٹ میں پاس ہوا۔ اور انگریز ہی کے زمانے سے مسلم پرسنل لاء کے بارے میں طے پایا کہ اگر دونوں (میاں اور بیوی) اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہے تو جج مسلم پرسنل لاء (طلاق خلع نفقہ وغیرہ) میں شریعت (قرآن، حدیث و فقہ) کے مطابق فیصلہ دے گا۔ چنانچہ اس کے مطابق عدالتوں میں رجوع کیا گیا تو عام تر فیصلے شریعت کے مطابق ہوئے۔

اب یہ بات برطانیہ وغیرہ ممالک میں کس حد تک ممکن العمل ہے اور وہاں بھی اس قسم کی قانونی سہولت فراہم ہے یا نہیں اس کا علم نہیں۔ اور اگر اس قسم کا قانونی تحفظ حاصل نہ ہو تو عدالتیں جتنے بھی فیصلے میاں بیوی کے مابین کرے گی اس میں جبر کی صورت ہوگی اور جبراً کسی چیز کو لازم کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ الا یہ کہ شوہر کی طرف سے تعدی اور ظلم ثابت ہو جائے تو اس صورت میں جج شوہر پر جبر کر سکتا ہے اور اس سے خلاصی کی کسی صورت (طلاق۔ منظوری خلع) وغیرہ کو شوہر کی مرضی سے لاگو کر سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی شوہر کی مرضی اصل ہوگی۔ چنانچہ اس قسم کی صورت میں مولانا تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ (۳/۳۳۳، کتاب القضاء) پر تحریر فرمائی ہے ملاحظہ ہو:

الجواب:- ”قال الله تعالى فامسكوهن بمعروف ولا تمسكوهن ضراراً لتعتدوا“ یہ آیت اپنے عموم الفاظ سے دال ہے تحریم اضرار اور ایجاب تسرع پر جبکہ امساک بالمعروف نہ ہو سکے پس جب صورت مسئلہ میں زوج پر تطلق واجب ہے اور واجب پر قادر شخص پر جبر جائز ہے، اس لئے حالت کذائیہ میں حاکم سے استغاثہ واستعانت فی التطلق بلاشبہ جائز ہے، باقی اگر شوہر باوجود اس کے طلاق نہ دے تو خود حاکم کا حکم بالتفریق ناکافی ہے۔ لفقہ شرائط۔

لہذا ان ممالک کے مسلم باشندگان کو چاہئے کہ وہ کوشش و جدوجہد کر کے پارلیمنٹ میں یہ بل پاس کروائیں کہ ہم مسلمان برطانیہ اپنے مابین مسائل میں شریعت کے مطابق فیصلہ ہی چاہیں گے، لہذا شریعت کے مطابق فیصلے کئے جائیں اور مسلم حج کا تقرر کیا جائے تاکہ وہ فیصلہ کرے۔ چونکہ ہمارے مذہب اسلام میں غیر مسلم کا فیصلہ لاگو نہیں ہوتا ہے۔

الباب السادس فی ولاية القضاء صفحہ (۸۳، ۸۴) پر علامہ ماوردی نے اپنی مشہور کتاب ”الأحكام السلطانية والولايات الدينية“ میں چوتھی شرط کے تحت تحریر فرمایا: ”والشرط الرابع: الإسلام يكون شرطاً في جواز الشهادة مع قول الله سبحانه وتعالى: ”ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً“ الآية ولا يجوز أن يقلد الكافر القضاء على المسلمين ولا على الكفار وقال ابو حنيفة: يجوز تقليده القضاء بين أهل دينه“۔

مذکورہ صراحت سے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ کافر ججوں کے فیصلے مسلمانوں کے حق میں شرعاً نافذ نہیں ہوں گے۔ جبکہ عام طور پر عدالتوں میں مسلم عورتوں کے مطالبہ پر یعنی درخواست دینے پر جج فتح نکاح یا تفریق یا علیحدگی کا فیصلہ کر دیتے ہیں، اور شوہر کے خواہی نہ خواہی بلکہ حضور و عدم حضور کی صورت میں بھی فیصلہ صادر کر دیا جاتا ہے، تو اس صورت میں مسئلہ کا ایک

حل تو وہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ اگر یہ بات حکومت مان لیتی ہے اور ظاہر ہے کہ اس کو منوانا اتنا آسان نہیں ہے لیکن اس سلسلہ میں اگر کوششیں کی جائیں تو کوئی بعید نہیں کہ آج نہیں تو کل یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے۔

دوسرا طریقہ اس مسئلہ کے حل کا یہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں میں سے دینی شعور رکھنے والا عمومی طبقہ اور علماء کرام باہمی اتفاق سے ملک کے مختلف آبادی والے بڑے بڑے شہروں میں دارالقضاء (اسلامی عدالت) قائم کریں اور ان دارالقضاء میں معاملہ فہم تربیت یافتہ علماء کا تقرر کیا جائے اور وہ علماء کرام مسلمانوں کے آپسی نزاعات میں شرعی فیصلے صادر کریں۔ چونکہ علامہ شامی و دیگر فقہاء احناف نے اس کی صراحت کی ہے کہ ”یصبر القاضی قاضياً بتراضی المسلمین“ قاضی قاضی ہو جائے گا مسلمین کی تراضی سے۔

علاوہ ازیں اگر سر دست یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر وہی طریقہ اختیار کیا جائے جس کو مولانا اشرف علی تھانوی نے ”الحیلۃ الناجزہ“ میں ذکر فرمایا: ہر جگہ کم از کم تین افراد پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جن میں کم از کم ایک عالم دین ہوں باقی حضرات معاملہ فہم دیندار ہوں وہ لوگ معاملہ کو شرعی بنیادوں پر حل کریں۔ کسی ایک کا فیصلہ نہ ہو بلکہ تینوں حضرات بالاتفاق کسی نتیجے پر پہنچے، چنانچہ اس قسم کی کمیٹیاں شرعی پنچایت ہوں گی اور ان کا فیصلہ قضاء قاضی کے حکم میں ہوگا۔ اس کی مزید تفصیلات ”الحیلۃ الناجزہ“ میں موجود ہیں۔

مذکورہ تین طریقہ ان ممالک میں مسلمانوں کے باہمی مسائل حل کرنے کے ہو سکتے ہیں، ان طریقوں کو اختیار کر کے شرعی بنیادوں پر مسائل طلاق و خلع و فسخ و تفریق کو حل کیا جاسکتا

ہے۔



غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم

مولانا عبداللطیف پالپوری ☆

۱- ”وأجمعوا على ان قوله لأجنبي: طلق امرأتى توكيل ولا يتقيد بالمجلس وهو فصل التوكيل“ (بدائع الصنائع ۳/۱۲۲)۔

(اس بات پر اجماع ہے کہ کسی آدمی کا اجنبی شخص کو یہ کہنا کہ تو میری بیوی کو طلاق دیدے یہ تو کیل ہے اور مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگی)۔

”إذا وكلت الذميمة مسلما بخلعها من الذمي على خمر أو خنزير جاز ولو كان أحد الزوجين مسلما والوكيل كافرا جاز الخلع ويبطل الجعل - كذا في المبسوط“ (ہندیہ ۳/۶۱۲، باب الوکالة بالطلاق)۔

(جب ذمی نے کسی مسلمان کو ذمی سے شراب اور سور پر خلع کرنے کا وکیل بنایا تو جائز ہے، اور اگر زوجین میں سے ایک مسلمان ہو اور وکیل کافر ہو تو خلع جائز ہے اور اجرت باطل ہو جائے گی)۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ کسی اجنبی کو یہ کہنا کہ ”طلق امرأتی“ تو کیل بالطلاق ہے، اور تو کیل بالطلاق مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوتی، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کافر کو خلع و طلاق جیسے مسائل میں وکیل بنانا صحیح ہے۔ سوالنامہ کی پہلی صورت میں شوہر کی طرف سے

☆ جامعہ نذیریہ، کوکاسی، گجرات۔

غیر مسلم عدالت میں رخصتہ ازدواج کو ختم کرنے کی درخواست دینا یہ تو کیل بالطلاق ہے، جو شرعاً صحیح ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوا، لہذا غیر مسلم عدالت کا فیصلہ طلاق معتبر اور نافذ ہوگا۔

لیکن بے غبار صورت یہ ہے کہ اگر شوہر قانونی مجبوری کی وجہ سے عدالت کے فیصلہ کے بغیر رخصتہ ازدواج کو ختم نہ کر سکتا ہو یا شوہر کے طلاق دینے کی صورت میں عورت کی طرف سے شوہر کے خلاف عدالتی کارروائی کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں شوہر قانونی طور پر اس سے تحفظ کے لئے غیر مسلم عدالت سے رخصتہ ازدواج کو ختم کرنے کا فیصلہ حاصل کر لے، اس کے بعد اپنے شرعی اختیار کی بنیاد پر طلاق دیدے۔

۲- دوسری صورت میں چونکہ شوہر کی طرف سے درخواست کی صورت میں صراحتہ تو کیل بالطلاق نہیں پائی گئی، اور دستخط کرنے میں رضاء اور عدم رضاء دونوں کا احتمال ہے، لہذا عدم رضاء کی صورت میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ شرعاً معتبر اور نافذ نہ ہوگا، اور رضاء کی صورت میں اگر اس کو دلالتہ تو کیل بالطلاق مانا جائے تو عدالت کا فیصلہ طلاق معتبر اور نافذ ہونا چاہئے۔

۳، ۴- الحلیۃ الناجزہ ۴۵ پر ہے: ہندوستان کی جن ریاستوں میں قاضی شرعی موجود ہیں، وہاں تو معاملہ اہل ہے، اور گورنمنٹی علاقوں میں جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام، جج، مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے: "لما فی الدر المختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجانر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ" لیکن اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے فسخ وغیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا، "لان الکافر لیس باهل القضاء علی المسلم، کما هو مصرح فی جمیع کتب الفقہ" نیز فتاویٰ رحیمیہ میں

اس سلسلے کا ایک سوال وجواب مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں:

سوال:- ایک عورت نے کنیڈا میں کورٹ میں درخواست دی کہ میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی مگر شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، یہی وجہ ہے کہ اس نے کورٹ میں نہ کسی تحریر پر دستخط کئے ہیں، نہ طلاق نامہ لکھنے کے لئے کہا اور نہ زبان سے طلاق دی، عورت نے اپنے دستخط کر کے کورٹ میں جو درخواست پیش کی، اسی درخواست کو بنیاد بنا تے ہوئے کورٹ نے اپنا تحریری فیصلہ عورت کو دیدیا، جس میں دونوں کے درمیان تفریق کر دینے کا تذکرہ ہے تو شرعی اعتبار سے عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور دونوں کے درمیان تفریق ہوگئی یا نہیں؟

جواب:- صورت مسئلہ میں عورت نے اپنے طور پر شوہر سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے کورٹ میں درخواست دی مگر شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا، اسی وجہ سے نہ اس نے کسی تحریر پر دستخط کئے نہ خود طلاق نامہ لکھا نہ کسی کو لکھنے کے لئے وکیل بنایا اور نہ زبانی طلاق دی، کورٹ نے عورت کی درخواست پر فسخ نکاح کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی۔

اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے، اور جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم مجسٹریٹ شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، یا پھر دیندار مسلمانوں کی شرعی پنچایت (جماعت مسلمین) جس میں کم از کم ایک دو مستند عالم بھی ہوں، یہ پنچایت شرعی تحقیق کے بعد فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی معتبر ہوتا ہے، غیر مسلم مجسٹریٹ کا فیصلہ ایسے معاملات میں معتبر نہیں ہوتا، لہذا صورت مسئلہ میں عورت یا شوہر سے طلاق حاصل کرے، اگر وہ انکار کرے تو خلع کر لے یا پھر شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کر کے ان کے فیصلہ کے مطابق عمل کرے (فتاویٰ رحمہ ۲۰۴/۸، کتبہ رحمہ ہجرات راندر)۔

مذکورہ بالا الحلیۃ الناجزۃ کی عبارت اور فتاویٰ رحیمیہ کے اس سوال و جواب سے سوالنامہ کی تیسری اور چوتھی صورت کا حکم بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ تیسری صورت میں اگر عدالت نے تفریق کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا، اور چوتھی صورت میں اگر مسلم حج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمات کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو اور وہ مسلم حج شریعت کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ بھی شرعاً معتبر اور نافذ ہوگا۔

☆☆☆

فسخ نکاح میں غیر مسلم ممالک کے عدالتوں کا فیصلہ

مولانا محمد قاروق درہنگوی

شریعت اسلامیہ نے کسی بھی مسلمان کے خلاف حکم و فیصلہ کے صحیح ہونے کے لئے قاضی و حاکم کے مسلمان ہونے کو ضروری قرار دیا ہے، بغیر صفت اسلام کے بہت ممکن ہے کہ ایک شخص حاکم و قاضی تو ہو جائے اور اس کے فیصلہ ذمی و کافر کے خلاف نافذ بھی ہو، لیکن کسی بھی مسلمان کے خلاف نافذ نہیں ہوں گے۔

”قال فی البحر: وبہ علم أن تقلید الکافر صحیح وإن لم یصح قضاءہ علی المسلم حال کفرہ“ (شامی ۲۴)۔

(بحر الرائق میں فرمایا کہ اس سے معلوم ہو گیا کہ کافر کو منصب قضاء پر فائز کرنا صحیح ہے اگرچہ اس کا فیصلہ مسلم کے خلاف اس کے کفر کی حالت میں معتبر نہیں)۔

اور یہ اس لئے کہ حکم و قضا باب ولایت سے ہے، جس میں انسان اپنی بات دوسرے پر اس کے رضا و اباہ دونوں صورت میں نافذ کرتا ہے، اور اس قسم کی ولایت کسی بھی کافر کو مسلمان پر حاصل نہیں، جیسا کہ امام ابو بکر جصاصؒ آیت کریمہ: ”یا ایہا الذین امنوا لاتتخذوا الکافرین اولیاء“ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

”اقتضت الآية النهی عن الاستنصار بالكفار والاستعانة بهم والركون عليهم، وهو يدل علی أن الکافر لا یستحق الولاية علی المسلم“ (احکام القرآن

للغنائی ۲/۳۶۳)۔

(آیت پاک تقاضا کرتی ہے کہ کفار سے نصرت و مدد حاصل کرنا ان پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ممنوع ہو، اور یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کافر کو مسلمان پر کسی قسم کی ولایت کا استحقاق نہیں)۔

”وفی الهدایة: لایجوز تحکیم الکافر لانعدام اهلیة القضاء وفی فتح القدیر إلا أن یحکمه الذمیان، لأنه من أهل الشهادة علیهم فهو من أهل الحکم علیهم“ (فتح القدیر ۷/۲۹۶)۔

(اور ہدایہ میں ہے کہ کافر کو حاکم بنانا جائز نہیں، کیونکہ اس میں قضاء کی اہلیت پائی نہیں جاتی، اور فتح القدیر میں ہے کہ مگر جب دو ذمی کسی کافر کو حاکم بنائے تو ان کے خلاف کافر کا فیصلہ جائز ہوگا، اس لئے کہ کافر ذمیوں کے خلاف اہلیت شہادت رکھتا ہے تو ان کے خلاف فیصلہ کی بھی اہلیت ہوگی)۔

اسی لئے حضرات شوافع کے نزدیک کوئی کافر نہ تو ابتداء کسی مسلم غلام کا مالک ہو سکتا ہے اور نہ تو اس کو خرید سکتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان پر کافر کے لئے سبیل کی نفی کی ہے، اور خرید و فروخت کے ذریعہ مالک ہو جانا، مسلمان پر سبیل و غلبہ کا حاصل ہو جانا ہے (الجامع لاحکام القرآن القرطبی ۳/۲۸۸، دار الفکر)۔

البتہ ہمارے احناف کے یہاں مسلمان غلام کا کافر مالک تو ہو سکتا ہے مگر بیچ کر اسے اپنی ملکیت سے نکالنے پر مجبور کیا جائے گا، تاکہ کافر کا غلبہ اور سبیل مسلمان پر لازم نہ آئے۔

”قال أبو حنیفہ: الشراء صحیح لكن یجبر الکافر أن یشیع العبد بحکم هذه الآية نظر اللجانین“ (تفسیر مظہری ۲/۲۳۳، بیروت)۔

مذکورہ سطور سے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی کافر کو کسی بھی مسلمان پر نہ کوئی غلبہ

اور سبیل دیا ہے اور نہ ایسی تو لیت دی ہے کہ اس کے ذریعہ سے کسی مسلمان کے خلاف اپنے قول کی تصفیہ کر سکے، اسی بنیاد پر کسی بھی کافر کی کوئی گواہی کسی بھی مسلمان کے خلاف قابل قبول نہیں۔

لہذا جب دو مسلمان کسی کافر کی عدالت میں مرافعہ قضاء کرے اور وہ کافر کسی ایک کے حق میں فیصلہ کر دے تو ظاہری بات ہے کہ یہ فیصلہ دوسرے مسلمان کے خلاف ہوگا، اور مذکورہ تفصیلات کے خلاف لازم آئے گا، اس لئے اس کا فیصلہ شرعی اعتبار سے معتبر نہ ہوگا۔

چنانچہ ایسے ممالک جہاں کے حکام و جج غیر مسلم ہوں ان کے فسخ نکاح، و طلاق کے فیصلہ میں تفصیل ہوگی، وہ یہ کہ:

مرد یا زن کے مرافعہ معاملہ کے بعد اگر کافر جج شوہر کو بلا کر اس کے اختیار و رضاء سے طلاق نامہ لکھوائے یا لکھے ہوئے طلاق نامہ پر اس کے پڑھنے کے بعد بلا جبر و اکراہ دستخط کروائے، یا زبانی طلاق دلوائے، پھر جج فرقت کا فیصلہ نامہ تحریر کر دے، تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی، اور حقیقت میں یہ طلاق شوہر کی جانب سے شمار ہوگی، حاکم کی جانب سے نہیں۔

لیکن اگر شوہر سے طلاق نہیں دلوائی بلکہ لڑکی یا لڑکا کی درخواست پر حاکم غیر مسلم نے خود مختاری کے ساتھ فیصلہ کر دیا، تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ہاں اگر اس قسم کے غیر اسلامی ممالک میں منجانب حکومت مسلم حاکم ہوں اور وہ شریعت کے مطابق شوہر سے بیان لیکر مقدمہ صحیح قرار دے اور فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ معتبر ہوگا (فتاویٰ محمودیہ ۱۱۸/۱۳، مہودہ و معلقہ پاکستان)۔ تفصیل مذکور کے بعد خلاصہ جواب حسب ذیل ہے:

۱- غیر مسلم عدالت میں شوہر کا رشتہ ازدواج کو ختم کرنے کی درخواست دینا حکیم کی ایک صورت ہے جس میں تفصیل مذکور کے مطابق شوہر سے طلاق لیکر فرقت نامہ تحریر کر دینا معتبر ہے،

ورنہ حاکم کا خود مختاری فیصلہ معتبر نہیں۔

۲- عدالت کا شوہر کو بلا کر دستخط لینا کہ ”جو فیصلہ ہوگا تم کو منظور کرنا ہوگا“ اگر شوہر نے اس شرط کو پڑھ کر بخوشی و رضادستخط کر دیا تو شوہر کے اس دستخط کی حیثیت ”امر بالید“ کی ہوگی، گویا شوہر کا پڑھ کر بخوشی دستخط کر دینا اپنے رشتہ ازدواج کا معاملہ بخوشی حاکم کے سپرد کر دینا ہے، کہ وہ باقی رکھے یا نہ رکھے، اور یہی مطلب ہے امر بالید کا، جیسا کہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

”الامر بمعنی الحال والید بمعنی التصرف والمعنی حال طلاق المرأة الذی جعل زوجها فی تصرفها“۔

(امر بمعنی حالت، اور یہ بمعنی تصرف۔ امر بالید کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے طلاق کی وہ حالت جس کو اس عورت سے شوہر نے اس کے تصرف میں دیدیا ہو)۔

”وفی البدائع لما جعل الأمر بیدها فقد خیرها بین اختیارها نفسها فی التطلق و بین اختیارها زوجها“ (بدائع، ۲۴۸/۳، مکتبہ باز)۔

(اور بدائع میں ہے کہ شوہر نے جب عورت کے اختیار میں طلاق دیدی تو دو باتوں کے مابین اس کو اختیار دیدیا کہ آیا وہ طلاق دینے میں اپنے آپ کو اختیار کر لے یا اپنے شوہر کو حسب سابق اختیار کئے رہے)۔

لہذا اس صورت میں جب بھی حاکم فیصلہ کرے گا، اس کا اعتبار ازروئے شرع ہوگا۔

۳- اس صورت میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ معتبر نہیں، البتہ حاکم مسلم، شرعی امور کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ کر دے تو معتبر ہوگا۔

۴- غیر مسلم ممالک میں مسلم حاکم کا فیصلہ اگر شرعی ضابطہ کے مطابق ہو تو ازروئے شرع اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور حکومت غیر مسلم ہونے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔



غیر اسلامی عدالتوں میں طلاق کے مسائل

حافظ شیخ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

۱- مذکورہ درخواست کی حیثیت تفویض کی ہے اور غیر مسلم عدالت کو حکیم کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، اور غیر مسلم حج صاحبان کا فیصلہ اگر اسلامی قوانین کے مطابق ہوں جس کی توثیق معتبر و مستند علماء یا اسلامی تحریکات وغیرہ کے ذریعہ ہو تو یہ فیصلہ قابل قبول ہوگا ورنہ نہیں؛ جیسا کہ مؤقر علماء کے فتاویٰ میں مذکور ہے:

”ولاتتوقف صحة الزواج بما هو متبع فى القوانين الاسترالية لأن الزواج والطلاق من باب الولاية ولا ولاية لغير المسلم على المسلم ولكن يجب ان يوثق هذا الزواج لدى الجهات الرسمية الاسلامية المختصة بذلك“ (فتاویٰ معاصرہ ۲۰۲/۱۵)

۲- غیر مسلم عدالتوں میں مسلم عورتوں کا خلع وغیرہ کے لئے رجوع کرنا درست نہیں ہے بلکہ معتبر و مستند علماء یا اسلامی تحریکات وغیرہ کے ذریعہ خلع کا مطالبہ کیا جائے پھر اس خلع پر عدالتوں کے ذریعہ توثیق کی جائے تو مناسب ہے۔

۳- غیر اسلامی عدالتوں کو میاں بیوی کے مابین تفریق کرانے کا حق حاصل نہ ہوگا، البتہ عدالت کا فرض ہے کہ قانونی کارروائی کے ذریعہ شوہر کو عدالت میں حاضر کیا جائے اور اسلامی

☆ مفتی جامعہ دارالسلام عمر آباد، تاملناڈو۔

قانون کے مطابق کاروائی کرائے۔

۴- مذکورہ صورت میں وہ مسلم حج ان غیر اسلامی ممالک و عدالتوں کا ایک کل پرزہ ہے، لہذا ان حج صاحبان کو مسلم حاکم یا قاضی کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔

۵- غیر اسلامی عدالتوں اور حکام کے فیصلے اسلام کے مطابق ہوں تو وہ قابل قبول ہوں گے جن کی توثیق مستند علماء کرام سے ہو ورنہ دیگر صورت میں مسلم پرسنل لاء میں دخل اندازی درست نہ ہوگی، لہذا ایسے ملکوں میں مسلم کمیونٹی ردارالقضاء وغیرہ کے ذریعہ سے مسلمان اپنے شرعی مسائل حل کرائیں۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا محمد احسن عبدالحق ندوی ☆

نظام قضاء کا سب سے نازک پہلو یہ ہے کہ غیر مسلم حج کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں معتبر نہیں ہے، اسی طرح جو عورتیں سرکاری عدالتوں سے اپنا نکاح فسخ کروالیں تو وہ چاہے اسلامی قانون کے مطابق ہی کیوں نہ ہو، یہ فیصلے غیر معتبر ہیں اور عورت اپنے پہلے شوہر کی زوجیت میں باقی رہتی ہے اور یہ نکاح فسخ نہیں ہوتا ہے، نیز اس کے بعد کے تعلقات معصیت قرار پاتے ہیں، ایسی خواتین کے لئے اسلامی اور شرعی زندگی کی واحد راہ نظام قضاء کا قیام ہے (جدید فقہی مسائل ۴۳۶/۱)۔

فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ جو لوگ شہادت کے اہل ہیں وہ قضاء کے اہل ہیں اور شہادت کی اہلیت کے لئے جو شرط ہے وہی قضاء کی اہلیت کے لئے شرط ہے۔

شہادت کی اہلیت کے لئے کیا شرط ہے، علامہ شامی نے ”اہلہ اہل الشہادۃ“ کے تحت بحر کے حوالہ سے لکھا ہے: ”و حاصله أن شروط الشہادۃ من الإسلام والعقل والبلوغ والحرية وعدم العمى والحد في القذف، شروط لصحة توليته ولصحة حكمه بعدها“ (رد المحتار، کتاب القضاء، ۲۳/۸-۲۳)۔

(حاصل یہ ہے کہ شہادت کی شرائط یعنی اسلام، عقل، بلوغ، حریت، اندھانہ ہونا اور محدود فی القذف نہ ہونا اور قضاء کے عہدہ پر کسی شخص کے تقرر کی صحت کے لئے اور تولیت کے بعد

☆ مرکز الإمام أبي الحسن الندوي دار عرفات رائے بریلی، یوپی۔

اس کے حکم کے صحیح ہونے کے لئے یہی شرطیں ہیں)۔

مذکورہ عبارت کے بعد علامہ شامی نے یہ لکھا ہے: ”مقتضاه ان تقلید الکافر لایصح وإن أسلم“ اس کا مقتضاء یہ ہے کہ کافر کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ اہلیت قضاء کے لئے اسلام شرط ہے، غیر مسلم حاکم کا فیصلہ کافی نہیں، اگر حاکم غیر مسلم ہو تو وہاں غیر مسلم حاکم سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اس معاملہ کے لئے کسی مسلمان عالم کو مجاز کر دے کہ وہ شرعی فیصلہ کر دے اور پھر حاکم اس فیصلہ کو اپنی عدالت سے نافذ کر دے (کفایت المفتی ۱۳۲/۶)۔

اگر غیر مسلم حاکم نکاح فسخ کر دے تو عورت آزاد نہ ہوگی اور دوسرا نکاح نہ کر سکے گی، حاکم کے ضمن میں جو عبارت ذکر کی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اور اس کے فیصلہ سے فسخ وغیرہ بالکل نہیں ہو سکتا اور جہاں قاضی شرعی نہیں وہاں پر وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو حکومت کی طرف سے اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں، اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا حکم بھی قضاء قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، اور جہاں وہ بھی نہ ہوں تو وہاں مسلمانوں کی پنچایت کو بھی کچھ شرائط کے ساتھ نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے (کفایت المفتی ۱۶۷/۶)۔

اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا، فقہاء کے یہاں اس سلسلہ میں صراحتیں موجود ہیں:

”فلا تصح تولیة کافر الخ“ (المحرر المراق ۲۶۰/۶ ایضاً، رد المحتار کتاب القضاء

۲۳/۸)۔

اس لئے غیر مسلم جج کی طرف سے نکاح فسخ کر دیا جائے تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں، اصل یہ ہے کہ ایک بار نکاح کے وجود میں آ جانے کے بعد پھر شوہر ہی اس بات کا اختیار رکھتا ہے

کہ اس رشتہ کو ختم کرے، لیکن چونکہ قاضی کو مسلمانوں پر عمومی ولایت ہے، اس لئے وہ بہ حیثیت ولی عورت سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کر دیتا ہے، اب اس بات پر اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی، بلکہ اگر باپ خدا نخواستہ مرتد ہو جائے تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی، خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك

فليس من الله في شيء إلا أن تتقوا منهم تقية“ (سورہ آل عمران: ۲۸)۔

لہذا کسی غیر مسلم حج کا نکاح فسخ کر دینا غیر معتبر ہے اور اگر عدالت فیصلہ بھی کر دے تو اپنے علاقہ کے ”قاضی شریعت“ سے رجوع ہو کر دوبارہ اپنے معاملہ کی تفتیح کرائی جائے، (جدید فقہی مسائل، ۱/۳۵۳)۔

مسلمانوں کے لئے قطعاً جائز نہیں کہ وہ اپنے معاملات غیر اسلامی سرکاری عدالتوں میں لے جائیں، غیر مسلم ججوں کا فیصلہ مسلمانوں کے حق میں غیر معتبر ہے، اور ان کا فسخ کیا ہوا نکاح باقی رہتا ہے اور نکاح ثانی جائز نہیں ہوتا۔

”ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة من

الإسلام والتكليف والحرية“ (ہندیہ ۳/۳۷۷)۔

فقہاء نے یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر مسلمان ایسے ملک میں ہوں، جہاں غیر مسلمانوں کا غلبہ ہو، تب ان پر واجب ہے کہ وہ اپنے لئے امیر منتخب کریں، جو ان کے باہمی مقدمات کے فیصلہ کے لئے قاضی کا تقرر کرے۔

”وفي الفتح وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقليد منه كما هو في

بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن، يجب على المسلمين

أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه والياً فيولى قاضياً“ (رد المحتار کتاب القضاء، ۸/۲۳۳)۔

اس لئے کسی مسلمان مرد یا عورت کا شرعی دارالقضاء کو چھوڑ کر غیر اسلامی اداروں سے فیصلہ کا طلب گار ہونا قطعاً ناجائز اور سخت گناہ ہے۔

مذکورہ بحث کے بعد سوالات کے جوابات ملاحظہ ہوں:

۱- شوہر کے غیر مسلم عدالت میں درخواست دینے کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دیتی ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ غیر مسلم عدالت کا یہ فیصلہ صحیح نہیں مانا جائے گا، اسی طرح درخواست کو تفویض و تحکیم بھی نہیں مانا جائے گا، غیر مسلم جج کا فیصلہ مسلمان کے حق میں غیر معتبر ہوگا۔

۲- عدالت میں عورت کی طرف سے رشتہ نکاح ختم کرنے کے درخواست آتی ہے، عدالت شوہر سے اس بات پر دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تمہیں منظور کرنا پڑے گا، کارروائی کے بعد عدالت علاحدگی کا فیصلہ کر دیتی ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ نہ ہی علاحدگی ہوگی اور نہ ہی دستخط کی کوئی حیثیت ہوگی۔

۳- عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر جو فیصلہ کیا ہے وہ صحیح نہیں مانا جائے گا۔

۴- اگر جج غیر مسلم حکومت اور غیر مسلم عدالت کا ہے، مگر وہ مسلمان ہے، تو اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جائے گی، اور وہ جو فیصلہ کرے گا، اگر وہ فیصلہ شرعی قاعدہ کے مطابق ہے تو اس کے فیصلہ و فرقت کا اعتبار ہوگا اور اگر شرعی قاعدہ کے مطابق نہیں ہے تو نہیں ہوگا۔

۵- غیر مسلم عدالتیں اور حکام مسلمانوں کے شرعی معاملات میں کسی حد تک فیصلہ نہیں کر سکتے، اسی طرح اگر وہ فیصلہ کر دیں تو مسلمان ان کے فیصلوں کا اعتبار نہیں کر سکتے، راقم الحروف کی یہی رائے ہے جو اوپر سوالات کے جوابات کے ضمن میں ذکر ہوئیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا رضوان الحق مظاہری ☆

۱- رشتہ نکاح کو توڑنے اور ختم کرنے کا حق شریعت نے شوہر ہی کو دیا ہے، شوہر کے علاوہ کسی کو یہ حق شوہر کی طرف سے اس کی نیابت اور شوہر کی اجازت سے حاصل ہوتا ہے مثلاً یہ حق شوہر کی اجازت کے بعد تفویض کی صورت میں یا شوہر کی اجازت کے بعد توکیل کی شکل میں دوسرے کو حاصل ہوتا ہے اور کبھی حاکم کو حاصل ہوتا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ حاکم قاضی شرعی اور مسلمان مگر یہاں شوہر کا غیر مسلم عدالت میں درخواست دینا اس کو فقہاء کی تشریح کے مطابق تفویض مانا جاسکتا ہے اور عدالت کا فیصلہ کارروائی کے بعد طلاق کا معتبر اس لئے مانا جائے گا کہ شوہر نے اپنی نیابت عدالت کو سپرد کیا ہے اور عدالت محض شوہر کا وکیل ہے نہ کہ فیصل (چوں کہ غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر نہیں ہے) یہاں حج صرف وکیل ہے اگر چاہے تو شوہر اپنے اس درخواست کو واپس لے سکتا ہے اور اپنی نیابت کا حق ختم کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: ”وإذا قال لرجل: طلق امرأتی فله أن يطلقها فی المجلس وبعده وله أن يرجع، لأنه توکیل واستعانة فلا يلزم ولا يقتصر علی المجلس باب تفویض الطلاق فصل فی المشیة“ (ہدایہ ثانی)۔

(اور جب کہا کسی مرد سے: میری بیوی کو طلاق دیدے تو اس کے لئے اختیار ہے کہ وہ

☆ مدرسہ اعجاز العلوم احمد نگر، مہاراشٹر۔

اس کو مجلس اور مجلس کے بعد طلاق دے اور شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ رجوع کرے، کیوں کہ یہ توکیل ہے اور استعانت، لہذا لازم نہ ہوگا اور نہ مجلس پر منحصر ہوگا۔

اسی طرح علامہ عینی ^{لکھنوی} البنا یہ شرح ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں: ”أما جواز التطليق للوكيل فلأنه أقامه مقام نفسه، وأما جواز ذلك بدون قيد المجلس فكان الوكيل أجنبي وقد يقدر على أن يعين الوكيل في المجلس وقد لا يقدر فلم يقتصر على المجلس“ (عوال البنا یہ شرح ہدایہ ۱۵/۳۹۴)۔

(بہر حال طلاق کے لئے وکیل بنانے کا جواز اس لئے ہے کہ وکیل کو اپنے قائم مقام بنانے کی وجہ سے اور مجلس کے علاوہ میں جواز کا قید اس بنا پر ہے کہ وکیل اجنبی ہے، اس لئے اس کو مجلس کے بعد بھی یہ اختیار باقی رہے گا)۔

علامہ ابن نجیم ^{مصری} لکھتے ہیں: ”لوقال لرجل: طلق امرأتی لم يتقيد بالمجلس لأنه توکیل و استعانة فلا يقتصر على المجلس وأشار إلى انه له الرجوع عنه“ (المحررات ۳/۲۳۰ مطبوعہ رشیدیہ پاکستان)۔

(اگر کہا کسی مرد سے کہ میری بیوی کو طلاق دیدے تو مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگا، اس لئے کہ وکالت نام ہے مدد و استعانت کا، لہذا مجلس کے ساتھ خاص نہ ہوگا اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ شوہر کو اس سے رجوع کا حق ہے)۔

علامہ محقق ابن ہمام لکھتے ہیں: ”أى للقاتل أن يرجع، لأن هذا توکیل والتوکیل استعانة فلا يلزم وله أن يرجع ولا يقتصر، وللوکیل ان يفعله بعد المجلس“ (فتح القدير ۳/۹۹)۔

(طلق امرأتی کہنے والے کو اجازت ہے کہ وہ اپنے قول سے رجوع کر لے، اس لئے کہ توکیل اصل میں استعانت ہے، لہذا لازم نہ ہوگا اور شوہر کے لئے رجوع کرنا جائز ہوگا)۔

فقہائے کرام کی ان تمام تشریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کے درخواست پر حج صرف وکیل ہے جس کو شوہر کی طرف سے نیابت حاصل ہے اور وہ مجلس میں اور مجلس کے بعد عمل کر سکتا ہے، نہ کہ اس معنی کر کہ غیر مسلم حج ہونے کے اعتبار سے اس کا فیصلہ قبول کیا جائے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی طرف سے عدالت میں درخواست آتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کیا جائے عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور کاروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا اور شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

”وفی البحر إن المراد الاكراه على التلغظ بالطلاق، فلو اكراه على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا“ (حوالہ بحر الرائق کتاب الطلاق رد المحتار ۲/۴۴۰)۔

(اگر شوہر سے جبراً تلفظ طلاق کہلوائے تو طلاق واقع ہو جائے گی، لیکن اگر جبراً اس سے لکھوائے تو طلاق واقع نہ ہوگی کتابت اگرچہ تلفظ کے قائم مقام ہوتا ہے مگر ضرورت کے وقت) چونکہ حج اور حاکم غیر شرعی کے سامنے شوہر دستخط کرتا ہے نہ تو طلاق کا پتہ ہے نہ ہی طلاق نامہ کے مضمون کا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے یا اس میں آئندہ کیا لکھا جائے گا اور کاروائی کے بعد طلاق کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور شوہر سے دستخط لینا ایک دھوکا اور فریب ہے جو درست نہیں ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہوتی ہے کہ عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا تو مگر دستخط و تفویض پر تیار نہیں ہوا اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو اس کا کیا حکم ہوگا جبکہ اس صورت میں جو فیصلہ ہوا ہے اس کی بابت شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے۔

(۴) چوتھی صورت: کیا مسئلہ میں اس سے بھی کچھ فرق پڑ سکتا ہے کہ حج اگرچہ غیر مسلم

مختصر تحریریں

حکومت کا اور غیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس قسم کا کام بھی کرتا ہے تو کیا اس کو مسلم حاکم و قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کے فیصلہ فرقت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

جواب: قواعد اسلامی اور اسلامی نقطہ نظر بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں پر غیر مسلم حاکم و قاضی ہو ہی نہیں سکتا، فقہاء کرام کے یہاں اس سلسلے میں بہت زیادہ صراحتیں موجود ہیں۔ (دیکھئے البحر الرائق علامہ ابن نجیم کی کتاب القاضی جلد ۷، رد المحتار جلد ۴)۔

اس لئے غیر مسلم حج و قاضی کی طرف سے نکاح فسخ کر دیا جائے تو شرعاً اس کا اختیار نہیں ہے (جدید فقہی مسائل)۔ کیوں کہ بات اصل یہ ہے کہ ایک بار نکاح وجود میں آ جانے کے بعد شوہر ہی اس بات کا اختیار رکھتا ہے کہ اس رشتہ کو ختم کرے، لیکن چونکہ قاضی کو مسلمانوں پر عمومی ولایت حاصل ہے، اس لئے وہ جب حیثیت ولی عورت سے ظلم کو دفع کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کر سکتا ہے۔ اس بات پر اجماع ہے کہ غیر مسلم کو مسلمانوں پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اگر باپ بھی مرتد ہو جائے خدا نخواستہ تو مسلمان بیٹے پر اس کی ولایت باقی نہیں رہے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء" (قرآن)۔

(اہل ایمان مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو اولیاء نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے یہاں کسی شمار میں نہیں)۔

لہذا کسی غیر مسلم حج کا نکاح فسخ کر دینا غیر معتبر ہے اور عورت اس کو فسخ سمجھ کر کسی دوسرے مرد سے اپنا نکاح کر لیتی ہے تو یہ ناجائز اور حرام ہوگا۔

(۵) وہ مسلمان حج اور قاضی جو غیر اسلامی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے مسائل کو حل کرنے کے پابند بنائے گئے ہیں اور وہ اپنے عمومی فرائض منصبی کے تحت اس کام کو انجام

دیتے ہیں تو اس کو مسلم بیچ اور قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔

چنانچہ امداد الفتاویٰ (۲۲۷/۳ کتاب القضاء) میں یہ جواب اس طرح سے موجود ہے: ”قاضی آن کہ برائے فصل خصومات حاکم ساختہ شود برائے عموم نفاذ احکامش و طریق ست نویست از سلطان گو کافر باشد درین ملک آن احکام کہ برائے این غرض از سرکار مامور کردہ می شوند، اگر مسلمان باشد در حکم قضاة ہشتہ“ (وہ قاضی جو جھگڑوں کو منانے کے لئے اور مسلمانوں کے عمومی احکام وغیرہ کی نفاذ کے لئے بنائے گئے ہوں تو اس کو تولیت حاصل ہے، اگرچہ کافر بادشاہ کی طرف سے ہو اور اسی طرح سرکار کے طرف سے مامور کردہ مسلمان مسلمانوں کے لئے فیصلہ کرے تو وہ قضاة کے حکم میں ہوگا)۔

”وفی الدر المختار: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجبائر ولو کافراً ذکوره مسکین وغیرہ“۔

(جائز اور صحیح ہے قاضی بنانا بادشاہ کی طرف سے بادشاہ عادل ہو یا ظالم یہاں تک کہ اگر بادشاہ کافر بھی ہو تو اس کا قاضی مقرر کرنا درست ہے) (حوالہ الدر المختار کتاب القاضی)۔

☆☆☆

غیر مسلم عدالت کے ذریعہ طلاق کا شرعی حکم

مولانا افتخار احمد مفتاحی ☆

طلاق حق شرعی ہے جو شوہر کو حاصل ہوتا ہے، اس لئے شوہر کو چاہئے کہ اگر حالات سخت پریشان کن ہیں اور ازدواجی زندگی خوشگوار گزرنے کا امکان نہیں ہے تو اپنی بیوی کو از خود طلاق دے دے اور اگر طلاق از خود دینے میں کچھ دشواری پیدا ہونے کا امکان ہے تو اپنی بیوی یا اپنے کسی ولی یا جماعت المسلمین کو یہ حق سپرد کر دے، غیر مسلم عدالت کو اپنا حق شرعی تفویض نہ کرے، اس لئے کہ غیر مسلم عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد بھی طلاق و فرقت کا فیصلہ کر دے گی تو بھی وہ شرعاً معتبر نہیں ہوگا (الحلیۃ الناجزہ)۔

”لا یتخذ المؤمنون الکفرین اولیاء من دون المؤمنین“۔

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ کسی شوہر کو اپنا حق شرعی غیر مسلم عدالت کو سپرد کرنے سے روکا جائے باوجود اس کے اگر شوہر غیر مسلم عدالت میں یہ درخواست دیتا ہے کہ میرے رشتہ ازدواج کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے اور اس کے بعد عدالت ضابطہ کی کارروائی کرنے کے بعد علاقہ کی فیصلہ کر دیتی ہے تو بھی غیر مسلم عدالت کے اس فیصلہ کا اعتبار نہ کیا جائے۔

شریعت نے جہاں سخت مجبور کن حالات میں شوہر کو طلاق کا حق دیا ہے وہیں یہ حق عورت کو بھی خلع کی شکل میں مرحمت کیا ہے اور یہ بات بھی اپنی جگہ محقق ہے کہ طلاق دینے کا حق

شوہر ہی کو حاصل ہے، ہاں اگر شوہر اپنا حق کسی دوسرے کو دیدے تو نیابت میں اسے یہ حق حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کے حقوق کی رعایت بھی نہیں کرتا اور نہ ہی اسے طلاق دیکر اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہے، عورت مجبور ہو کر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتی ہے کہ میرا رشتہ نکاح ختم کر دیا جائے عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا وہ تم کو منظور کرنا ہوگا اور کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ عدالت کی طرف سے صادر کر دیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں عرض ہے کہ غیر مسلم عدالت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ شوہر کے حق طلاق کو بالجبر سلب کرے اور جدائیگی کا فیصلہ کر دے، اولاً تو اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں پر غیر مسلم قاضی نہیں ہو سکتا ”لان الکافر لیس باهل للقضاء علی المسلم“ اور نہ ہی غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعی معاملات میں مسلمانوں کے حق میں معتبر ہے: ”لا یتخذ المؤمنون الکفرین اولیاء من دون المؤمنین ومن یفعل ذالک فلیس من اللہ فی شیء إلا ان تتقوا منهم تقاة“ (آل عمران)۔

اس لئے عورت کو چاہئے کہ اولاً خلع کرانے کی کوشش کرے شوہر کو روپیہ، پیسہ کالاج دیکر خلع پر راضی کرے یا مہر کی ادائیگی شوہر کے ذمہ باقی ہو تو شوہر سے کہہ دے کہ آپ مجھے خلع دے دیجئے، میں مہر کو معاف کر دوں گی، اگر شوہر راضی ہو جاتا ہے تو فہماور نہ عورت اپنا معاملہ شرعی قاضی یا مسلمان حاکم اور جہاں یہ میسر نہ ہو تو جماعت المسلمین (مسلمان پنجایت جس میں تجربہ کار عالم بھی ہو، یا عالم کی رائے کے مطابق عمل ہوتا ہو) کے سامنے پیش کرے غیر اسلامی عدالت میں اپنا شرعی معاملہ لے جانا یہ مذہب سے دوری کی علامت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں عورت نے نامناسب اقدام کیا ہے، عورت کو چاہئے تھا کہ پہلے خلع کی کوشش کرتی ہو سکتا تھا کہ شوہر مال کے دام میں آ کر بیوی کو بطور خلع جدا کرنے پر راضی ہو جاتا، بصورت دیگر عورت جماعت المسلمین کی طرف رجوع کرتی لیکن عورت نے ان راستوں کو چھوڑ کر غیر اسلامی عدالت کی طرف رجوع کیا جو کسی طرح درست نہیں تھا۔

البتہ عدالت کا شوہر سے بالجبر دستخط لینا درست نہیں ہے اور نہ ہی اس کا اعتبار ہوگا، اس لئے کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ غیر اسلامی عدالت کی طرف سے صادر کرنا شرعاً معتبر نہیں ہونا چاہئے۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں نہیں آیا یا آیا تو مگر دستخط و تقویض پر تیار نہیں ہوا۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی کہ شوہر طلاق دینا نہیں چاہتا اسی وجہ سے نہ اس نے کسی تحریر پر دستخط کیا نہ خود طلاق نامہ لکھا اور نہ زبانی طلاق دی اور عدالت نے حالات کا جائزہ لیکر تفریق کا فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ شرعی اعتبار سے غیر معتبر ہے اور اس فیصلہ سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی، عورت کو چاہئے تھا کہ شوہر کو خلع پر آمادہ کرتی بصورت دیگر اس قسم کے مقدمات کے فیصلہ کا حق شرعی قاضی کو ہوتا ہے اور جہاں شرعی قاضی نہ ہوں جماعت المسلمین کو فیصلہ کا حق ہوتا ہے؟ قاضی یا جماعت المسلمین کے پاس اس معاملہ کو پیش کرتی لیکن اس کے باوجود عورت نے غیر اسلامی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جبکہ غیر اسلامی عدالت کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا، اس لئے غیر اسلامی عدالت نے عورت کی درخواست پر اگر فسخ کا فیصلہ کر دیا تو شرعاً معتبر نہیں ہونا چاہئے۔

۴- اسلامی قانون کے مطابق اگر شوہر بیوی کو نہ اچھائی سے رکھتا ہے اور نہ ہی اسے طلاق دیکر جدا کرتا ہے تو قاضی کا حق ہے کہ حالات کا جائزہ لیکر فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے، لیکن فسخ نکاح کے لئے قاضی کا مسلمان ہونا ضروری ہے اور جہاں قاضی شرعی نہیں ان میں وہ حکام جج مجسٹریٹ وغیرہ جو گورنمنٹ کی طرف سے اس قسم میں فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں اگر وہ مسلمان ہوں اور شرعی قاعدہ کے موافق فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ قضاء قاضی کے قائم مقام ہوتا ہے، خلاصہ کلام یہ کہ جج اگرچہ غیر مسلم حکومت وغیر مسلم عدالت کا ہے مگر مسلمان ہے تو اس کا فیصلہ معتبر ہونا چاہئے۔



غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا مسئلہ

مولانا محمد ذکاء اللہ شبلی، اندور

۱- زوج اگر خود اپنی رضا و خوشی سے طلاق کا اختیار کسی غیر مسلم جج کو تفویض کر دے اور جج اسکی طرف سے طلاق دیدے تو یہ طلاق میرے نزدیک نافذ اور واقع ہوگی اور یہ طریقہ صحیح و درست ہوگا۔

۲، ۳- البتہ دوسری و تیسری صورت میں غیر مسلم جج کا فیصلہ شرعاً نافذ نہ ہوگا۔

۴- حالات حاضرہ میں بالخصوص ایسے غیر مسلم ممالک جہاں شرعی قضاء کا نظام نہ ہو غیر مسلم عدالت کے ”مسلم جج“ کو مسلم حاکم اور قاضی کی حیثیت دی جاسکتی ہے اور اس کا تفریق و فتح نکاح کا فیصلہ نافذ اور قابل اعتبار ہوگا؟

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق کا فیصلہ

مفتی محمد حنیف ☆

شریعت اسلامیہ نے رشتہ نکاح کو ختم کرنے کا حق شوہر کو ہی دیا ہے، شوہر کے ماسوا کسی کو یہ حق نہیں دیا، اگر کسی کو یہ حق ہوتا ہے تو شوہر کے نیابت ہی میں ہوتا ہے یہ نیابت وکیل کی بھی ہو سکتی ہے اور کبھی حاکم و حکم کو بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے، لیکن اس زمانہ میں جس طرح شوہر کو طلاق کا حق حاصل ہے اسی طرح بہت سے ممالک میں عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے اور وہاں کے عدالت کے ذریعہ یہ کاروائی کی جاتی ہے جس کے حج عموماً غیر مسلم ہوتے ہیں اور یہ کاروائی کبھی شوہر کی رضامندی سے کی جاتی ہے اور جدائیگی کر دی جاتی ہے اور کبھی صرف عورت کی درخواست سے شوہر کی رضامندی کے بغیر دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے، تو کیا شریعت میں اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ اس کو سمجھنے کے لئے پہلے قاضی کے اوصاف معلوم کر لئے جائیں تو مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے میں بصیرت حاصل ہوگی۔

قاضی کے اوصاف:

قاضی کی اہمیت کیلئے چند چیزیں ضروری اور لازمی ہیں اس کا مسلمان ہونا، مکلف ہونا، عاقل اور بالغ ہونا، آزاد ہونا، وہ اندھانہ ہو، بہرانہ ہو، گونگا نہ ہو، اور نہ ہی محدود فی القذف ہو، خلاصہ یہ کہ قاضی شہادت کا اہل ہو اور کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ اگر وہ پائی جاتی ہیں تو ترجیح کا

☆ جامعہ اسلامیہ عربیہ کاشف العلوم ایجوکیشن ٹرسٹ۔

سب بنتی ہیں البتہ ان میں کمی آنے سے قضاء کی اہلیت سے خارج نہیں ہوتا۔
(۱) اہل الرائے ہونا، (۲) عدالت کا ہونا۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ سلطان یا امیر جس کی طرف سے عہدہ قضاء سپرد ہوا ہے اس کا عادل ہونا، اہل الرائے ہونا، شریعت کے اصول و فروع سے واقف ہونا اور اس کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے بلکہ اگر ظالم یا فاسق ہے یا کافر ہے تو بھی وہ کسی کو عہدہ قضاء سپرد کر سکتا ہے اور قاضی کے لئے اس عہدہ کو قبول کرنا جائز ہے۔

”ولا تصح ولاية القاضي حتى يجتمع في المولى شرائط الشهادة كذا في الهداية من الاسلام والتكليف والحرية وكونه غير اعمى ولا محدودا في القذف ولا اصرم ولا اخرس ويكون من اهل الاجتهاد والصحيح ان اهلية الاجتهاد شرط الاولوية حتى لو قلد جاهل وقضى هذا الجاهل بفتوى غيره يجوز كذا في المتقط وكذلك العدالة عندنا ليست بشرط في جواز التقليد لكنها شرط الكمال فيجوز تقليد الفاسق وتنفيذ قضايه اذا لم يجاوز فيها حد الشرع ويجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولكن إنما يجوز القضاء من السلطان الجائر اذا كان يمكنه من القضاء بحق ولا يجوز طاعته في الجور وذكر في المتقط والاسلام ليس بشرط فيه أى فى السلطان الذى يقلد كذا فى التاتارخانية (عالمگیری ۳/۳۰۷)، ويجوز تقليد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو كافرا“ (الدر المختار مع رد المحتار كتاب القضاء جلد نمبر ۵)۔

البتہ جہاں قاضی یا جج مسلمان نہ ہو تو وہاں مسلمانوں کی پانچایت کو بھی نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے یعنی قاضی کے حکم میں ہوتا ہے، شرط یہ ہے کہ فیصلہ شریعت کے موافق ہو (حاشیہ کفایت المفتی جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۱۶)۔

وکیل کے اوصاف:

وکیل ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو عقل رکھتا ہو یعنی نفع و نقصان کو پہچانتا ہو اور جس چیز کا وہ وکیل ہو ہے اس سلسلہ میں قصد و ارادہ بھی متحقق ہو۔

”ویشترط أن يكون الوكيل ممن يعقل العقد ويقصد لأنه يقوم مقام المؤكل في العبارة فيشترط أن يكون من أهل العبارة“ (ہدایہ ثالث صفحہ نمبر ۱۷۹)۔
نیز وکیل کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔

”إذا وكل المسلم أو الذمی حربیا مستأمنافی دار الاسلام بخصوصة أو بیع أو غیر ذالک جاز یجوز وكالة المرتد بان وكل المسلم مرتدا وكذا لو كان مسلما وقت التوكيل ثم ارتد فهو علی وكالته إلا أن يلحق بذار الحرب فیتطل الوكالة“ (عالمگیری جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۵۶۳)۔

اس وضاحت کے بعد صورت مسئلہ کی توضیح کی جاتی ہے: (۱) کہ اگر مسلمان مرد طلاق کے لئے مقدمہ دائر کرتا ہے اور کورٹ کا غیر مسلم جج قانونی کارروائی کے بعد دونوں کے درمیان جدائیگی کر دیتا ہے تو اب اس فیصلہ کے مطابق اسلامی اعتبار سے طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ شریعت اسلامی نے طلاق کا حق مرد کو دیا ہے اور مرد اپنے مقدمہ کے ذریعہ کورٹ کے جج کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس کا وکیل بن کر اس کا نکاح فسخ کر دے، اس صورت میں نکاح ٹوٹ جائے گا اور شرعاً طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ غیر مسلم کو وکیل بنا کر اس طرح کا کام کرنا درست ہے۔

۲- اگر عورت مقدمہ دائر کرتی ہے اور طلاق کا مطالبہ کرتی ہے تو اب اگر شوہر عورت کے مطالبہ طلاق کو قبول کر لے تو اگرچہ شوہر نے پہلے طلاق نہیں دی تھی اس کے باوجود حسب قاعدہ المرء یؤخذ باقراره اور حسب ضابطہ کہ عاقل، بالغ، مسلمان کے قول و فعل کو مہمما ممکن کے درجہ میں محمل صحیح اور حسن پر محمول کیا جائے گا، لہذا بطریق اقتضاء النص اس قبول شوہر کو ایقاع

طلاق قرار دے کر محض ایک طلاق کے وقوع کا حکم کیا جائے گا۔

۳- عورت کی درخواست کے بعد شوہر عدالت میں آیا لیکن اس نے عورت کے دعویٰ طلاق کو منظور نہیں کیا تو اگر عدالت شوہر سے ایقاع کے الفاظ کہلوائے خواہ جبر و اکراہ کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ احناف کے نزدیک مکہ کی طلاق واقع ہے، و طلاق المکروہ واقع (الہدایہ ۳۵۸)، اور ایسی صورت میں عورت کسی شرعی پتچایت میں طلاق حاصل کرنے اور اسکے ذریعہ تفریق حاصل کرنے کی محتاج نہ ہوگی، البتہ اگر ایقاع طلاق کے الفاظ کہلوائے بغیر محض عیسائی یا کسی غیر مسلم بیچ کے تفریق کر دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ ہی تفریق واقع ہوگی تو اگر اس صورت میں واقعی شوہر نان و نفقہ نہیں دیتا اور کھلم کھلا ظلم کرتا ہے اور طلاق شرعی دیکر آزاد بھی نہیں کرتا تو اس صورت میں عورت مسلم شرعی پتچایت کی طرف سے شرعی تفریق یا طلاق لینے کی محتاج ہوگی۔

۴- جی ہاں غیر مسلم کی عدالت میں اگر مسلمان بیچ ہے اور وہ شریعت کے مطابق فیصلہ کر دے تو اس کا اعتبار ہوگا، کیونکہ مقلد کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے: ”والاسلام لیس بشرط فیہ“ (عائگیری جلد نمبر ۳، صفحہ نمبر ۳۰۷)۔

۵- غیر مسلم عدالتیں اور حکام عقائد اور اصول اسلام کے حدود و قیود میں رہ کر اگر فیصلہ کرتے ہیں تو مسلمانوں کے معاملات میں ان کے فیصلے کا اعتبار ہوتا ہے، عقائد، عبادت، معاملات، معاشرت، اخلاق کے بابت اصول اسلام کے خلاف غیر مسلم حکام اور عدالت کے فیصلے کا اعتبار نہیں ہوگا، مذہبی رواداری کا پورا پورا پاس و لحاظ مسلمان کے لئے بہت ضروری ہے۔



غیر مسلم ممالک کی عدالتوں میں تفریق کا فیصلہ شریعت کی نظر میں

مفتی محمد ارشد فاروقی ☆

اسلامی نظام حکومت دنیا میں رائج نہ ہونے کے باعث انسان زندگی گزارنے کا نظام اپنے دماغ کے تخیلات و مفروضے کے مطابق بناتا ہے اور آئے دن اس میں تبدیلی کرتا ہے، تاریخ انسانیت ابدی قانون، مکمل لائحہ عمل اور مستقل نظام زندگی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ساری انسانیت کی فلاح و بہبود اور میپ روٹ صرف دین الہی ہے، اسی نے انسان کی تخلیق کی، وہی اس کے نظام سے اس کی فطرت سے واقف ہے۔ وهو اللطیف الخبیر۔ اس حقیقت کا تقاضا ہے کہ امت مسلمہ نظام اسلامی کو خود اپنے اوپر نافذ کر کے دنیا کے سامنے نمونہ پیش کرے اور دنیا کو یقین دلائے کہ اس سے بہتر کوئی نیا عالمی نظام نہیں ہو سکتا اور دعوتی سرگرمیوں کا بار بار جائزہ لیا جائے، امت کے کاندھوں پر اصل ذمہ داری انسانیت کی رہنمائی کرنی ہے۔

جب اسلامی تعلیمات حیات کے ہر شعبے کو حاوی ہوگی تو عالمی معاشرتی زندگی کی مشکلات بہ سہولت حل ہوں گی اور سارے فیصلے اسلامی عدالتوں کے ذریعے ہو کر انصاف و عدل سے دنیا بھڑے گی۔

☆ صدر شعبہ افتاء جامعہ الامام محمد انور دیوبند۔

لیکن جب تک نسیم صبح کے تازہ جھونکے مشام جاں نہیں بنتے بادِ سموم کی حرارت و مرارت برداشت کرتے ہوئے فقہ الاولویات کے پیش نظر حکمتِ عملی سے کام لینا فقہاء امت کا شیوہ ہے۔

موجودہ حالات میں ہر غیر مسلم ملک میں آباد مسلم اقلیت کے سربراہ علماء و دانشوروں اور سیاست میں سرگرم مسلمانوں کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ انہیں اس ملک میں ”مسلم پرسنل لا“ کو تحفظ حاصل ہو اس مقصد کے حصول کے لئے تمام ممکنہ ذرائع کا استعمال کیا جانا چاہئے۔

سوالات کے جوابات:

۱- شوہر غیر مسلم عدالت میں درخواست دیتا ہے کہ وہ رشتہ ازدواج کو ختم کرنا چاہتا ہے لہذا اس کے حق میں رشتے کے انقطاع کا فیصلہ کر دیا جائے، عدالت ضابطہ کی کارروائی کے بعد طلاق و فرقت کا فیصلہ کرتی ہے، اس صورت کا کیا حکم ہوگا اور کیا اس درخواست کو تفویض و تحکیم مانا جاسکتا ہے اور اسی بنیاد پر غیر مسلم خج کا فیصلہ معتبر ہوگا؟

اس صورت کو اگر اس پس منظر میں دیکھا جائے کہ شوہر طلاق دینے پر آمادہ ہے اور وہ اپنے ملکی قانون کے بعض نتائج سے بچنا چاہتا ہے، اس لئے وہ اپنے طور پر طلاق تو دے چکا ہے لیکن عدالت کے سامنے وہاں کے ضابطے کا پابند رہ کر درخواست گزار ہوتا ہے۔ تو مسئلہ بالکل واضح ہے، شوہر نے خود طلاق دی البتہ اس کا رجسٹریشن اس نے عدالت کی کارروائی کے ذریعہ کرادیا۔

اسلام نے شوہر کو طلاق کا اختیار دیا ہے اس کا استعمال ہی رشتہ نکاح کو ختم کرتا ہے، اس لئے شوہر کی طرف سے فرقت و جدائی اور نکاح کے رشتے کے خاتمے کی درخواست بے معنی ہے صرف ملکی نظام ظاہری رسم کی تکمیل ہے۔

اس صورت کو تحکیم نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ ان معاملات میں کافر خج نہیں بن

سکتا، المرغینانی لکھتے ہیں: ”ولایجوز تحکیم الکافر“ (کافر کو فیصلہ بنانا درست نہیں ہے) (باب التَّحْکِیْمُ کتاب ادب القاضی الہدایہ ۳/۱۳۴)۔

اگر شوہر نے سوال میں بیان کردہ شکل میں صرف درخواست برائے انقطاع نکاح دی ہے اور کافر حج نے فرقت کا فیصلہ کیا تو شرعی اعتبار سے یہ فیصلہ معتبر نہیں ہوگا۔

لیکن ملکی حالات و قوانین کے پیش نظر مسلم تنظیموں یا علماء کی ذمہ داری ہوگی کہ ایسے عدالتی فیصلوں پر نظر رکھیں اور اس صورت میں شوہر سے طلاق دلوائیں تاکہ شرعی طور پر یہ دونوں اجنبی ہو جائیں اور اس کشمکش کے شکار نہ رہیں کہ عدالت کے فیصلے سے طلاق نہ پڑنے کی وجہ سے رشتہ قائم ہے اور عدالت کی نظر میں نہیں، اس لئے مفاسد سے بچانے کے لئے اس طرح کے اقدام کی فوری ضرورت ہے۔

۲- عورت نے عدالت میں درخواست دی کہ رشتہ نکاح ختم کیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اس سے دستخط لیتی ہے کہ جو فیصلہ ہوگا منظور ہوگا۔ پھر عدالتی کارروائی کے بعد علاحدگی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس صورت حال کا کیا حکم ہوگا۔ شوہر کے دستخط کی کیا حیثیت ہوگی؟

اس صورت میں عدالت کی طرف سے علاحدگی کا فیصلہ زوجین کے حق میں غیر معتبر ہوگا شوہر کی سادے کاغذ یا جو فیصلہ ہوگا کے مضمون پر دستخط سے طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ طلاق نامہ لکھنے یا لکھانے اور طلاق نامہ کے مضمون کو پڑھنے یا سننے کے بعد اپنی مرضی سے دستخط کرنے کی صورت ہی میں طلاق معتبر ہوتی ہے، ”لأن الكتابة أقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة“ (بے شک تحریر تلفظ کا کام بہ وقت ضرورت کرتی ہے) (مطلب فی المسائل - رد المحتار علی الدر المختار ۱/۵۷۹)۔

عدالت کی طرف سے جو کاغذ پیش کیا گیا کہ شوہر اس پر دستخط کر دے اسے کسی صورت میں طلاق نامہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔

پھر حج کا یہ کہنا کہ جو کارروائی کی جائے گی اسے قبول کرنا ضروری ہوگا۔ تو اس عدالت کے کافر حج کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے اور شریعت کی اصطلاح میں وہ اس کا اہل نہیں ہے۔ اس طرح کے حالات کے شکار جوڑوں کو عدالتی فیصلے کے بعد مقامی شرعی اتھارٹی سے رجوع کرنا ضروری ہے تاکہ شریعت کے صریح احکام کی خلاف ورزی سے بچ سکیں اور وہ شرعی اتھارٹی شوہر سے طلاق دلانے کی کوشش اس صورت میں کرے جب ازدواجی زندگی کا نباہ مشکل ہو جائے۔

یا مسلمان عدالتوں میں اسلامی عائلی قوانین سے واقف مسلم حج کے تقرر کا مطالبہ کریں اور ایسے تنازعات کے لئے وہ فیصلہ کا کام کرے تو یہ عدالتی کارروائی درست تسلیم کی جائے گی اور اسے جزوی قاضی یا حکم کی حیثیت حاصل ہوگی۔

۳- عورت نے عدالت میں درخواست دی شوہر عدالت میں نہیں آیا یا اگر دستخط پر تیار نہیں ہوا عدالت نے تفریق کر دی۔ شوہر کی طرف سے کوئی آمادگی نہیں ہے؟ عورت نے ایک طرف عدالت میں درخواست دے کر تفریق و علاحدگی کا مطالبہ کیا اور عدالت نے شوہر کو بلایا پر وہ نہیں آیا پھر عدالت نے کارروائی کرتے ہوئے تفریق کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ شوہر اور بیوی کے رشتہ نکاح پر قطعی اثر انداز نہیں ہوگا۔ شوہر نے طلاق نہیں دیا، اس لئے بندھن نہیں ٹوٹا۔

غیر مسلم عدالت کا غیر مسلم حج قاضی یا حکم کی اہلیت نہیں رکھتا، اس لئے اسے تفریق یا فسخ کا حق حاصل نہیں ”و النکاح لا ينقطع الا بالطلاق أو الفسخ والتفريق من أهله“ (خاصة المحرور والتمرد على الدر المختار)۔

اس مسئلے کو مقامی شرعی اتھارٹی سلجھائے زوجین کو جمع کر کے شرعی حل تک پہنچے۔

۴- اگر غیر مسلم حکومت کی عدالت میں مسلم حج متعین ہے اور وہ مسلم مسائل کے تصفیے پر

نامور ہے اور مسلم پرسنل لا سے واقف بھی ہے، اگر وہ فسخ و تفریق کے فیصلے شرعی تعلیمات کے مطابق کرتا ہے تو اس کا فیصلہ بطور ”حکم“ یا جزوی قاضی معتبر ہوگا۔

۵- یہ سوال تو تفصیل طلب ہے اصولی بات یہ ہے کہ دینی امور بہ شمول مسلم پرسنل لا میں غیر مسلم عدالتوں اور حکومتوں کا فیصلہ حکمت عملی سے نالا جائے تدین میں گوارا نہیں تمدن میں استخارہ نہیں۔

☆☆☆

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا ریاض احمد قاسمی ☆

۱- اسلامی قانون کے مطابق غیر مسلم حج کا کیا ہوا فیصلہ مسلمان فریقین کے حق میں ضرورۃً معتبر ہوگا، آج ہندوستان اور اس طرح کے دوسرے ممالک میں مسلمان اسی اصول پر عمل پیرا ہیں، دراصل دنیا میں جب سے جمہوری نظام رائج ہوا ہے، اسی وقت سے اسلامی عدالت اور مسلمان قاضی کے بجائے جمہوری عدالت اور غیر مسلم حج کے فیصلے مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کرتے رہے ہیں، لیکن چونکہ مسلمان بھی اسی جمہوری نظام کا ایک حصہ ہیں، اس لئے انہوں نے ”مالا یدرک کلمہ، لایترک کلمہ“ کے تحت اپنا یہ حق تو تسلیم کر لیا کہ مسلم فریقین کے عائلی مسائل میں اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، لیکن اس کے لئے عدالت اسلامی ہوگی، اور قاضی بھی مسلمان ہوگا، یہ نہ ہو سکتا تھا نہ ہوا، یہ ہے وہ اضطرار اور مجبوری کی حالت، جس میں غیر مسلم عدالت کا فیصلہ ایک مسلمان کے حق میں معتبر مان لیا گیا۔

پس صورت مذکورہ میں چونکہ شوہر نے خود درخواست دی ہے، اسی لئے یہ درخواست ”تفویض طلاق“ ہوگی اور اس پر غیر مسلم حج کا فیصلہ طلاق معتبر ہوگا، بشرطیکہ ضابطے کی کارروائی اسلامی قانون کے مطابق کی گئی ہو۔

۲- شوہر کے دستخط کی حیثیت یہ ہوگی کہ اسلامی قانون کے مطابق جو فیصلہ ہوگا، وہ مجھے

☆ استاذ، جامعہ رحمانی خانقاہ، موئگیہ۔

منظور ہوگا، میں اس پر راضی ہوں، لہذا اگر عدالت نے اسلامی قانون کے مطابق وجوہ تفریق میں سے کسی وجہ کی بنا پر علاحدگی کا فیصلہ کیا، تو علاحدگی واقع ہو جائے گی، ورنہ محض عورت کے مطالبے پر علاحدگی کا فیصلہ کیا گیا، تو یہ فیصلہ معتبر نہ ہوگا۔

۳- عورت اگر واقعی مظلوم ہے اور وجوہ تفریق میں سے کوئی وجہ موجود ہے، جس کی بنا پر اسلامی قانون کے مطابق کارروائی مکمل کر کے تفریق کا فیصلہ عدالت نے کیا ہے، تو وہ فیصلہ مسلمان شوہر کے حق میں نافذ ہوگا، خواہ وہ اس پر آمادہ نہ ہو، اس لئے کہ یہ ضرورت اور اضطرار کی حالت ہے اور فقہاء نے قاضی یا حکم کے مسلمان ہونے کی جو شرط لکھی ہے، وہ اسلامی نظام حکومت کی صورت میں ہے، اس فرق کے لئے کئی اور مدنی زندگی کے معاشرتی اموال و واقعات رہنمائی کرتے ہیں۔

۴- جمہوری نظام حکومت میں قاضی بنانے والی حکومت، یا خود قاضی کے بجائے اس فیصلے کو دیکھا جائے گا، جو قاضی نے دیا ہے، اگر وہ فیصلہ فرقت، وجوہ تفریق میں سے کسی وجہ کی بنیاد پر اسلامی قانون کے مطابق دیا گیا ہے، تو معتبر ہوگا ورنہ نہیں، اس باب میں قاضی کے مسلمان ہونے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے، کیونکہ بہر حال وہ ملکی قانون اور اسباب حکومت کے وضع کئے ہوئے قوانین کا پابند ہے۔



غیر مسلم عدالتوں کے ذریعہ دی گئی طلاق کا مسئلہ

سید عبدالحفیظ الجادوی

اس سوال کے جواب سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پر غور کر لیا جائے کہ عقد نکاح بھی شرعی اعتبار سے صحیح منعقد ہوا ہے یا نہیں؟ تاکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ دونوں کے درمیان رشتہ صحیح قائم ہوا ہے اور وہ جو طلاق دے گا تو طلاق صحیح طریقے پر اپنے محل میں واقع ہوگی۔ اس طرح اس مسئلہ کی پانچ شکلیں بنتی ہیں:

پہلی شکل:

شوہر نے صراحت کے ساتھ طلاق کا تلفظ نہیں کیا، تو ایسی صورت میں غیر مسلم جج کے لئے عدالت سے اس شوہر کے خلاف طلاق کا حکم صادر کرنا جائز نہیں ہوگا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا“ (سورہ نساء: ۱۳۱)۔

دوسری شکل:

غیر مسلم جج کو شوہر نے طلاق کا حق سپرد کر دیا تو وقوع طلاق کے لئے ضروری ہوگا کہ شوہر خود پہلے طلاق کا تلفظ کرے، اس لئے کہ وہی طلاق کا مالک ہے اور اسی کے صریح الفاظ طلاق سے طلاق واقع ہوگی، غیر مسلم جج کے حکم سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

تیسری شکل:

توکیل و تفویض کے ختم ہونے کے بعد غیر مسلم عدالت کے لئے قطعی اس کی گنجائش نہیں ہوگی کہ وہ مسلم شوہر کی طرف سے طلاق دیدے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً" (سورہ نساء: ۱۳۱)، اور اگر شوہر کے خلاف طلاق کا فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ محض جبراً اس کو اقرار کروانے اور فرمانبردار بنانے کے مرادف ہوگا۔

چوتھی شکل:

اگر غیر مسلم عدالت میں مسلم حج ہو تو ظاہر بات ہے کہ وہ ملکی قانون کی پاسداری بھی کرے گا اور پابند بھی ہوگا، اور آپ جانتے ہیں کہ قضاة تین طرح کے ہوتے ہیں جس میں سے ایک جنت میں اور دو جہنم میں ہوں گے اور وہ بھی اسلامی قانون کے تحت فیصلے کرنے والے ہوں گے، تو پھر غیر اسلامی قانون کے تحت فیصلے صادر کرنے والے ججوں کیا حال ہوگا؟

پانچویں شکل:

ممکن ہے کہ غیر اسلامی عدالتوں کے ذریعہ صادر ہونے والے فیصلے کی حیثیت اقرار طلاق کی ہوگی یا اس کی حیثیت شقاق و نزاع کے معاملہ میں بینہ کی ہوگی، بہر صورت اسے پرسنل لاء اور احوال شخصیہ کے پس منظر میں دیکھا جانا چاہئے۔

☆☆☆

غیر مسلم ملکوں میں بذریعہ عدالت طلاق کا شرعی حکم

مولانا ثناء احمد گودھری ☆

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ اگر کسی جگہ فیصلہ کنندہ حاکم غیر مسلم ہو تو اس کا فیصلہ بالکل غیر معتبر ہے، اس کے حکم سے نفع و غیرہ ہرگز نہیں ہو سکتا: ”لان الکافر لیس باهل للقضاء علی المسلم کما هو مصرح فی جمیع الكتب“۔

حتیٰ کہ اگر رواد و مقدمہ غیر مسلم مرتب کرے اور مسلمان حاکم فیصلہ کرے یا بالعکس تب بھی فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اسی طرح کسی مقدمہ کی سماعت تو مسلمان حاکم نے کی لیکن تفریق سے قبل غیر مسلم حاکم آ گیا اور اس نے تفریق کر دی یا بالعکس تو وہ تفریق نہ ہوگی اور اگر فیصلہ کسی جماعت کے سپرد کیا جائے اور چند اشخاص کی کمیٹی میں ان سب ارکان کا مسلمان ہونا شرط ہے کوئی غیر مسلم جج اور مجسٹریٹ بھی اس کا رکن ہو تو شرعاً اس جماعت کا فیصلہ کسی طرح معتبر نہیں ایسے فیصلہ سے تفریق وغیرہ ہرگز صحیح نہ ہوگی، غیر مسلم ممالک میں اگر حاکم مسلمان نہ ہو یا حاکم قواعد شرعیہ کے مطابق فیصلہ نہ کرنا ہو تو عورت کی علاحدگی کے لئے بغیر خاندانی طلاق کے کوئی صورت نہیں ہے، حتیٰ الامکان لازم ہے کہ خلع وغیرہ کے ذریعہ تفریق عمل میں لائی جائے، لیکن مجبوری کی صورت میں مسلمانوں کی پناہیت میں معاملہ پیش کرنے کی گنجائش ہے، کیونکہ مالکیہ کے مذہب میں قاضی نہ ہونے کی حالت میں یہ صورت بھی جائز ہے کہ محلہ کے دیدار مسلمانوں کی ایک جماعت جس کی

☆ دارالافتاء جامعہ رحمانیہ، گودھرا۔

تعداد کم از کم تین ہو چنچایت کرے اور واقعہ کی تحقیق کر کے شریعت کے موافق حکم کر دے یہ بھی قضاے قاضی کے قائم مقام ہو جاتا ہے، لہذا غیر مسلم ممالک میں اگر عدالت کے ذریعہ طلاق دلوائی جائے اور مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے تو عدالت کے باہر شرعی طریقہ سے دوبارہ معاملہ کر لیا جائے۔



جمید فقہی تحقیقات

چوتھا باب

اختتامی امور

مناقشہ:

غیر مسلم ممالک میں عدالت کے ذریعہ طلاق

مولانا قاری عبداللہ سلیم، شکا گوا امریکہ:

یہ اجتماع ایسے حضرات کا اجتماع ہے جن کے بارے میں امید یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا فیصلہ خیر کا ہے، کیونکہ حدیث میں فرمایا گیا ہے: ”من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین“ جن کو دین میں تفقہ اور بصیرت فقہی حاصل ہو تو یہ سمجھا جائیگا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس فرد کے لیے خیر کا فیصلہ فرمایا ہے، ماشاء اللہ یہاں تو سب اہل خیر جمع ہیں، جہاں تک فقہ اکیڈمی کا تعلق ہے میں آج سے تقریباً ۲۸ سال پہلے جب امریکہ گیا، اس وقت اس ملک میں کچھ حالات ایسے تھے کہ بعض بنیادی اہم تعلیمی ادارے کچھ اہتلاء کا شکار تھے، پریشانیاں تھیں، تشویش تھی۔ اس وقت میرے قلب و دماغ پر کچھ بوجھ تھا اور ایسا خیال آ رہا تھا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ قافلہ علم جو مدینہ طیبہ زادہ اللہ شرفا سے روانہ ہوا اور بغداد و خراسان اور سمرقند و بخارا ہوتے ہوئے دلی پہنچا اور دلی سے دیوبند آیا، اب اس قافلہ کا کوچ کسی اور طرف ہونے والا ہے، افسوس تھا اس صورت حال پر اور بوجھ سا تو کچھ عرصہ کے بعد یہ اطلاع ملی کہ ایک فقہ اکیڈمی قائم ہوئی اور اس میں اس وقت جو مجھے اطلاع ملی کہ نو جوان علماء اس میں حصہ لے رہے ہیں، مسائل پر بحث و مباحثہ مذاکرہ ہو رہا ہے تو خوشی ہوئی، لیکن تفصیل معلوم نہیں تھی، اس دوران مولانا مجاہد الاسلام صاحب نور اللہ مرقدہ شریف لائے، میرے یہاں قیام ہوا اور وہ اپنے ساتھ پانچ جلدیں فقہ اکیڈمی کے سمینار کی، جو

اس وقت تک سینار ہو چکے تھے ان کی لے کر آئے اور کچھ تفصیلات بھی بتائیں بہت خوشی ہوئی اور ذہن و دماغ میں جو بادل چھائے ہوئے تھے اور اندر دگی طاری تھی، واقعہ یہ ہے کہ وہ سب چھٹ گئے اور ایسا ہوا جیسا کہ یوں کہیے کہ دن نکلتا ہے، سورج طلوع ہوتا ہے تو روشنی پھیلتی ہے تو بدن میں چستی آتی ہے کچھ وہی کیفیت محسوس ہوئی، پھر دوبارہ مولانا مجاہد الاسلام صاحب تشریف لائے تو اور تفصیلات سامنے آئیں تو اللہ ان کو واقعی جزاء خیر دے، کہ انھوں نے علماء کو اس کام پر لگا دیا کہ وہ مسائل میں بحث کریں، غور و فکر کریں، اس کے لیے مطالعہ کریں لکھیں، پڑھیں، یہ بہت بڑا کام ہوا، جہاں تک میرا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جتنے حضرات یہاں تشریف رکھتے ہیں اور جن کے مقالات اور تقریریں یہاں آئی ہیں ان میں اپنے کو ان سب سے فرودتر سمجھتا ہوں، بغیر کسی تواضع کے، تواضع نہیں حقیقت ہے، مگر میں آیا کیوں ہوں، آیا اس لیے کہ آپ حضرات کو ان ہی آنکھوں سے، ان ہی گنہگار آنکھوں سے دیکھ لوں اور دوسری بات یہ ہے کہ بھئی گجرات میں ہو رہا ہے تو یہاں آ کر کھڑی، کڑھی کھالیں گے اس سے زیادہ کوئی اور مقصد نہیں، اس مدرسہ میں گزشتہ سال بھی میں حاضر ہوا تھا۔

گزشتہ سال مجھ سے میرے عزیز محترم مولانا ندیم الواجدی صاحب نے باصرار اس کا مشورہ دیا کہ میں گجرات کے مدارس بھی دیکھوں، پھر میں نے کہا کہ بھائی میں ضرور چلنے کو تیار ہوں مگر آپ کو بھی ساتھ چلنا ہوگا، وہ بھی اور ان کے بیٹے اور میرے نواسے مولانا یا سر یہ سب ساتھ ہوئے اور یہاں کئی مدرسے دیکھنے کا موقع ملا اور یہاں بھی حاضر ہوا، دل باغ باغ ہوا اور جا کر کے وہاں اپنی تقریروں میں تذکرہ کیا اور لوگوں کو وہاں غیرت دلانی کہ بھائی تم لوگ اتنے بڑے ملک میں رہتے ہو یہاں کچھ کام نہیں ہو رہا ہے دیکھو وہ غریب ملک ہندوستان وہاں کیسا کیسا کام ہو رہا ہے۔ تو اللہ نے پھر دوبارہ یہاں حاضری کا شرف عطا فرمایا، حضرت مولانا عبد اللہ صاحب نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔

جہاں تک ان مسائل کا تعلق ہے جو اس سیمینار میں زیر بحث ہیں میں سمجھتا ہوں کہ سب مسائل کسی نہ کسی انداز میں فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، چاہے وہ تورق کا مسئلہ ہو، بیع عینہ ہو، اسی طرح سے کاروبارے میں باب بیئے کی شرکت کے مسائل ہوں یا اسی طرح سے قربانی میں کس مقام کا اعتبار ہو یہ مسئلے اور اسی طرح سے غیر مسلم حج اور قاضی اور مجسٹریٹس کے ذریعہ سے فیصلہ طلاق کے مسائل ہوں اور اسی طرح سونے اور چاندی کے زکوٰۃ کے مسائل یہ سب فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، اب مسائل کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے کہ بعض اقوال اس میں ہیں مگر اس پر فتویٰ نہیں ہے، مفتی بہ اقوال نہیں ہیں، تو اس سیمینار کا اور ایسے سیمینار کا مقصد یہ ہے کہ ان اقوال پر غور کر کے یہ دیکھا جائے کہ موجودہ حالات میں ہم کس قول کو لیں۔ اگر ضرورت ہے کہ مفتی بہ قول کو چھوڑ کر غیر مفتی بہ قول کو لے لیں؟ اس میں حرج کیا ہے؟ یا اسی طرح آج افتتاحی اجلاس میں تذکرہ ہو رہا تھا کہ اگر دوسرے مسالک کے ائمہ کے اقوال کو لے لیا جائے تو اس کی کہاں تک گنجائش ہے اور مولانا عبداللہ صاحب کا پودروی نے ٹھیک فرمایا تھا کہ یہاں ہندوستان میں رہتے ہوئے بعض دفعہ اندازہ نہیں ہو پاتا ان حضرات کو جو صرف ہندوستان ہی میں رہتے ہیں اور ان کو باہر جانے کا موقع نہیں ملا کہ وہاں نوعیت مسائل کی کیا ہیں؟ میں عرض کرتا ہوں کہ یہ طلاق ہی کا مسئلہ ہے، بات یہ ہے کہ مثلاً امریکہ جہاں میں ہوں وہاں ایک بات کو تو اصولی طور پر یوں کہیے کہ اس کو قانونی حیثیت دی گئی ہے کہ مسائل کو مذہب کی روشنی میں طے نہیں کیا جائے گا۔ کہہ سکتے ہیں آپ کہ لائڈ ہب ملک ہے یا اس ملک کا قانون جو ہے لائڈ ہبیت پر مبنی ہے آپ کہہ سکتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ ایک عجیب بات یہ ہے کہ بعض اسٹیٹس یا بعض اسٹیٹس کی کاؤنٹیز کچھ ایسی ہیں کہ وہاں میں پہلے یہ بات بتلا دوں کہ نکاح اور شادی کے لیے رجسٹریشن ضروری ہے، رجسٹریشن میں دو مرحلے ہیں: ایک تو یہ کہ لڑکا جس کو شوہر بننا ہے اور لڑکی جس کو دلہن بننا ہے۔ ان دونوں کو کاؤنٹی کے آفس میں جانا ہوتا ہے، کاؤنٹی جیسے یہاں تعلقہ اور تحصیل ہوتی ہے اس میں جانا ہے اور ان

سے میرج لائنس لینا ہے، یعنی شادی کرنے کا اجازت نامہ، وہ اجازت نامہ لے کر میرے پاس آئے یا کسی اور ادارے کے پاس آئے نکاح پڑھوانے کے لیے، ان کے پاس سرٹیفکیٹ اگر نہیں ہے تو پھر ہم میں سے کوئی اس کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ نکاح پڑھائے۔ نکاح ویسے تو پڑھ سکتے ہیں مگر ادارے کی طرف سے اس کو تصدیق نامہ یا یوں کہیے کہ نکاح نامہ بھر کے نہیں دے سکتے ہم اس کو کاغذ پر، تو وہ لائنس لینا ہے، اس لائنس پر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ یہ میرج سول ہے یا ریجسٹریس میرج ہے، بعض کاؤنٹی کے فارم میں یہ لکھا ہوا ہوتا ہے، تو ہم لوگ یہ کرتے ہیں کہ سول کو کاٹ دیا، ریجسٹریس میرج ہو گیا اور نکاح پڑھ دیا نکاح ہو گیا، اس کو ہم نے اپنا سرٹیفکیٹ دے دیا، اس کی ضرورت تو اس لیے ہے کہ اس میں زیادہ تفصیلات ہیں کہ گواہ کون ہیں اور مہر کتنا ہے؟ کیوں کہ یہ چیزیں جو ہیں اس کا تعلق وہاں کے قانون سے نہیں ہیں وہ نہیں جانتے کہ گواہ کی کیا اہمیت ہے وہ نہیں سمجھتے کہ مہر کیا چیز ہے؟ وہ نکاح کو تو جانتے ہیں لیکن مہر کا کوئی تذکرہ ان کے قانون میں نہیں ہے، اس لیے ہم کو سرٹیفکیٹ دینا پڑتا ہے کہ مہر اتنا ہے اور نکاح کے گواہ یہ ہیں، پھر اس کو کاؤنٹی کی طرف سے اس بات کا ایک تصدیق نامہ مل جاتا ہے کہ بھائی یہ فلاں جو ہے اس کی شادی فلاں سے ہو گئی ہے۔

اب مسئلہ جو ہے یہ ہے کہ نکاح رجسٹرڈ ہو گیا ہے، اب اگر طلاق کی نوبت آئے تو جب تک کہ طلاق بھی رجسٹرڈ نہ ہو، اس وقت تک چاہے یہ ہزار مرتبہ بھی طلاق کہتا پھرے، وہاں کے نظام میں اور وہاں کے قانون کے مطابق اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور جب حیثیت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مرد شوہر ہے اور یہ عورت اسی طرح سے بیوی ہے اور یہ عورت کسی جگہ شادی نہیں کر سکتی اور یہ مرد بھی کوئی دوسری شادی نہیں کر سکتا کیوں کہ تعدد ازدواج کی اجازت نہیں ہے، دونوں بندھے ہوئے ہیں قانونی طور پر دونوں کو ساتھ رہنا ہے، یہ شکل ہے، میں نے کچھ مسلمان وکیلوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا، مجھے اندازہ ہوا کہ یہ وکیل حضرات بھی

اپنے فیلڈ کی بات کو جانتے ہیں اس سے آگے کی بات جانتے ہی نہیں مگر اب کیا کر سکتا تھا ان کے سامنے میں نے مسئلہ رکھا کہ بھائی جب یہاں کا قانون مذہب کو اہمیت نہیں دیتا، اس کے باوجود نکاح کے متعلق جو میرج لائنس ہے اس پر لکھا ہوا ہے کہ یہ نکاح ریلیجیوس ہے اور تقریب نکاح کا انعقاد ریلیجیوس ہوا ہے یا سول، تو میں نے کہا کہ جب انہوں نے مذہب کو اس حد تک تسلیم کر لیا ہے، آپ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ طلاق کے مسئلہ کو بھی تو اسی طرح منظور کرنا چاہئے یہاں کے قانون میں، اس کی کیا صورت ہے، ان سارے وکیلوں نے ہاتھ اٹھا دیا کہ بھائی یہ ہمارے بس کا نہیں ہے کام۔ تو بھائی پھر ہم کس سے بات کریں، انہوں نے کہا یہ مسئلہ چون کہ حکومت سے متعلق ہے، قانون سے متعلق ہے، آپ سیاسی لوگوں کو استعمال کریں، آپ کا داؤد ہوگا سیاسی اعتبار سے تو شاید بات آگے بڑھ جائے یہ ہم وکیلوں کے کرنے کا کام نہیں، انہوں نے تو ہاتھ اٹھا دیا، تو یہ صورت وہاں ہے۔

جیسے یہاں دارالقضاء ہیں، میں نے وہاں جانے کے بعد ایک دو سال کے بعد دارالقضاء قائم کیا اور اسی طرح کے جو نکاح و طلاق کے مسائل ہیں اس کے لیے، مگر اس پورے عرصے میں تجربہ یہ ہوا کہ ہم کامیاب نہیں ہیں، اس لیے کہ ایک طرف تو یہ ہے کہ عورت ہو عام طور پر اپنا کیس لے کر آتی ہے اور ہم اس کیس کو اگر نہ لیں، مثال کے طور پر عورت اگر جو شکایات پیش کر رہی ہے وہ شکایات عندالشرع معتبر نہیں ہیں، ان کے اوپر کوئی کارروائی نہیں ہو سکتی ہم انکار کر دیں کہ بھائی یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، جاؤ اسی شوہر کے ساتھ رہو، تو وہ عورت سیدھے کورٹ میں چلی جاتی ہے اور امریکہ کا قانون یہ ہے کہ اگر عورت جا کر یہ کہہ دے کہ میرا اس شخص سے دل نہیں ملتا، میں نے شادی کی اس وقت بہت اچھا لگتا تھا یہ مگر اب نہیں اچھا لگتا اس وقت میرے دل پر اس کی وجہ سے بڑا داؤد ہوتا ہے، میں سکون نہیں محسوس کرتی، میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، عدالت کہتی ہے کہ جاؤ خدا حافظ، بہت اچھی بات ہے، نہیں رہنا چاہتی تو جاؤ۔ تو حقیقت یہ ہے کہ

جس طرح سے دو متعاقدین کوئی بزنس، کوئی معاملہ کرنا چاہتے ہیں دونوں فریق برابر کا درجہ رکھتے ہیں، اگر ایک فریق اس عقد کو ختم کرنا چاہتا ہے تو وہ ختم کر سکتا ہے، ٹھیک یہی صورت ان کے یہاں نکاح کی ہے، لہذا متعاقدین میں سے ایک کہتا ہے کہ بھائی اس کو پرولاؤنگ نہیں کر سکتے، اس کو اب زیادہ دیر تک نہیں چلا سکتے، انھوں نے کہا ٹھیک ہے اللہ حافظ، تو وہ وہاں فیصلہ کرا لیتی ہے اور مولوی صاحب نے فیصلہ نہیں کیا، چلو بھائی بیچ سے فیصلہ کرا لو اور جاؤ چھٹی، اس کو چونکہ قانونی طور پر یہ جواز حاصل ہو گیا کہ وہ چوں کہ شوہر کے نکاح سے نکل گئی کسی اور مرد سے شادی کر سکتی ہے یہ ہے ایک بڑی نازک اور پیچیدہ صورت، اس واسطے حقیقت یہ ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ غیر مسلم بیچ کا فیصلہ تفریق نکاح کے تعلق سے معتبر ہے کہ نہیں؟

یہ جو اس میں بحثیں ہیں جو ہمارے سامنے رکھے ہوئے ہیں اس میں ایک صورت تو وہی ہے کہ شوہر جائے کورٹ میں اور کہے کہ صاحب میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ فیصلہ کر دیجئے، ایک صورت تو وہ ہے، میں کہتا ہوں کہ اس میں آسانی ہے کہ بھائی ٹھیک ہے شوہر کو کہہ دیں اگر ہماری بات اس تک پہنچ سکتی ہے کہ تو بھی منہ سے طلاق دیدے، ختم ہو جائے گا مسئلہ اور کورٹ سے بھی اس کی اجازت ہو جائے گی تاکہ قانونی طور پر بھی ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں، پھر دونوں دوسری شادیاں کر سکتے ہیں، لیکن زیادہ الجھاؤ اس صورت میں ہے جبکہ کورٹ میں جارہی ہے عورت، اور عورت جو ہے وہ فیصلہ کرنا چاہتی ہے اب کیا ہو، یہ مسئلہ بہت الجھا ہوا ہے، ابھی ہم آپس میں باتیں کر رہے تھے، ایک جزئیہ اس وقت ہم نے دیکھا ہے لیکن نظر اس پر نہیں نکلی، شامی میں کتاب القضاء میں یہ مسئلہ موجود ہے کہ اگر غیر مسلم ملک میں جہاں حکومت اقتدار غیر مسلموں کے پاس ہے اور مسلمان وہاں رہتے ہیں اگر غیر مسلم بیچ و قاضی حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے لیے مقرر کیا جائے اور مسلمان اس سے راضی ہوں کہ ہمارے مسائل کے لیے جو قاضی بیچ بنایا گیا ہم اس پر راضی ہیں اور وہ غیر مسلم ہے۔ تا تا خانہ

کے حوالہ سے موجود ہے کہ پھر اس کا فیصلہ معتبر ہوگا، اس پر فتویٰ تو نہیں ہے، غیر مفتی بہ قول ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہم اس طرح کی چیزوں کو ذرا چھان پھنک کر کے کس طرح ہم اس کو آگے بڑھا سکتے ہیں، اگر ہم نے اس کو بالکل ہی بلاک کر دیا کہ نہیں کوئی صورت نہیں ہے جیسا کہ فتویٰ ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ امریکہ اتنا بڑا ملک ہے، برطانیہ ہے، یورپ کے اور ممالک ہیں، وہاں فتویٰ ہمارا ہو کیا، مسئلہ کا حل ہو کیا، اسی طرح لٹکار ہے، یا پھر یہ کہیے کہ ایسے تو طلاق دیدی ہے، مگر دونوں ساتھ رہنے پر مجبور ہے اس لیے کہ قانون کا ڈنڈا ان کے سر پر ہے، یا پھر یہ کہ اس نے کورٹ سے فیصلہ لے لیا اور اس کے بعد شوہر نے طلاق نہیں دی اور اس نے جا کر دوسری شادی کر لی تو فتویٰ کی رو سے تو حرام کاری ہو رہی ہے، اور یہ ایک آدھ مسئلہ نہیں ہے، ہزاروں ایسے مسائل ہیں، میں خوب جانتا ہوں کہ میں جس وقت گیا تھا اس وقت مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہیں تھے، اٹھائیس سال میں تو تین گنا آبادی بڑھ گئی ہے مسلمانوں کی، اس لیے مسائل بھی زیادہ سامنے آرہے ہیں، تو ایک تو اس مسئلہ پر بھی ہمیں غور کرنا ہے۔

دوسرا مسئلہ جو اگرچہ اس نشست میں اس پر بحث نہیں ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ کا مسئلہ ہے اور اسی طرح کرنسی کا مسئلہ ہے یہ ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں تو ان سے متعلق بھی ہم کو غور کرنا ہے، کیوں کہ اس وقت ہم سب لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے کہ اکنامی جو ہے کرنسی، اس کے پیچھے سونا ہے، جب کہ یہ بات ختم ہو چکی ہے بلکہ اب دوسری چیزیں ہیں اور اس میں اس بات کو بھی دیکھنا ہے کہ بعض حکومتیں بعض وقت زائد کرنسی چھاپ دیتی ہیں یوں کہیے کہ چٹنی اکنامی کی نوعیت ہے اور جو ویلیو ہے وہاں، اس سے زیادہ چھاپ دیتے ہیں تب اس صورت میں کرنسی کی کیا نوعیت ہوگی، اس کی جو نشست ہے اس میں انشاء اللہ اس پر بحث ہوگی، اس وقت کی نشست میں تو طلاق کے مسئلہ پر بحث چل رہی ہے، مجھے عرض کرنا ہے کہ آدھی دنیا نہیں بلکہ آدھی دنیا سے زائد کے مسائل جو ہیں وہ بڑے اچھے ہوئے ہیں اور اگر ہم کسی طرح

کسی دوسرے قول کو بھی لیتے ہیں، مجھے معلوم نہیں، میں نے اس حد تک تحقیق نہیں کی ہے میں نے اپنے لڑکوں سے بھی کہا تھا کہ بھائی کتابوں میں تلاش کرو اس مسئلہ کو، آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ شوافع کے یہاں نکاح جو ہے اس پر غلبہ عقد کا ہے، معاملہ کا، حنفیہ کے یہاں اس میں تعبدی شان غالب ہے، شوافع کے یہاں جو ہے وہ معاملہ کی نوعیت زیادہ غالب ہے، اصول الشاشی میں موجود بھی ہے تصریح ہے، لیکن اس کے باوجود مسلمان حج کی قید کیوں ہے؟

مولانا یا سرندیم:

ابھی حضرت مولانا قاری عبداللہ سلیم صاحب نے اصول الشاشی کے حوالہ سے جو بات نقل کی ہے کہ حضرات شوافع کے نزدیک طلاق اور نکاح کو معاملات کا درجہ دیا جاتا ہے جب کہ حضرات احناف کے نزدیک عبادت کا، تو بات یہ ذہن میں آتی ہے کہ نکاح اور طلاق پر اگر غور کیا جائے تو ان میں معاملاتی پہلو غالب ہے، عباداتی پہلو بھی اگر چہ پایا جاتا ہے لیکن غالب معاملاتی پہلو ہے، یہی وجہ ہے کہ نکاح اور طلاق میں نیت کا اعتبار نہیں کیا جاتا جبکہ ہر عبادت میں نیت کا اعتبار کیا جاتا ہے تو اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ نکاح اور طلاق معاملہ ہے تو اس میں کافر کی توکیل بھی جائز ہونی چاہئے، اگر مرد کی طرف سے توکیل جائز ہے جیسا کہ حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بات آئی کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن اگر عورت کی طرف سے توکیل ہو اور قاضی تفریق کرادے، اسباب تفریق وہی ہوں جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہے تو اب تفریق نافذ ہونی چاہئے، لیکن اگر اسباب تفریق وہ نہ ہوں محض یہ ہو کہ میرا اس کے ساتھ دل نہیں ملتا، اس لیے مجھے علیحدگی چاہیے تو اب وہ فیصلہ شرعاً نافذ العمل نہیں ہونا چاہئے۔

مولانا صبیح اختر قاسمی:

..... آواز نہیں آئی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق جو خیال ظاہر کیا گیا میری رائے

ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نکاح اور طلاق کے متعلق عقد کا مکمل اعتبار نہیں کرتے صرف نکاح کے مسئلہ میں مہر کی حیثیت کے متعلق حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عقد کے پہلو کو غالب مانتے ہیں ورنہ طلاق کے مسئلہ میں تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی احناف کی طرح مرد کو ہی مکمل اختیار ہے، عورت کے اختیار کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، اس لیے ہمارے کناڈا کے جو بزرگ نے فرمایا تھا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایسا معاملہ ہے کہ جائین کی رضامندی پر موقوف ہے، اس پر غور کرنا چاہئے، اس کے متعلق بات نہیں سمجھ میں آئی، میں سمجھتا ہوں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا طلاق کے مسئلہ میں بھی احناف ہی کی طرح مسلک ہے، صرف مہر کے مسئلہ میں ان کا اختلاف ہے اس میں وہ معاملہ کے پہلو کو غالب مانتے ہیں۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی:

مسئلہ زیر بحث کے سلسلہ میں، میں نے مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے دو جوابات نقل کیے تھے جو بہت ہی اہم تھے اس مسئلہ میں، جن کا تذکرہ ملفوظات آزاد میں ہے جو ان کی آخری زندگی کی کتاب ہے، غالباً وہ جواب تاخیر سے پہنچا کہ نہ اس کا تذکرہ تلخیص میں آیا ہے اور نہ عرض مسئلہ میں آیا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس کی طرف توجہ ہو جائے۔ اس میں ایک مسئلہ ہے اس مسئلہ کی اہمیت اس لیے بھی ہو جاتی ہے کہ اس میں یہ کہا گیا تھا کہ وہاں کے علماء امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے اس کی مخالفت کر رہے ہیں، میں اس کی دو تین لائنیں پڑھنا چاہتا ہوں، یہ مسئلہ بی بی لطیف النساء بیگم کا ہے کہ ان کا نکاح نابالغہ کی حالت میں ان کے والد کی ولایت میں میاں معبود بخت کے ساتھ ہوا تھا، تقسیم ہند کے وقت میاں معبود بخت پاکستان چلے گئے اور بار بار یاد دہانی کے باوجود نہ اپنی زوجہ کو ہندوستان سے پاکستان لانے کو تیار ہوئے، نہ اس کو طلاق دینے کے لیے آمادہ ہوئے، مجبور ہو کر لڑکی کی طرف سے ہندوستان کی عدالت میں تفریق کا مقدمہ داخل کیا گیا، عدالت کے غیر مسلم حاکم نے پاکستان میں میاں معبود بخت کے خلاف نوٹس جاری کیا اور ان

کی طرف سے اپیل نہ ہونے کی بنا پر فسخ نکاح اور تفریق زوجین کا فیصلہ دے دیا، لڑکی کے اطراف کے علماء کی طرف سے اس فیصلہ کی مخالفت ہوئی کہ فسخ نکاح اور تفریق زوجین کے لیے حکم کا مسلم ہونا شرط ہے، اس معاملہ میں غیر مسلم حاکم کا فیصلہ شریعت میں معتبر نہیں، اس کے لیے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی امداد الفتاویٰ جلد دوم کی کتاب الزکاح ص ۴۹ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اس استفسار کے جواب میں مولانا آزاد فرماتے ہیں: مولانا کے الفاظ ہیں: عدالت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شریعت کے مطابق کیا ہے وہ نافذ ہو گیا، لڑکی عدت کاٹ کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے، دوسرا مسئلہ ہندوستان سے متعلق ہے، جذام کا مرض ہے، لڑکی تفریق چاہتی ہے اور وہ طلاق نہیں دے رہا ہے، اس مسئلہ میں اس نے کورٹ میں درخواست دی اور اس کورٹ نے تفریق کر دی، اس پر مولانا لکھتے ہیں کہ جو صورت آپ نے بیان کی ہے کہ ڈاکٹر کی تصدیق پر عدالت نے تفریق کا فیصلہ کیا ہے یہ ٹھیک ہے اور قابل عمل ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس نظریہ سے حضرات فقہاء کوئی رائے قائم کریں۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

بھائی مولانا آزاد کی یہ رائے تھی جو مولانا نے فتاویٰ نقل کیے ہیں..... مولانا آزاد کی یہ رائے تھی کہ غیر مسلم حج کا جو فیصلہ ہے طلاق کے بارے میں اسے مانا جائے گا، بہر حال اسے دیکھ لیا جائے کہ وہ چیز کہاں سے لی گئی، ان کی رائے ہے سن لیا آپ نے، دلیل تو کوئی نہیں دی۔

مولانا عثمان بستوی:

مجھے دو صورتوں کے متعلق ذکر کرنا ہے، ایک پہلی صورت، ایک دوسری صورت۔ پہلی صورت میں اس کی تعیین ہو جانا ضروری ہے کہ یہ تفویض ہے یا توکیل، اس لیے کہ ایسے ہی کہہ دینا کہ تفویض یا توکیل کسی میں داخل کر کے حکم لگا دیا جائے یہ بات صحیح نہیں ہے، سوال یہ ہوتا ہے

کہ یہ تو کیل ہے، اس لیے کہ عدالت کو شوہر کی طرف سے اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ اس کی طرف سے رضا پالی گئی ہے فتح کرنے کی، لہذا اس کی طرف سے عدالت نکاح فسخ کر دے اس معنی کر یہ تو کیل ہے۔ لیکن اس معنی کر دیکھا جائے کہ عدالت اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرے گی یا صرف شوہر کے کہنے کی وجہ سے فیصلہ کرے گی۔ اگر اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتی ہے تو یہ تفویض بنتی ہے نہ کہ تو کیل۔

اب اس پر دوسرا سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ تفویض بنے گی تو مجلس کے ساتھ خاص رہے گا اور سوال میں جو عبارت ذکر کی گئی ہے اس میں اس تفویض کو عام نہیں کیا گیا، اس سے پتہ یہ چلتا ہے کہ یہ مجلس کے ساتھ خاص ہے لہذا اگر دوسری مجلس میں وہ فیصلہ کرتا تو فیصلہ نافذ نہیں ہوگا لیکن اگر سوال پر پوری طرح سے غور کیا جائے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نہیں، جب شوہر اس کو کہتا ہے کہ سوچ کر کے اور اپنی صوابدید کے مطابق اگلی مجلسوں میں میرے حق میں فیصلہ طلاق کا کر دیا جائے، میری طرف سے فیصلہ کر دیا جائے، اس کا مطلب لازمی طور پر یہ نکلتا ہے کہ تم کو مطلق اختیار ہے کہ جب چاہو، جس طرح سے چاہو اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ طلاق کا کر دو، اس لیے مجلس کے ساتھ اختصاص ضروری نہیں ہوا، اس لیے کہ ثابت بالافتضاء کا ثابت بالخص جیسے کہ اعتدی کے مسئلہ میں حضرات فقہاء فرماتے ہیں تو اسی طرح سے یہاں اس کو تفویض ہونا چاہئے۔ اور اگر اس کو تو کیل مانا جائے تو دوسری خرابی یہ ہوگی کہ جیسے ہم نے کہا یہ بات آتی ہے کہ شوہر جب اس کو بلائیں گے، عدالت فیصلہ کر دے گی تو وہ کہہ دے گا کہ ہاں ہم نے طلاق دیدیا، مسئلہ صاف ہو جائے گا، لیکن کبھی کبھی یہ صورت پیدا ہو جائیگی اگر تو کیل ہے تو رجوع کا حق ہوتا ہے اس کو، اور تفویض ہے تو رجوع کا حق نہیں ہوتا ہے، تو کیل اگر مانیں گے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ ہم نے رجوع کر لیا۔ اور اگر تفویض مانیں گے تو وہ کہے گا کہ ہم نے رجوع کر لیا تو عورت یہ کہے گی کہ تمہارے رجوع کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے فیصلہ جو تم نے کیا ہے اسی کے مطابق اس پر عمل لازم ہوگا، اس

لیے اس مسئلہ پر ضروری ہے یہ تعین کرنا کہ یہ تفویض ہے یا توکیل، اس کے بغیر مسئلہ حل نہیں ہوگا، اس لیے کہ دونوں جہتوں کے احکام الگ الگ ہیں۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

آپ کی رائے کیا ہے تفویض ہے یا توکیل؟

مولانا عثمان بستوی:

میری سمجھ سے یہ تفویض ہے، اس لیے کہ عدالت اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کرتی ہے نہ کہ شوہر کے تابع ہو کر۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

جوج ہے اگر اس کو معلوم ہو کہ آپ اس کو وکیل اور اپنا مفوض سمجھتے ہیں تو وہ تو واقعی تو بن عدالت کا دعویٰ دائر کر سکتا ہے، یہاں مسئلہ صرف اتنا ہے کہ شرعی بنیاد پر کیا ایسی کوئی تکلیف ممکن ہے، جہاں اس طرح کی صورت حال ہے، دارالقضاء اور شرعی پختائیں وہاں پر آپ کی قائم نہیں ہیں، وہاں اگر عدالت سے اس طرح کی طلاق ہو جاتی ہے تو جو تینوں صورتیں سوالنامہ میں ذکر ہے، ان میں کسی میں بھی کوئی توجیہ یا تصویر ایسی ممکن ہے جو شرعی لحاظ سے قابل اعتماد ہو سکے۔

مولانا عثمان بستوی:

دوسری صورت سے متعلق جو یہ بات آئی تھی کہ شوہر کی طرف سے دستخط لے لی جاتی ہے کہ عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ تم کو منظور ہوگا، تو چوں کہ دونوں طرف سے اس کو اختیار حاصل ہو گیا ہے، اس لیے یہ حکیم کی صورت بنتی ہے، البتہ اگر شوہر کے اوپر زبردستی، کسی بھی طرح سے چاہے وہ اکراہ ملجی ہو یا غیر ملجی۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے یہ بتائیے۔

مولانا عثمان بستوی:

اس کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ یہ تحکیم کی صورت ہے۔ تیسری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ اس مسئلہ میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ حضرات شوافع یا کسی دوسرے دبستان فقہ سے لے کر کے اس کے متعلق فیصلہ کیا جائے تو اس سلسلہ میں اہلیۃ الناجزۃ کی پوری تصویر ہمارے سامنے ہونی چاہئے کہ دوسرے دبستان فقہ پر فیصلہ کرنے کے لیے ایک تو ان کے مسالک کے علماء سے رجوع کیا جائے، ہم اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کوئی رائے قائم نہ کریں، یہ ہماری طرف سے زیادتی ہوگی۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ہاں مسئلہ یہی ہے، اب تو ماشاء اللہ کتابیں ہر فرقہ کی خوب موجود ہیں، مطالعہ کر سکتے ہیں آپ، اتفاق سے جو مفتی آئے ہوئے ہیں شافعی مسلک ہیں ان سے بھی رجوع کر سکتے ہیں آپ۔

مولانا عثمان بستوی:

اہلیۃ الناجزۃ میں مسئلہ صاف لکھا ہوا ہے کہ ایک مفتی سے رجوع نہیں کیا گیا تھا اس مسلک کے جتنے ماہرین تھے سب سے رجوع کیا گیا تھا۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

نہیں بات یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کارنامہ انجام دیا ہے، انھوں نے ایک ایسا قدم اٹھایا جس کی انتہائی ضرورت تھی، جو پہلے لوگوں نے نہیں اٹھایا تھا، ان کو ضرورت محسوس ہوئی، انھوں نے قدم اٹھایا، اب یہ ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ میں مکمل وہی نہج ہو، بالکل وہی نہج ضروری ہو۔

مولانا عثمان بستوی:

بالکل وہی نہج نہیں ہو لیکن ان کے ماہرین کو ضرور شامل کیا جائے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ہاں تحقیق ضرور کی جائے، تحقیق ہوتی رہے گی۔

مولانا محمد رمضان علی:

جی! مطلب پہلے یہ ہے کہ جو فقہاء تو کیل کی تعریف کرتے ہیں، وہ تو کیل کی تعریف یہاں پر بالکل صادق آرہی ہے کہ شوہر کی درخواست کو تو کیل ہی مانا جائے، پھر دوسری بات یہ کہ کافر کو کیل بنایا جاسکتا ہے یا نہیں، تو اس سلسلہ میں فتاویٰ ہندیہ اور دوسرے فقہاء نے صراحت کی ہے، علامہ کاسانی نے بھی صراحت کی ہے کہ مرد کو کیل بنا سکتے ہیں تو کافر کو بدرجہ اولیٰ۔

پھر تیسری صورت یہ ہے کہ کیا جیسے نکاح ہے طلاق ہے ان معاملات میں بھی شوہر وکیل بنا سکتا ہے یا نہیں، اس کی بھی فتاویٰ ہندیہ میں صراحت ہے: ”ویجوز التوکیل بالنکاح والطلاق والعتاق“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر جو ہے طلاق کا بھی وکیل بنا سکتا ہے اور ایک بات یہ جو آئی تھی کہ وکیل کو معلوم بھی ہو کہ اس کو وکیل بنایا جا رہا ہے، اس کی فقہاء نے کہیں صراحت نہیں کی ہے۔ البتہ اس کی صراحت ضرور ہے کہ جب وکیل کو معزول کیا جائے تب اس کو یہ علم ہونا ضروری ہے کہ اس کو اس سے معزول کیا جا رہا ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

وکیل کے لئے۔

مولانا محمد رمضان علی:

نہیں علم ضروری نہیں ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

ٹھیک ہے، اچھی بات ہے۔

مفتی زاہد علی:

میں یہ بات عرض کرنا چاہ رہا ہوں کہ ہندوستان میں دستور ہند کی دفعہ ۲۵ کے تحت فنڈ منٹل..... بنیادی حق مانی جاتی ہے اس کے تحت سپریم کورٹ نے یہ وضاحت کی ہے کہ پرسنل لاء کا وہ حصہ جو لازمی ہے وہ تو گویا تسلیم کیا جائے گا لیکن جو غیر لازمی ہے، فردعی ہے، جس کا دوسروں کے حقوق سے بہت زیادہ تعلق ہے اس کو اس درجہ میں نہیں رکھا جائے گا، اس سلسلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ جو تحریک اس زمانے میں شروع ہوئی تھی اور کاظمی صاحب نے یہ پیش کیا تھا کہ مسلم حج عدالتوں میں ہوں اور جناح صاحب نے اس کی مخالفت کی تھی، اس کو ہمارے فقہ اکیڈمی اور پرسنل لاء کی طرف سے دوبارہ پیش کیا جائے اور مسلم حج فسخ نکاح کے لیے اور اسی طرح خلع کے لیے لازمی قرار دینے کی کوشش کی جائے اور مجھے خاصی امید ہے کہ اس میں کامیابی حاصل ہوگی، اس سلسلہ میں صرف اتنا کہنا ہے مجھے کہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے علاوہ ذیلی عدالتیں کوڈی فیکیشن نہ ہونے کی وجہ سے صرف مفتی کے فتویٰ کی بنیاد پر فیصلے کیا کرتی ہیں یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ ذیلی عدالتوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے فیصلوں کے علاوہ اور ہمارے پاس صرف ریویژن کے لیے تین چیزیں موجود ہیں: شریعت اپیلیکیشن ہے ۱۹۳۷ء کا ریویژن آف مسلم مینچر ایکٹ جیسا آپ نے فرمایا تھا ۱۹۳۹ء کا اور اس کے علاوہ مسلم مطلقہ ایکٹ، لیکن اس کے علاوہ کوئی چیز کوڈی فیکیشن کی شکل میں نہیں ہے لہذا مفتی کا جو فتویٰ ہوتا ہے ہندوستانی دستور کے مطابق دفعہ ۲۵ کی وجہ سے ذیلی عدالتیں مفتی کے فتویٰ کو صرف نافذ کرتی ہیں، لہذا مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو فتویٰ دیا ہے وہ نہایت اہم ہیں اس کو بہت اچھی طرح سے ہندوستانی مسائل میں جہاں دارالقضاء اور شرعی پنچائتیں قائم نہیں ہیں بہت اچھی طرح

سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور کرایا جاسکتا ہے اور باقی کوشش کی جائے دارالقضاء کے قیام کی۔
مولانا عتیق احمد بستوی:

بہر حال حوصلہ ہے کہ قاضی مل پیش کیا جائے، اس کے لیے جدوجہد کی جائے، ہمارے بزرگوں نے یہ خواب دیکھا تھا اور کوششیں کی تھی اور ہم مایوس نہیں ہیں ان شاء اللہ حالات سے، باقی میں علی گڑھ حاضر ہوا تھا کچھ اور مسائل آپ نے ذکر کیے ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اسٹیج سے وہ زیادہ پیش کرنے کی چیز ہے، ہم لوگ بیٹھ کر بات کر لیں گے، انشاء اللہ، اس وقت جو مسئلہ ہے زیر بحث، اس کے بارے میں ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کی رائے آئے۔

مفتی عبدالقیوم راجکوٹی:

غیر مسلم حج قاضی ہے یا حکم ہے یا وکیل ہے یہ تو بعد میں طے گا، میں نے مولانا سے ایک بات پیش کی کہ اس سلسلہ کے انجام کے اعتبار سے کچھ سوچا جائے، میں نے لکھا ہے کہ اسلامی فقہ میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جو نیکو نفسہ ذاتا جواز کا حکم رکھتے ہیں، لیکن سداللباب یا انجام میں فساد کے اعتبار سے ناجائز کا حکم ہے، اس پر آیت کریمہ ”لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدواً بغير علم“ دال ہے، مگر بالفرض غیر مسلم حج کا فیصلہ طلاق یا فسخ نکاح میں جائز مانا جائے تو طلاق اور فسخ نکاح کی شرح میں اضافہ ہونے کا قوی اندیشہ ہے، حالانکہ شرعی رو سے بلا ضرورت شدیدہ پھر طلاق دینا یا عورت کا طلاق حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسری خرابی یہ ہوئی کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ یا امارت شرعیہ بہار اڑیسہ و جھارکھنڈ نے متعدد جگہوں میں دارالقضاء قائم کر رکھا ہے اور دیندار لوگ ان دارالقضاء کی طرف اپنے مسائل میں رجوع کرتے ہیں۔ اگر غیر مسلم حج کا فیصلہ جائز قرار دیا جائے تو جاری شدہ دارالقضاء پر زبردست اثر پڑے گا، بلکہ ہو سکتا ہے کہ حکومت اپنے زور سے جاری شدہ دارالقضاء کو بند کرنے کا

فیصلہ کرے کہ اب تو ہم فیصلہ کر ہی رہے ہیں آپ کے دارالقضاء کی ضرورت نہیں، تیسری وجہ اگر غیر مسلم حج کا فیصلہ معتبر مانا گیا تو بہت ممکن ہے کہ حکومت ہند دیگر اسلامی امور میں دخل گیری کے بہانے تلاش کرنے لگے، جیسا کہ ماضی میں ہو چکا ہے، لہذا ان ہی بصیرت کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے کہ اس سلسلہ میں سوچ سمجھ کر غیر مسلم حج کی حیثیت متعین کریں۔

مولانا عبدالقادر عارفی (ایران):

ہمارے یہاں بھی ایک مسئلہ میں پریشانیاں ہیں، عرض کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ دوستوں کے یہاں اگر کوئی حوالہ ہو، اس سلسلہ میں کوئی مشورہ ہو تو ہماری رہنمائی فرمائیں، آج کل ہمارے یہاں ایک مسئلہ چل رہا ہے، اس کو مختصر ایک منٹ میں عرض کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ وہاں نکاح اور عقد کے بعد حکومت کی طرف سے، سرکاری سطح پر ایک قانون ہے کہ لوگ اس کو محضری کہتے ہیں، اس میں ایک کتابچہ ہوتا ہے پھر اس میں شوہر اور زوجین دونوں کے دستخط ہوتے ہیں تو اس میں ایک مصیبت میں ہم پھنسے ہوئے ہیں کہ اس میں اگر پورے کاپی میں دستخط ہو جائے تو جتنے بھی اختیار ہیں شوہر کے ہاتھ میں طلاق کے سلسلہ میں، نکاح کے سلسلہ میں، وہ سارے اختیارات عورت کے اختیار میں چلے جاتے ہیں، تو جس طرح پہلے شوہر تھا، زوجین میں بالکل تبدیلی آ جاتی ہے گویا کہ زوج، زوجہ بن جاتا ہے اور زوجہ زوج مثلاً اگر یہ ہو تو آپ طلاق دے سکتے ہیں دلوا سکتے ہیں، اگر یہ ہو گیا یہ ہو گیا یہ نہیں کتنے وہاں مواد ہیں جس کو مادہ کے تحت کہتے ہیں، تو اب اس سلسلہ میں یہ مسئلہ وہاں چل رہا ہے کہ کچھ لوگ جو پڑھے لکھے ہیں وہ پڑھتے ہیں اور اس وقت سوچتے بھی نہیں کہ آئندہ کیا ہوں گے تو پڑھ کر وہ دستخط کر دیتے ہیں، سمجھتے بھی نہیں ہیں اور سب پر دستخط کر کے اس کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ پھر کئی سالوں کے بعد کوئی جھگڑا، کوئی پریشانی ہو جاتی ہے تو اس سلسلہ میں وہ پھر درخواست دیتے ہیں محکمہ میں، اسی سلسلہ میں سرکاری سطح پر یا قضاة کے ماتحت محکمہ کی طرف سے طلاق دلوائی جاتی ہے۔ اب اس سلسلہ میں

وہاں ہمارے علماء میں یہ بات چل رہی ہے کہ اس طلاق کا اعتبار ہوگا کہ نہیں ایک تو یہ ہے کہ زوجہ پڑھ کر اس پر دستخط کرتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو پڑھے لکھے بھی نہیں ہیں وہ ایسے ہی دستخط کر کے اپنا وہ کاپی لینا چاہتے ہیں، ان کو ضرورت ہے اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دستخط نہیں کرتے ہیں، ایک دو جگہ دستخط کر کے باقی چھوڑ دیتے ہیں، تو اس سلسلہ میں فقہی عبارتیں بھی بہت مختلف ہیں بزرگوں کی مختلف عبارتیں ہیں جو وہاں پریشانی کا سبب بن گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ حضرات ہماری رہنمائی فرمائیں حوالہ کے سلسلہ میں، کوئی کتاب کا حوالہ دیدیں یا کوئی عبارت ہمیں دکھادیں تو بہت اچھا ہوگا۔

مولانا حسین فلاحی (قاضی دارالقضاء کوکن):

اصل میں جزئیہ کے تعلق سے حضرات شوافع کے مسالک کی بات آئی تھی تو شوافع مسلک کے اعتبار سے صراحت کرنا مناسب ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح میں عقد اور عبادت کا دونوں پہلو ہے الایہ کہ عقد کا پہلو غالب مانا گیا ہے وہ بھی چند امور میں، جس کی صراحتیں شوافع کی جو کتب فقہیہ ہیں، ان میں موجود ہیں۔ دوسری جو بات آئی، جس کی طرف شیخ ممدوح صاحب دامت برکاتہم نے بھی صراحت کی، اور شوافع کی جو مفتی بہ اور معتمد علیہ کتابیں ہیں ان میں صراحت آئی ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد شیخین یعنی امام نووی اور امام رافعی جس قول پر متفق ہوں اس پر فتویٰ دیا جائے، ان دونوں میں اختلاف ہو تو امام نووی کی بات مانی جائے، ان دونوں میں بھی اختلاف ہو، اس کے بعد بھی اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو تو علامہ ابن حجر پیشمی اور علامہ شمس الدین..... رحمۃ اللہ علیہ کی بات معتبر مانی جاتی ہے تو شوافع کے تنقیح طبقہ ثانی کے جو فقہا ہیں ان کی کتابوں میں یہ بات ملتی ہے کہ اگر کہیں نظام قضاء کے اعتبار سے کوئی چیز قائم نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر عورت اپنے شوہر سے نان و نفقہ کے اعتبار سے عاجز ہے تو وہ جو

ہے تین دن تک انتظار کرے اور اس کے بعد اپنا نکاح وہ بذات خود فسخ کر سکتی ہے، البتہ صاحب ترشح..... علامہ بعلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں صراحت کی ہے کہ بہتر ہے کہ کم از کم تین علماء کے سامنے وہ اپنی بات رکھے، وہ علماء تحقیق کریں اور پھر وہ علماء اس عورت کو نکاح کے فسخ کی اجازت دیدیں اور اس سے فسخ کے کلمات خود کہلوائے۔ دوسری بات جو چل رہی ہے اس کے اعتبار سے یعنی وہ ممالک جہاں اقلیتیں موجود ہیں تو جیسے کہ بات آئی احتیاط کی بھی ضرورت ہے کہ ہم کوئی ایسا فیصلہ نہ کریں کہ حکومت کو مداخل جائیں، لیکن اگر کوئی ضرورت ہے اور انتہائی ضرورت ہے تو ایسی صورت میں اگر وہاں شافعی عوام ہوں تو اس بات کی طرف بھی نشاندہی کی جاسکتی ہے کہ ضرورت کے تحت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے اعتبار سے جو نتیجہ ثانی کے فقہاء نے ضرورتاً، یعنی باقاعدہ کتابوں کے اندر صراحت موجود ہے شوافع کی، کہ اگر کسی جگہ نظام قضا قائم نہ ہو، مسلمانوں کے عام مصالح معطل ہو رہے ہوں تو ایسی صورت میں حکومت اگر کسی غیر کو بھی قاضی متعین کر رہی ہے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا بغیر المسترشدین صفحہ ۳۳۵ میں بھی اس کا حوالہ موجود ہے، شوافع کی ایک مفتی بہ کتاب ہے ”الغرد البھیة“ اس کی جلد ۱۰ صفحہ ۱۶۲ پر بھی یہ عبارتیں موجود ہیں۔ اگرچہ شیخ الاسلام زکریا انصاری نے اس کی مخالفت کی، لیکن بعد کے جو فقہاء ہیں، جن کی بات شوافع کے یہاں فی الوقت معتبر ہے ان کے یہاں تو فتویٰ اسی بات پر دیا جاتا ہے، جزاکم اللہ۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

جزاکم اللہ آپ نے اچھی عبارتیں سنائی ہیں میں چاہوں گا کہ اس مسئلہ پر جو فقہ شافعی کی اور تصریحات ہیں ان کو آپ جمع کریں، یہاں کی لائبریری الحمد للہ اچھی ہے، یہاں کی لائبریری میں فقہ شافعی کی کتابیں بھی آپ کو ضرور ملیں گی، تو ان مزید حوالوں کو آپ مکمل کریں انشاء اللہ۔ اور یہ جو مسئلہ ہے اس کا ذکر انہوں نے بھی کیا تھا جو ہمارے مہمان ہیں کہ فقہ شافعی میں

اس کی گنجائش ہے کہ اگر نفقہ نہ ادا کرنے کا مسئلہ ہے، بعض اسباب اس طرح کے ہیں اور شوہر حقوق کو نہیں ادا کرتا ہے تو گویا اس میں گنجائش اس طرح کی ہے تو ہمارے سامنے جو بھی اس طرح کے اعبار تیس ہیں ہونی چاہئے۔ اب وقت کافی ہو چکا ہے، میں معذرت خواہ ہوں بہت سے حضرات سے جنہوں نے اپنا نام یہاں بھیجا ہے، میں درخواست ضرور کروں گا کہ آپ کے ذہن میں جو بات بھی ہے جو پیش کرنا چاہتے ہیں وہ آپ لکھ کر یہاں بھیج دیں تاکہ کمیٹی کے حوالہ وہ چیز ہو جائے، آخر میں قاری عبداللہ سلیم صاحب کچھ فرمانا چاہتے تھے میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ فرمادیں۔

مولانا قاری عبداللہ سلیم (شکاگو امریکہ):

بات یہ ہے کہ عدالت میں شوہر جا رہا ہے یا عورت جا رہی ہے، یہ مسئلہ تو کیل کا ہے یا تفویض کا ہے، دیکھنا یہ ہے کہ خود مدعی اس کے ذہن میں کیا ہے، حقیقت معاملہ کی اور واقعہ کی کیا صورت ہے، میں امریکہ میں ہوں میرے خیال سے اور یورپی ممالک میں وہاں صورت یہ ہے کہ کورٹ میں ہم اس لیے نہیں جاتے کہ ہم اس کو کیل بنا رہے ہیں یا اس کو اپنا اختیار تفویض کر رہے ہیں بلکہ وہاں مسئلہ یہ ہے کہ نکاح اور نکاح سے بڑھ کر طلاق، ان ملکوں میں یہ حق نہ شوہر کا ہے نہ بیوی کا ہے بلکہ یہ حق صرف کورٹ کا ہے، یہ صورت حال ہے، اسی واسطے میں نے عرض کیا تھا کہ جو میرج لائنس ہے اس میں تو گنجائش دی گئی ہے کہ یہ نکاح مذہبی ہو یا سول ہو، لیکن طلاق کے لیے نہیں تیار ہیں وہ کہ یہ حق کورٹ سے ہٹ کر دوسرے کو دیا جائے وجہ اس کی یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ اس مسئلہ کو مذہبی اصل سے ماننے نہیں ہیں، ان کے ذہن میں یہ ہے کہ جو حقوق ہیں وہ متاثر نہ ہوں، ان کا تحفظ کس طرح سے ہو سکے؟

یہ کام عدالت کا ہے، اس لیے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ طلاق جو ہے چونکہ اس میں حقوق متاثر ہونے والے ہیں لہذا کورٹ اس کا فیصلہ کرے گا، اب مثلاً میں عرض کرتا ہوں کہ ایک مرد جاتا ہے

کورٹ میں اور جا کر یہ کہتا ہے کہ صاحب میں طلاق دینا چاہتا ہوں، آپ اس کا فیصلہ کر دیجئے عورت جو مدعی علیہا ہے، جب جج اس کو بلا کر پوچھتا ہے کہ بھائی تمہارا شوہر تم کو طلاق دینا چاہتا ہے تم کیا کہتی ہو؟ اگر عورت مثلاً یہ کہے کہ صاحب میرا تو کوئی والی، وارث نہیں میرا کوئی ٹھکانہ نہیں، مجھے کہیں سے مدد اور سپورٹ ملنے والی نہیں، میرے بچے بھی ہیں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کی دیکھ رکھ کے لیے ہم دونوں کی ضرورت ہے اور شوہر کو کیا شکایت ہے، میں شکایتیں دور کرنے کے لیے تیار ہوں، میں اس شوہر کو چھوڑنا نہیں چاہتی، لہذا جج فیصلہ نہ کرے میرے نکاح اور شادی کے فسخ کا، تو جج جو ہے فسخ نہیں کرے گا، اب اگر یہ وکیل ہوتا شوہر کا مثلاً تو پھر اس کو فیصلہ کرنا تھا، اگر یہ تفویض کا مسئلہ ہوتا تو جج فیصلہ کر دیتا، مگر نہ یہ تو وکیل ہے نہ تفویض، اس لیے اس مسئلہ پر ہمیں زیادہ بحث کرنے کے بجائے اس پر دیکھنا ہے کہ بھائی مسئلہ وہاں تو وکیل یا تفویض کا نہیں ہے وہ تو یہ سمجھا جا رہا ہے کہ طلاق دینے کا حق عدالت کو ہے چاہے وہ شرعاً صحیح ہے یا غلط ہے چون کہ حق اسی کو ہے اس لیے میں اس کورٹ میں آیا ہوں تاکہ جج فیصلہ کر دے تفریق کا۔ مسئلہ یہ ہے۔ اس لیے اس میں غور ہونا چاہئے اور اسی طرح سے وہ معاملات جس میں قضاء قاضی کی مثلاً ضرورت نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ ولایت عامہ جو قاضی کو حاصل ہے اور ایک طرف یہ بھی ہے کہ صاحب مسلمانوں کے اوپر ولایت عامہ غیر مسلموں کو حاصل نہیں ہوگی تو اس صورت میں کوئی بھی معاملہ ہو چاہے وہ مالیات سے متعلق ہو یا کسی اور چیز سے، اگر جج فیصلہ کرے تو وہ فیصلہ ماننا ہوگا ورنہ جیل جائے، تو پھر اس صورت میں ہم کونسے مسئلہ میں یہ کہیں گے کہ یہاں تو قضاء قاضی جو ہے اس میں مسلمان ہونے کی شرط نہیں ہے یہاں تو شرط ہے۔ یہ سب چیزیں الجھی ہوئی ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ اس میں تھوڑا ان سب پہلوؤں پر نظر کرتے ہوئے غور کیا جانا چاہئے اور خاص طور پر ہمارے مولانا صاحب نے شافعی مسلک کی کتابوں کا حوالہ دیا وہ اس معاملہ میں، میں سمجھتا ہوں کہ بہت مدد و معاون ثابت ہوگی انشاء اللہ جزاکم اللہ خیراً۔

مفتی صباح الدین ملک:

ایک بات تو ابھی ہمارے..... کہ اس کی تین صورتیں بنتی ہیں: تحکیم ہے، تفویض ہے، توکیل ہے، کیا ضروری ہے کہ ہم اس مسئلہ کو صرف تین ہی فریم میں دیکھیں، کہ تحکیم ہے، تفویض ہے اور توکیل ہے۔

مولانا عتیق احمد بستوی:

چوتھا فریم کیا ہے؟ وہ بتائیں۔

مفتی صباح الدین ملک:

چوتھی صورت، پانچویں صورت اور چھٹی صورت بھی نکالی جاسکتی ہے مجھے جو بات کہنی ہے وہ اصل میں یہ ہے کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے پانچ سوالات اٹھائے تھے، تین کا جواب تو انھوں نے دے دیا، پھر ان کا میلان اس طرف ہوا کہ توکیل مان لیا جائے..... ابھی جو آپ نے یہ مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو مثالیں پڑھی، اس میں بھی صورت حال یہ ہے کہ جو فیصلے جس سے اتفاق کیا ہے مولانا آزاد نے وہ وہ شکلیں ہیں جب کہ ایک غیر مسلم قاضی نے جو فیصلہ دیا ہے وہ شریعت کے مطابق ہے۔ یعنی اگر وہ مسلمان قاضی بھی ہوتا تو فیصلہ وہی ہوتا۔ تو میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب کے مطابق اگر وہ بات مان بھی لی جائے تو یہ شرط اس میں ماننا پڑے گا کہ توکیل مان کر بھی اور نکاح کو اس دائرہ میں شامل کر کے بھی یہ شرط لگانی پڑے گی کہ اگر غیر مسلم قاضی ہو اس کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہو تب ہی وکالت بھی ختم ہو سکے گی اور نکاح کو بھی اس دائرہ میں رکھنا ہوگا۔ ایک دوسری بات یہ کہنی ہے کہ اصل میں ہم لوگ سب پر یہ بات واضح ہوگی، میں صرف یاد دہانی کرانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کا جو بھی حل نکالیں گے وہ حل آپ کا دائمی نہیں ہو سکتا ہے، کوئی حل ایسا نہیں ہو سکتا کہ جس پر آپ کو اطمینان ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ ایک بے اقتدار اور بے اختیار شریعت کا مسئلہ ہے،

شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ایک قانون ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی قانون ہو اس پر گفتگو کی جاتی ہے تو قانون کے پیچھے قوت نافذ ہونی چاہئے۔ ہم لوگوں کا مسئلہ یہ ہے جو پوری دنیا میں عام ہے اس وقت، وہ یہ ہے کہ ہمارے پاس شریعت اور اللہ اس کے پیچھے سینکشن ہے۔
مولانا عتیق احمد بستوی:

مولانا صباح الدین صاحب بہت فکری موضوع شروع ہو گئے اب، وقت نہیں ہے چھوڑیے اس موضوع کو۔

مفتی صباح الدین ملک:

مسئلہ یہ ہے کہ جو مقابل میں دوسری تہذیب ہے وہ تو اپنے معیار کے مطابق جو سماجی یعنی حقوق نسواں.....

مولانا عتیق احمد بستوی:

بھائی میں بھی بول سکتا ہوں اس موضوع پر، یہ موضوع چھوڑیے۔

مفتی صباح الدین ملک:

تو پوری صورت حال بدلی ہوئی ہے صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی شریعت کو ایمانی، رضا کارانہ صورت سے اس کو ہم نافذ کریں جو ہم ہندوستان میں بھی کر رہے ہیں، شرعی پنچایت کے ذریعہ اور ایمانی قوت کے ذریعہ۔

مولانا عبداللہ کا پودروی:

معزز مفتیان کرام! اس وقت ہم کس طرف جا رہے ہیں، ہمیں سوچنا چاہئے کہ نصوص قطعیہ میں کسی طرح کا تغیر، تبدل اور تشبیہ، اباحت پسندی کسی طرح روا نہیں ہے اس وقت غیر مسلم حج کا کوئی بھی فیصلہ، خاص کر طلاق کے بارے میں اس لیے صحیح نہیں ہے کہ وہ حقیقت میں قرآن و حدیث کے احکام کو بدل کر، اس طرف لے جا کر عورتوں کو آزادی دینا چاہتے ہیں، ایسی آزادی

جو اسلام سے ہٹ کر ہو، آج اگر اس پر فیصلہ کیا تو میں افریقہ میں کئی سال جا چکا ہوں، یو، کے (U.K) کے حالات سے واقف ہوں ایسا دروازہ کھل جائے گا، ایسا دروازہ کھل جائے گا کہ ہماری ساری عورتیں، مائیں، بہنیں کورٹ پکھری کے مقدموں اور فیصلوں کے ذریعہ تفریق ہی تفریق کرتی رہیں گی، نسلیں خراب، برباد ہو جائیں گی، اسلام پر باقی رہنا دشوار ہو جائے گا اس لیے کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کے جواز کی کوئی شکل اختیار کریں، بلکہ ہم یہ سوچیں کہ ایسی فاسقہ فاجرہ عورت جو اسلامی احکام کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور غیر مسلم حج کا سہارا لے کر قرآن و حدیث کے خلاف فیصلہ چاہتی ہو، کیا ہم اس کا تعاون کر سکتے ہیں، قرآن شریف میں صاف لفظوں میں انکار کر دیا ”ولا تعاونا علی الاثم والعدوان“ تو یہ درحقیقت اس کے جواز کی شکل سوچ کر، ہم ایک دروازہ کھول رہے ہیں اس بات کی طرف کہ ہمارے ایسے ممالک کے اندر رہنے والی فاسقہ فاجرہ عورتیں: آہستہ آہستہ اس کا رواج بڑھتا جائے اور تمام مسلمان پریشان ہو جائیں۔

آخری بات میں سنالوں، میرے سامنے میرے ساتھ پڑھے ہوئے ۴۵ رسال کی عمر کی عورت تھی اور وہ اپنے ۵۵ رسال کے شوہر کو چھوڑ کر چلی گئی یو کے (U.K) میں، ایک جوان کے پاس، جس کے بیٹے اور بیٹیاں ساری جوان تھیں، کورٹ نے فیصلہ کر دیا تفریق کا ہمارے وہاں کے شرعی پنچایت نے مجبور کیا شوہر کو وہ طلاق دیدیں، تو ایسی چیزیں ہوتی رہیں گی اور تفریقیں بڑھتی رہیں گی اور یہ تو ایک کھیل بن جائے گا، اس لئے اس پر کوئی جواز کی شکل سوچنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت ہے کہ جو حقیقت میں گنہگار ہیں ان کو صحیح کرنے کی اور تدبیریں سوچنے چاہیے کہ ایسے غیر مسلم حج کے پاس جا کر اپنا فیصلہ لیں ان کے لیے وہاں کے مقامی مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، ان سے قطع تعلق کرنا چاہئے جو بھی صورت ہو ان کو اختیار کرنا چاہئے اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

مولانا مفتیق احمد بستوی:

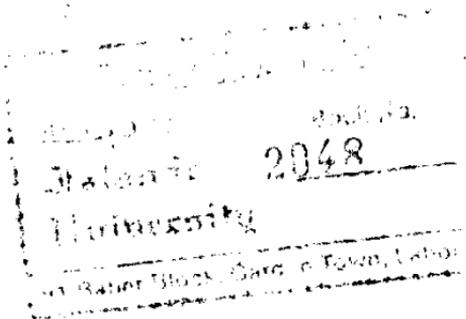
بھائی یہ پورا ہاؤس بیٹھا ہے الحمد للہ فقہ اکیڈمی کے سینار ہوتے رہتے ہیں، ہم مسائل پر غور کرتے ہیں، میں نہیں سمجھتا ہوں کہ یہ بات یہاں کہنے کی ضرورت ہے کہ نصوص قطعہ کے خلاف ہم نہ سوچیں، کون بیٹھا ہے نصوص قطعہ کے خلاف سوچنے کے لیے، یہ سارے علماء دین کے محافظ ہیں اور دین کے دائرہ میں، شرع کے دائرہ میں رہتے ہوئے جو مجتہد فیہ مسائل ہیں ان ہی کے بارے میں غور کر سکتے ہیں، اس لیے یہ بات تو بے موقع سی ہے مجھے معاف فرمائیں، لیکن ہاں یہ بات، بھائی مسائل جو ہیں عورتوں کے، جو مشکلات ان کی ہیں، عورتیں آپ کا نصف ہیں اور یہ سمجھنا کہ وہ تو بگڑ رہی ہیں، خراب ہو رہی ہیں انھیں جانے دو، اسے رہنے دو ان کو اور واقعات دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ یورپ میں جو آزادی نسواں کا نعرہ بلند ہوا اور قوانین بنے اور آج ہمارے ملک میں صورت حال وہی چل رہی ہے اس کی وجہ سے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بسا اوقات شوہر مظلوم ہو جاتا ہے اور اب تو انجنین ایسی قائم ہو گئی ہیں ان ملکوں میں مظلوم شوہروں کی جو اپنے حقوق کے لیے لڑ رہی ہیں۔ برطانیہ میں ہو یا امریکہ میں ہو باضابطہ تنظیمیں قائم، وچکی ہیں، لیکن ظاہر بات ہے کہ ہم جذبات میں کوئی بات کہہ کر کے کہ یہ عورتیں ظلم کر رہی ہیں، فلاں کر رہی ہیں کہ بھائی جہاں صریح حرام کی بات ہے، صریح حرام کو کون حلال کرے گا، لیکن کوئی مسئلہ کا اگر حل ہے شرعی حدود میں رہتے ہوئے تو اسی پر غور کرنے کے لیے آپ حضرات یہاں پر جمع ہوئے ہیں اور اکیڈمی نے الحمد للہ ہمیشہ اس کا التزام کیا ہے کہ اکیڈمی کے یہاں جو مسائل بھی زیر غور آئے ہیں، باتیں ایسی آسکتی ہیں کوئی قول شاذ بھی ذکر میں آسکتا ہے۔

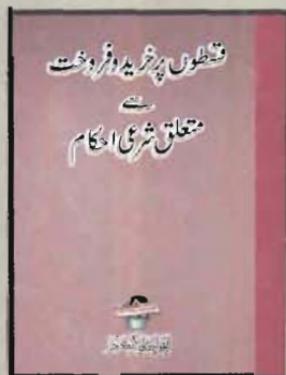
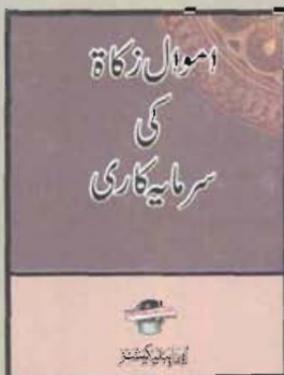
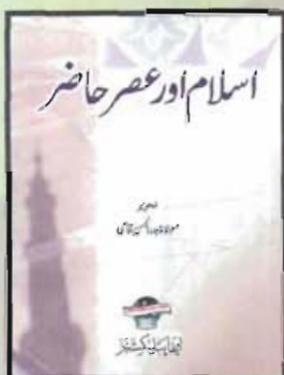
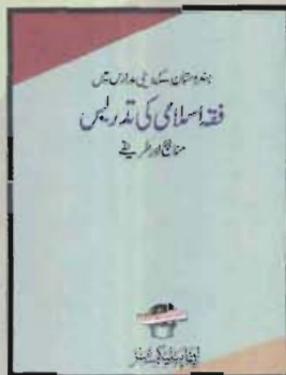
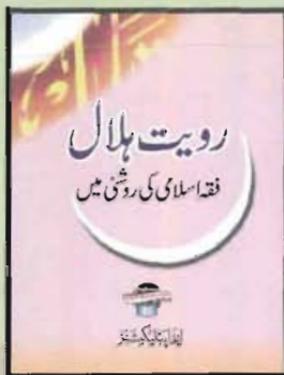
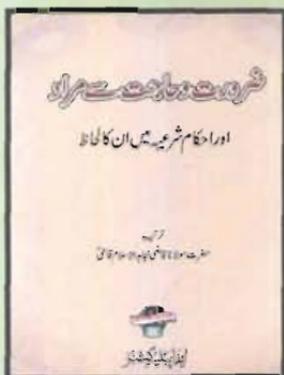
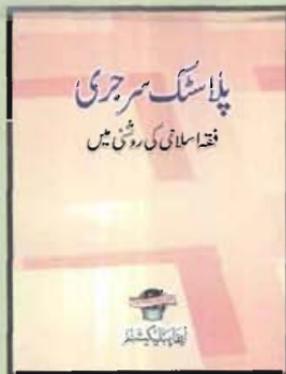
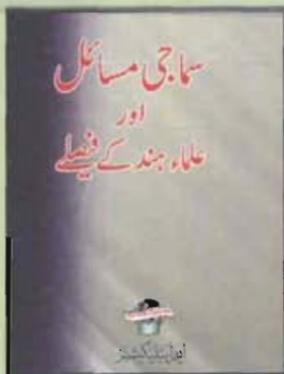
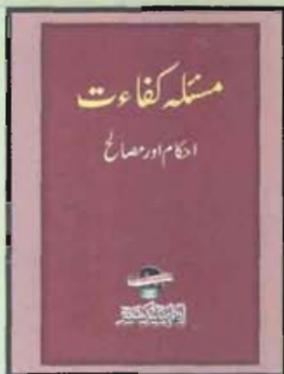
ایک بات آپ سے میں عرض کر دوں کہ بھائی جو مناقشے ہوتے ہیں گفتگو میں ہوتی ہیں بعض باتیں ایسی آسکتی ہیں جو آپ کے نزدیک قول شاذ ہے، بھائی مولانا آزاد کی شخصیت کئی

بلند ہو لیکن فقہی معاملات میں، ان سب چیزوں کے بارے میں کس نظر سے ہم ان کو دیکھتے ہیں، کہاں تک کیا مقام ہے وہ الگ موضوع ہے انھوں نے اتنا کیا کہ ان کی رائے پیش کر دی آپ کے سامنے، یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے رائے پیش کر دی تو اب گویا آپ سب اسی کو اختیار کر لیں گے، یہ تو بوجھ کر رہے ہیں آپ، کمیٹی آپ کی بیٹھی گی، تبادلہ خیال ہوگا اس کے بعد کوئی چیز طے ہوگی آپ کے درمیان، اگر کوئی چیز طے نہ ہو تو اس پر کچھ بھی نہیں کیا جائے گا، اب کسی بات کی گنجائش نہیں ہے، مزید میں درخواست کرتا ہوں صاحب صدر سے کہ اپنے صدارتی کلمات جو دعائیہ کلمات ہوں گے اس سے اجلاس کو ختم فرمائیں۔

☆☆☆

2048





IFA Publications

161 - F, Basement, Joga Bai, Post Box No - 9708,
Jamia Nagar, New Delhi - 110025

Tel : 26981327 Email: ifapublications@gmail.com